بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ [الغاشية: ٢١]

(اے پیغمبر علیہ السلام) آپ سمجھاتے رہیے، آپ کا کام ہی سمجھانا ہے)

کتابُ
الوَعظِ وَالتَّذْکِیر

جلد اَول

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

❍ نام کتاب : کتاب الوعظ والتذکیر (جلداول)
❍ منتخب اصلاحی بیانات : مفتی محمد سلمان منصور پوری
❍ جمع وضبط مفتی انعام الحق قاسمی حیدرآباد، مفتی عبدالرحمٰن قاسمی بنگلور، اُم محمد سلمہا دہلی، محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
❍ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
❍ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
9412635154 - 9058602750
❍ اشاعتِ : ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ مطابق اگست ۲۰۲۰ء
❍ صفحات : ۳۳۰

❍ آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ کریں:

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

(مولوی محمد جنید پٹیل، جامعہ حقانیہ کٹھور، گجرات)

❍ الحمدللہ ہر اتوار کو رات میں ۱۰ ربجے ’’التذکیر یوٹیوب چینل‘‘ پر ’’درسِ قرآن‘‘ اور ’’دینی رہنمائی‘‘ کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے، لنک درج ذیل ہے:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

(مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری 8791034667)

نصیحت جاری رکھئے!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ○ [الذّٰريٰت: ٥٥]

(اور آپ نصیحت فرماتے رہیے! اِس لئے کہ نصیحت اِیمان والوں کونفع دیتی ہے)

سب سے اچھی بات

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○

[فصلت: ٣٣-٣٦]

ترجمہ:- اوراُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو(لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل (بھی) کرے اور کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو ایسی خصلت سے دفع فرمایئے جو بہت بہتر ہو، پھر وہ شخص کہ جس میں اور آپ میں دشمنی ہے گویا کہ وہ جگری دوست بن جائے گا، اور یہ خصلت انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات انہیں کو سکھلائی جاتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ باز رکھے تو اللہ سے پناہ مانگئے، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسولهٖ الكريم، أمابعد !

اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت اور توفیق سے راقم الحروف کو دعوت واِصلاح کی غرض سے ملک وبیرونِ ملک میں بہت سے مقامات پر حاضری اور بیانات کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے بعض اَحباب نے بڑی محنت اور کوشش سے اُن ریکارڈ شدہ بیانات کو تحریری شکل دینے کا کام شروع کیا ہے۔

احقر نے یہ سوچ کر کہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اور زبانی کہی ہوئی باتیں اکثر قصہ پارینہ بن جاتی ہیں؛ اِس لئے صدقہ جاریہ سمجھتے ہوئے اِن تحریری بیانات پر نظرِ ثانی کرنے کا اِرادہ کیا۔

اور اُن میں حک واِضافہ نیز اَحادیثِ شریفہ اور دیگر پیش کردہ نصوص کی مراجعت کر کے قابلِ اِشاعت بنایا، اور ایک ایک کر کے رفتہ رفتہ مختصر رسالوں کی شکل میں الحمدللہ اُن کی اِشاعت شروع ہوئی۔

اَب بفضلہٖ تعالیٰ ۲۰ ؍رسالوں کا یہ مجموعہ: ''کتاب الوعظ والتذکیر'' کے نام سے یکجا طور پر کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، فالحمد کلہ للہ۔

نیز شروع میں وعظ وخطابت سے متعلق ایک جامع ''ابتدائیہ'' بھی اِس مجموعہ میں شامل ہے، جس سے اِس میدان میں خدمت کرنے والے حضرات فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بہت ممکن ہے کہ کسی جگہ کتابت یا تعبیر کی غلطی قارئین کے سامنے آئے، تو درخواست ہے کہ اُس سے تحریری طور پر ضرور مطلع فرمائیں؛ تاکہ آئندہ اِشاعت میں اُس کی اصلاح کی جاسکے۔

جن اَحباب نے صوتی ریکارڈ سے جمع وضبط کا کام کیا ہے، احقر اُن کا بہت مشکور ہے، ہر رسالے پر اُن کا نام درج کردیا گیا ہے۔

مکرمی جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب قاسمی زیدعلمہ شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر نے مذکورہ مسودہ پر بہت گہری نظرڈال کر تصحیح کی، اور مناسب مشورے دئے۔

اِسی طرح مولانا محمد اسجد قاسمی مظفرنگری صاحب نے کمپیوٹر کتابت اور تزئین کا کام حسبِ سابق بہترین انداز میں کیا، اِس پر وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ اِس سلسلے کو بے حد قبول فرما کر اُمت کے لئے نافع بنائیں، ہمارے اَساتذہ ومشائخ اور والدین محترمین نیز جن کتابوں سے اِستفادہ کیا گیا ہے، اُن کے مصنفین کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنائیں، اور ہم سب کو ہر قسم کے ظاہری وباطنی شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق والمعین

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۵/۱۲/۱۴۴۱ھ م ۱۶/۸/۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

(ابتدائیہ)

وعظ وخطابت؛ نزاکتیں اور آداب

(۱)

اِسلام کی بنیادی تعلیمات

(حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کی دل نشیں تشریح)

(۲)

قابلِ تعریف صرف اللہ ہے

(۳)

عقل مند کون؟

(۴)

مقصدِ زندگی

(۵)

سچے اہلِ ایمان کی چند صفات

(۶)

عرش کے سایہ میں

(۷)

اَمانت کی اَدائیگی

(۸)

پانچ نبوی دعائیں

(۹)

خیر وشر میں امتیاز

(۱۰)

اہل اللہ سے تعلق

(۱۱)

فضائلِ قرآنِ کریم

(۱۲)

ظاہر و باطن کی اِصلاح

(طلبہ اور علماء سے گفتگو)

(۱۳)

اَولاد کے اِیمان کی فکر کیجئے!

(۱۴)

ایک کامیاب خاتون

(حضرت آسیہؓ)

(۱۵)

عالمہ بننے کی لاج رکھیں!

(۱۶)

دو عظیم نعمتیں

(۱۷)

دعوتِ دین کا عمومی مفہوم

(۱۸)

آیئے حج کریں!

(۱۹)

محکمۂ شرعیہ کی ضرورت واَہمیت

(۲۰)

حِلف الفضول

(معاہدۂ امن وعدل)

اِبتدائیہ:

وعظ وخطابت

نزاکتیں اور آداب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ وخطابت کی ضرورت واَہمیت

نحمده ونصلي علىٰ رسولهِ الكريم، أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو جو بیش قیمت امتیازی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اُن میں ایک عظیم نعمت ''البیان'' ہے۔ یعنی ''اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے سامنے کھول کر بیان کرنا''۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں اِس نعمت کی یاد دِہانی کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ [الرحمن: ۳-٤] (یعنی اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو پیدا فرما کر اُسے قوتِ بیان سے سرفراز فرمایا)

اَب یہ اِنسان کے لئے بڑی خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اِس نعمت کو دعوت الی اللہ اور دین حنیف کی نشر واِشاعت میں صرف کرے، بلاشبہ یہ قوتِ بیان کا سب سے بہترین مصرف ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [فصلت:۳۳] (اور اُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور خود (بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں)

اور اِس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دعوتِ دین اور اصلاحِ اُمت کے کام میں وعظ ونصیحت اور خطابت کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ کسی اور عمل کو حاصل نہیں ہے؛ اِس لئے کہ بسا اَوقات تصنیف وتالیف یا تدریس وتعلیم سے وہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جو ایک عالم ربانی کی وعظ ونصیحت سے پہنچتا ہے۔ اِسی بنا پر اکابر ومشائخ کا معمول رہا ہے کہ وہ دعوتی مقاصد سے دور دراز مقامات کے اَسفار

فرماتے ہیں، اور شہر شہر اور قریہ قریہ پہنچ کر اللہ کے بندوں کو ربِ حقیقی سے جوڑنے پر محنت کرتے ہیں۔ اِس طرح کے اَسفار اور پرخلوص بیانات سے جہالت کے پردے چھٹتے ہیں، علم کی روشنی پھیلتی ہے، اور ہدایت عام ہوتی ہے۔

اِس لئے ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کو مقصود بنا کر دعوت و اِصلاح کے میدان میں اپنی خدمات پیش کریں۔

لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ خدمت اپنے اندر بڑی نزاکت بھی رکھتی ہے؛ کیوں کہ نفس وشیطان کے فتنہ سے حفاظت کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور یہ فتنے کئی طرح رونما ہوسکتے ہیں۔ مثلاً:

عُجب اور خود پسندی

الف:- بسا اَوقات اچھی گفتگو کی توفیق ملنے پر آدمی عُجب (خود پسندی) میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ یعنی خواہ مخواہ اپنے کو دوسروں سے اچھا اور افضل سمجھنے لگتا ہے، حالاں کہ یہ انتہائی ہلاکت خیز صفت ہے، جو اِنسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، اور بالآخر دنیا اور آخرت میں ذلت کا سبب بن جاتی ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''تین باتیں آدمی کے لئے بڑی ہلاکت کا سبب ہیں: (۱) ایسا لالچ؛ جس کا آدمی غلام بن جائے (۲) ایسی نفسانی خواہش؛ جس کی پیروی کی جائے (۳) اور آدمی اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص: ۵۵۸ حدیث: ۳۹۶۴ بیت الافکار، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۵۴۵۲)

لہٰذا ہمیں بہرحال عُجب سے بچنا چاہیئے، اور یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمارے اندر جو بھی ظاہری یا باطنی کمال ہے، وہ حقیقی اور ذاتی نہیں ہے؛ بلکہ سب کا سب عطاء خداوندی ہے، ذاتی کمال تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

جب یہ حقیقت آدمی کے پیش نظر ہوگی تو وہ کبھی بھی اپنے کو برتر سمجھنے کا خیال دل میں نہیں لائے گا؛ بلکہ اُس کا دل اللہ کی نعمتوں پر شکر گذاری سے معمور ہوگا، اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا کہ کہیں ناشکری کی وجہ سے وہ اِس نعمت سے محروم نہ کردیا جائے، الامان والحفیظ۔

اور کوئی شخص اپنے کو ہرگز پاکیزہ نہ سمجھے؛ اِس لئے کہ عصمت (برائیوں سے حفاظت) صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، اُن کے علاوہ کوئی شخص سو فیصد برائی سے محفوظ نہیں، اور عوام کی خوش اعتقادی یا خلقِ خدا کا رجوع قطعاً بے اعتبار چیز ہے، اُس سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے، اُس کی حیثیت پانی کے جھاگ سے زیادہ نہیں ہے۔

کامیاب آدمی وہی ہے جو اپنے محاسبہ سے کبھی غافل نہ رہے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کرتا رہے۔

ریاکاری

ب:- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گفتگو کرتے وقت آدمی کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر حاضرین کی طرف ہوجاتی ہے، اور اُس کا نفس دوسرے مقررین پر برتری یا عوام کی جانب سے مدح وثنا میں مشغول ہوکر اُخروی اَجر وثواب سے مکمل محروم ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سراپا نقصان کا سودا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ’’مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ طُمِسَ وَجْهُهُ وَمُحِقَ ذِكْرُهُ وَأُثْبِتَ اسْمُهُ فِي النَّارِ. (الترغیب والترهیب مكمل ص: ۳۲ حدیث: ۳۷) (یعنی جو شخص آخرت کے کسی عمل سے دنیا کا طالب ہوتو اُس کے چہرے پر پھٹکار ہوتی ہے، اُس کا تذکرہ مٹادیا جاتا ہے اور اُس کا نام جہنم میں لکھ دیا جاتا ہے)

اِس لئے گفتگو شروع کرنے سے قبل حسن نیت کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ ساری محنت اکارت ہوجائے گی، العیاذ باللہ۔

بے سند اور دقیق باتوں کا ذکر

ج:- اِسی طرح زمانۂ قدیم سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے کہ وعظ وخطابت کے مشغلے میں لگنے والے بعض حضرات اپنی بات میں زور پیدا کرنے یا عوام کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے بے اصل اور بے سند روایات وواقعات بے تکلف بیان کرتے ہیں، چناں چہ ایسے غیر ذمہ دار واعظین کے

حوالے سے سیکڑوں موضوع اور من گھڑت باتیں عوام میں رائج ہوجاتی ہیں، حالاں کہ اَحادیثِ شریفہ میں جھوٹی اور موضوع روایات کے بیان کرنے پر سخت ترین وعیدیں وارد ہیں۔ اور جو شخص جان بوجھ کر ایسی روایتیں عوام میں بیان کرے، وہ بلاشبہ لعنت کا مستحق ہے۔ (مسلم شریف/ مقدمہ ۱/۷)

جب کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ قرآن وسنت کی اپنی جانب سے ایسی تفسیر وتشریح پیش کرتے ہیں، جو سلف صالحین اور علماء حق کی تعبیرات سے مختلف ہوتی ہے، یا ایسے دقیق علمی مضامین عمومی مجامع میں بیان کرتے ہیں، جو عوام کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے عوام فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں؛ حالاں کہ یہ طریقہ بالکل نامناسب اور ممنوع ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقولہ مشہور ہے: ''**مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيْثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُوْلُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً**''. (صحيح مسلم / مقدمة ۹/۱) (یعنی جب بھی تم لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کروگے جو اُن کی عقل وفہم سے بالاتر ہو، تو وہ ضرور اُن کے لئے فتنہ (گمراہی) کا سبب بن جائے گی)

تو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ نادر ونایاب یا دقیق مضامین بیان کرنا کوئی کمال نہیں ہے؛ بلکہ ''آسان انداز میں دین کی صحیح اور معتبر باتیں اُمت تک پہنچانا'' یہی وعظ وتذکیر میں اصل مطلوب ہے، جو واعظ وخطیب اِس کا لحاظ نہیں رکھے گا، وہ کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوگا۔

بے جا تکلف

د:- وعظ وتقریر کے عیوب میں سے ایک بڑا عیب بتکلف مٹھار مٹھار کر گفتگو کرنا ہے۔ اِس سے سامعین کے کانوں کو وقتی لذت تو ضرور حاصل ہوسکتی ہے؛ لیکن وعظ وتقریر کا اصل مقصد یعنی دعوت واِصلاح؛ اِس طرح کے بیانات سے عموماً حاصل نہیں ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تکلفانہ گفتگو پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے۔ سیدنا حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''**إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ**

اَلثَّرْثَارُوْنَ اَلْمُتَفَیْهِقُوْنَ اَلْمُتَشَدِّقُوْنَ''. (صحیح ابن حبان حدیث: ٤٨٢) (یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب تم میں سب سے اچھے اخلاق والے لوگ ہیں، اور اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہیں جو جھک بازی کرنے والے ہیں، متکبر ہیں اور مٹھار کر بتکلف گفتگو کرنے والے ہیں)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ تقریر اصل مقصود نہیں؛ بلکہ یہ محض وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے، اصل مقصود دین کی تبلیغ اور اُمت کی اِصلاح ہے، اِس سے کبھی پہلوتہی نہیں کرنی چاہئے۔ اور بہرحال بے جا تکلف سے بچنا چاہئے۔

بے عملی

ہ:- ایک واعظ وخطیب کے لئے سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ وہ جن باتوں کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے، وہ خود اُن پر کس قدر عمل کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اگر صرف لفاظی ہی لفاظی ہو اور زندگی عمل سے خالی ہو، تو یہ ''دعوتی خدمت'' موجبِ اَجر وثواب تو کیا ہوتی؟ آخرت میں نعوذ باللہ بھاری بوجھ بن جائے گی۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے علماءِ یہود کو تنبیہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ﴿اَتَـأْمُـرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ٤٤] (کیا تم لوگوں کو نیکیوں کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولے رہتے ہو؟ حالاں کہ تم کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہو، کیا تمہیں عقل نہیں ہے)

یہ تنبیہ صرف یہودیوں ہی کے لئے نہیں؛ بلکہ اُمتِ محمدیہ کے ہر فرد کے لئے بھی ہے، اور جو اِس کا لحاظ نہیں رکھے گا وہ خسارے میں رہے گا، اور آخرت میں سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ معراج کی رات میں میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا، جن کے ہونٹوں کو آگ کی

قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا، تو میں نے پوچھا کہ "یہ کون لوگ ہیں؟" تو جواب ملا: "خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا مِمَّنْ كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ". (رواه أحمد، تفسير ابن كثير مكمل ص: ٦٥) (یعنی یہ آپ کی اُمت کے دنیادار خطباء اور واعظین ہیں، جو لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے تھے، اور خود اپنے کو بھولے رہتے تھے؛ حالاں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے تھے، کیا اُنہیں عقل نہیں ہے؟)

اور محبوبِ پیغمبر سیدنا حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: "قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا، پھر اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، تو جہنم میں اُس کی آنتیں پیٹ سے نکل پڑیں گی، اور وہ اُن کے اِردگرد اِس طرح چکر کاٹے گا جیسا کہ گدھا چکی کے اِردگرد گھومتا ہے؛ تا آں کہ جہنمی لوگ اُس کے پاس اکٹھے ہوکر اُس سے پوچھیں گے کہ: "ارے فلانے! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو دنیا میں ہمیں اچھائیوں کا حکم نہ دیتا تھا؟ اور برائی سے نہ روکتا تھا؟"۔ تو وہ جواب دے گا: "كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ". (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق / باب صفة النار وأنها مخلوقة رقم: ٣٢٦٧) (یعنی میں تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتا تھا؛ لیکن اُس پر خود میرا عمل نہ تھا، اور میں تم کو برائیوں سے روکتا تھا؛ لیکن خود برائی میں مبتلا تھا) نعوذ باللہ من ذلک۔

دیکھئے! بے عمل واعظین کے لئے کتنی سخت جھنجھوڑنے والی اور رونگٹے کھڑی کردینے والی حدیث ہے۔

اور ایک ضعیف روایت میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: "مَنْ دَعَا النَّاسَ إِلىٰ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ وَلَمْ يَعْمَلْ هُوَ بِهِ لَمْ يَزَلْ فِيْ ظِلِّ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَكُفَّ أَوْ يَعْمَلَ مَا قَالَ أَوْ دَعَا إِلَيْهِ". (مجمع الزوائد ٢٨٩/٧، تفسير ابن كثير مكمل ص: ٦٦ دار السلام رياض) (یعنی جو شخص لوگوں کو کسی قول یا فعل کی دعوت دے اور خود اُس پر عامل نہ ہو، تو وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے؛ تا آں کہ بدعملی

سے نہ رکے، یا اُس نیکی پر عمل نہ کرے جس کی طرف وہ دعوت دینے والا ہے)

لہٰذا جن حضرات کو بھی اللہ تعالیٰ نے وعظ و بیان کی خدمت کی توفیق عطا فرما رکھی ہے، اُنہیں اوروں سے زیادہ اپنے قول و فعل میں موافقت کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو اپنے فضل سے معاف فرمائیں، اور ہم سب کو ہدایت پر اِستقامت سے نوازیں، آمین۔

گفتگو میں حکمت ومصلحت کی رعایت

دعوتی واِصلاحی گفتگو کرتے ہوئے جہاں برموقع احقاقِ حق کی ضرورت ہے، وہیں موقع محل کی حکمت ومصلحت کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے، اِس کے بغیر نفع حاصل نہیں ہوسکتا؛ گویا کہ نہ تو ایسی مداہنت ہو جو دین کے لئے نقصان دہ ہو، اور نہ ہی ایسی نامناسب انداز کی صاف گوئی ہو جو خدانخواستہ مزید انتشار کا سبب بن جائے؛ بلکہ دانش مندی کے ساتھ برائی پر نکیر ہونی چاہئے۔

چناں چہ اِس بارے میں قرآنِ پاک میں واضح ہدایت دیتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل، جزء آیت: ۱۲۵] (یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی طرح نصیحت کے ذریعہ دعوت دیجئے، اور بہترین طریقے پر اُن سے مباحثہ فرمایئے)

اِس آیت کی جامع تفسیر فرماتے ہوئے حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا:

''حکمت سے وہ طریق دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت سے ایسی تدبیر اختیار کی گئی ہو جو مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوسکے، اور نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیرخواہی وہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے، اور اچھی نصیحت سے مراد یہ ہے کہ عنوان بھی نرم ہو، دل خراش اور توہین آمیز نہ ہو، اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے، یعنی اگر بحث ومباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی شدت اور خشونت سے اور مخاطب پر الزام تراشی اور بے انصافی سے خالی ہونا چاہئے''۔ (معارف القرآن ۵/۴۱۸)

انبیاء علیہم السلام کا اُسوۂ مبارکہ

دراصل تمام پیغمبروں کا یہی اُسوۂ مبارکہ رہا کہ انہوں نے اپنی قوموں کی گستاخیوں کے جواب میں کوئی غلط کلمہ زبان سے نہیں نکالا؛ بلکہ نہایت وقار اور تدبر کے ساتھ مناسب جواب دیتے رہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھے بغیر دعوت ونصیحت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اور لوگوں کو اپنے سے قریب کرنے کے لئے بدمزاج شخص سے بھی نرم رویہ اپنانا ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہیں فرعون کی طرف داعی بنا کر بھیجا، تو خاص طور پر یہ ہدایت دی گئی: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ [طٰہٰ: ٤٤] (یعنی اُس سے نرم بات کہو، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا اللہ سے ڈرے)

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن کامل اخلاق سے نوازا گیا ان میں ایک ممتاز صفت نرم روی اور خوش دلی کی تھی، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ان الفاظ میں کیا گیا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ١٥٩] (یعنی اللہ ہی کی رحمت کی بدولت آپ اُن کے لئے نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہوجاتے؛ اِس لئے آپ اُن سے درگذر کیجئے اور اُن کے لئے مغفرت مانگئے اور کاموں کے سلسلہ میں اُن سے مشورہ لیتے رہا کیجئے)

اِنہی صفات کا اثر تھا کہ جو شخص بھی آپ سے قریب ہوتا، آپ کے کریمانہ اَخلاق کی بدولت آپ کی محبت اُس کے دل میں جاگزیں ہوجاتی، اور بڑے سے بڑا دشمن آپ کے شاندار برتاؤ کو دیکھ کر دل سے جاںنثار ہوجاتا۔

بعض حضرات اپنی حق گوئی کے جوش میں ماحول کی حکمت اور مصلحت کو بالکل فراموش کردیتے ہیں، جس کا نتیجہ بسا اَوقات بہت بری شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اِس لئے بہرحال گفتگو میں

سنجیدگی، وقار اور شرافت کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ جاہلوں کا جواب جہالت نہیں ہے؛ بلکہ حلم و بردباری اور حکمتِ عملی کے ساتھ اِصلاح کی فکر ہونی چاہئے، تبھی پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

نکیر ہو، مگر تحقیر نہیں

برائی دیکھ کر اُس پر نکیر کرنا بلاشبہ ایک اچھا اور ضروری عمل ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ اس کا مقصد مخاطب کی تذلیل وتحقیر نہ ہو، برائی سے نفرت ضرور ہو؛ لیکن جو شخص برائی میں مبتلا ہے، اس سے دلی ہمدردی ہونی چاہئے، گویا کہ اس کو برائی کے دینی ودنیوی نقصان سے بچانے کے جذبہ ہی سے اس پر نکیر کی جائے، جب یہ جذبہ ہوگا اور مخاطب بھی یہ سمجھے گا کہ یہ ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے تو وہ یقیناً اثر قبول کرے گا، اور اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ برائی میں مزید پختہ ہوجائے گا اور یہ طرزِ عمل اُسے برائی پر اور جری بنادے گا۔

اِس لئے ضروری ہے کہ عام مجامع میں کسی خاص شخص کو نشانہ بنا کر گفتگو نہ کی جائے، اور کسی فرد سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو تنہائی میں اُسے متنبہ کیا جائے، اور اُس کا مذاق نہ اُڑایا جائے۔

حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے:

’’جس شخص کو کسی غلطی پر متنبہ کرنا ہے اگر تم نے اُس کو تنہائی میں نرمی کے ساتھ سمجھایا تو یہ نصیحت ہے، اور اگر برملا لوگوں کے سامنے اُس کو رسوا کیا تو یہ فضیحت ہے‘‘۔ (معارف القرآن ۵/۴۳۲)

بعض حکماء کا مقولہ ہے: ’’مَنْ وَعَظَ أَخَاهُ سِراً زَانَهُ وَمَنْ وَعَظَهُ عَلَانِيَةً شَانَهُ‘‘. (المحاسن والمساوي ۲۷۲) (یعنی جو شخص اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرے تو وہ اُس کو عزت بخشے گا اور جو برسرِ عام نصیحت کرے گا تو وہ اُس کی تذلیل کرے گا)

بسا اَوقات بعض لوگوں پر نہی عن المنکر کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ موقع محل کی رعایت نہیں رکھتے، اور پھر مستقل طور پر منکر میں مبتلا شخص سے دل میں کینہ بٹھا لیتے ہیں؛ حتیٰ کہ وہ اگر توبہ بھی کرلے پھر بھی اُس کا ذکر استہزاء اور تحقیر کے ساتھ کرتے ہیں، حالاں کہ یہ نہایت خطرناک بات ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جس شخص نے دوسرے شخص کو کسی ایسے گناہ پر عار دلائی جس سے وہ توبہ کرچکا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس عار دلانے والے کو اُس کی موت سے پہلے اُس گناہ میں ضرور مبتلا فرمائیں گے''۔ (ترمذی شریف ۲/۷۷)

اِس لئے ایسے معاملات میں بہت احتیاط لازم ہے، خصوصاً مقتدیٰ حضرات کو عام مجامع اور بھری مجلس میں کسی شخص کا نام لے کر یا متعین اِشارہ کرکے اُس کی اِصلاح کا اِقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے، اِس سے بعد میں بڑے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

خطاب سے پہلے تیاری

دعوت واِصلاح کے متعلق قرآن وسنت کی واضح نصوص میں بہت بڑی مقدار میں معتبر مواد موجود ہے، اِس لئے مناسب ہے کہ خطاب سے پہلے جس موضوع پر گفتگو کرنی ہو، اُس کے متعلق مواد پر نظر ڈال لی جائے، اور بہتر ہے کہ مختصر اِشارات کسی کاغذ پر نوٹ کر لئے جائیں، اُس کے بعد گفتگو کی جائے۔ اور مبتدی حضرات کے لئے مناسب ہے کہ وہ اولاً مشق کے طور پر اہم آیات واَحادیث کو حفظ یاد کرلیں، اور اُس کے بعد ہی لوگوں کے سامنے گفتگو کریں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں اِرشاد فرماتے ہیں کہ:

''تقریر کے متعلق آپ کی جدوجہد بہت مناسب ہے، زبان کھلنے کے لئے میں دعا کرتا ہوں، آپ عالی ہمتی کے ساتھ شروع کردیجئے۔

چھوٹے مجمعوں میں خود بخود کھڑے ہوجایا کیجئے، تقریر کرنے سے پہلے ۷/مرتبہ ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ. وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِسَانِيْ. يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ پڑھ کر سینہ پر دم کرلیا کریں، اِن شاء اللہ تعالیٰ اِعانت خداوندی شامل حال ہوگی۔

نیز خالی کمرہ بند کرکے یہ تصور کرتے ہوئے کہ مجمع حاضر ہے، کچھ دنوں تقریر کی مشق

کیجئے۔نواب مہدی خاں مرحوم نے اِسی طرح مشق کی تھی،تو اپنے زمانے میں اعلیٰ درجہ کے مقرر شمار کیئے جانے لگے تھے۔

اثنائے تقریر میں کسی سے مرعوب نہ ہویئے،خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو؟ البتہ مضامین کا غور سے مطالعہ کیجئے،اور جس موضوع پر تقریر کرنی ہو،اگر ممکن ہو تو پہلے تنہائی میں دو تین مرتبہ یا کم اَزکم ایک مرتبہ تقریر کرلیا کیجئے،چرچل (وزیراعظم برطانیہ) آج تک ایسا ہی کرتا ہے۔

زبان جہاں تک ہو؛ عام فہم استعمال کیجئے،جو لوگ الفاظ کی چمک دمک کی طرف جاتے ہیں،میرے خیال میں غلطی میں مبتلا ہیں،ہاں نیت کی درستی ضروری ہے،جو واقع میں مشکل کام ہے۔اپنی تقریر کی شہرت لوگوں کی واہ واہ،ریا وسمعہ وغیرہ مقصود نہ ہونا چاہیئے،اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِعانت ہوگی"۔(مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد دوم/مکتوب نمبر:۱۳۱ص:۳۰۴-۳۰۵ مکتبہ دینیہ دیوبند، معارف وحقائق ۲۸۲ مرتبہ:مولانا رشید الدین حمیدیؒ)

مذکورہ بالا اقتباس واقعۃً انتہائی جامع ہے،اسے بار بار پڑھنا چاہیئے،اور اُس سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے دعوتی خدمات انجام دینے کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے۔اگر حدود وآداب کی رعایت کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دی جائے گی،تو بلاشبہ اُس کا نفع عام اور تام ہوگا،اِن شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔

نبی اکرم علیہ السلام کا انداز گفتگو

الف:- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو نہایت فصیح اور واضح ہوتی تھی،ہر ہر لفظ اور جملہ الگ الگ سنا جاسکتا تھا،اور سننے والوں کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی،اور (اگر ضرورت محسوس ہوتی تو) آپ کسی جملے کو کئی بار دوہراتے تھے؛ تاکہ سامعین اچھی طرح سمجھ کر یاد کرلیں۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "**مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْرُدُ سَرْدَکُمْ ھٰذَا؛ وَلٰکِنْ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ بَیِّنٍ فَصْلٍ**

یَـحْـفَـظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ“. (سنن الترمذي / كتاب المناقب حديث: ٣٦٣٩، زاد المعاد مكمل ٧٣/١) یعنی پیغمبر علیہ السلام تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے تھے؛ بلکہ آپ کی گفتگو بالکل واضح اور ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی، جسے حاضرین بخوبی یاد کر لیتے تھے۔

ب:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے فرماتے، اور خاص طور پر کلمۂ شہادت پڑھنے کا اہتمام فرماتے۔ آپ کا اِرشاد ہے: ”كُـلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَشَهُّدٌ فَهِـيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ“. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٨٤١) (یعنی جس خطبہ میں تشہد نہ ہو، تو وہ مفلوج اور بے کار ہاتھ کے مانند ہے۔

ج:- خطبہ کے دوران مضامین کی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے آپ کی آواز بلند ہوجاتی، غصہ سے آنکھیں سرخ ہوجاتیں، آخرت اور عذاب کا تذکرہ ایسے مؤثر انداز سے فرماتے، جیسے کوئی دشمن کے حملہ کے خطرے سے قوم کو ڈراتا ہے۔ (زادالمعاد ۱/۷۵)

د:- اور یہ بھی روایات سے ثابت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ دیتے وقت ضرورت پڑنے پر صرف شہادت کی اُنگلی سے اِشارہ فرماتے تھے (یعنی تقریر کے دوران پورے ہاتھ پیر کو حرکت نہیں دیتے تھے)

سیدنا حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”پیغمبر علیہ السلام خطبہ کے لئے منبر پر تشریف فرما ہونے کی حالت میں صرف اُنگوٹھے کے برابر والی شہادت کی اُنگلی سے اِشارہ فرماتے تھے“۔ (سنن ابی داؤد، تفریع ابواب الجمعۃ/ باب رفع الدین علی المنبر حدیث: ۱۱۰۴، ۱۵۷/۱ رشیدیہ دہلی)

ہ:- نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ایک ہی مضمون کو مختلف مواقع پر بار بار پیش فرماتے تھے؛ تاکہ وہ باتیں اچھی طرح ذہن نشیں ہوجائیں۔ (گویا کہ ہر مرتبہ نئی بات پیش کرنے کا اہتمام نہ ہوتا تھا؛ بلکہ حسبِ ضرورت جو بات موقع ومحل کے موافق ہوتی؛ وہ پیش فرماتے تھے)

و:- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر مختصر خطاب فرماتے تھے؛ تاکہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو، بہت کم مواقع پر ہی کسی خاص مصلحت سے آپ سے طویل خطاب منقول ہے۔

اِس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ وعظ وخطابت میں مذکورہ نبوی آداب کو ملحوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازیں، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

(کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ)

(۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ م ۲۰۲۰/۸/۱۶ء)

ایک رکوع کو بھی غنیمت جانیں!

اِغْتَنِمْ فِيْ الْفَرَاغِ فَضْلَ رُكُوْعٍ ❖ فَعَسىٰ أَنْ يَكُوْنَ مَوْتُك بَغْتَهْ

كَمْ صَحِيْحٍ رَأَيْتُ مِنْ غَيْرِ سَقَمٍ ❖ ذَهَبَتْ نَفْسُهُ الصَّحِيْحَةُ فَلِتَهْ

(الإمام البخاري / هدي الساري مقدمة فتح الباري ٦٦٧)

ترجمہ:- فرصت کے لمحات میں ایک رکوع کرنے کو بھی غنیمت سمجھو؛ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ تمہاری موت اچانک آجائے۔

میں نے بہت سے تندرستوں کو دیکھا ہے جو بالکل بیمار نہ تھے (لیکن) اُن کا صحیح سالم بدن ایک دم سے رخصت ہوگیا۔ (کچھ بھی مہلت نہ ملی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱)

اِسلام کی بنیادی تعلیمات

(حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کی دل نشیں تشریح)

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

موضوعِ خطاب	:	اِسلام کی بنیادی تعلیمات (حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کی دل نشیں تشریح)
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مسجد فاروق والسال (برطانیہ)
تاریخ	:	۲۴/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ
دورانیہ	:	۳۷/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مَّعْرِضُوْنَ. [الانبياء: ١] **صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.**

محترم حاضرین، بزرگو اور بھائیو!

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم لوگ حاضر تھے، اچانک ایک شخص تشریف لائے، جن کے کپڑے

بہت سفید تھے اور بال بہت کالے تھے، اور سفر کا کوئی اثر اُن کے بدن اور کپڑوں پر نہ تھا؛ لیکن تعجب کی بات یہ تھی کہ مجلس میں جتنے لوگ موجود تھے جو مدینہ کے مختلف محلوں سے آئے ہوئے تھے، کوئی اُن کو جان نہیں رہا تھا کہ وہ کون ہیں؟

اور وہ صاحب آئے تو مجلس میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے؛ تا آں کہ سرورِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے، اور اپنے دونوں ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے، اِس سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضور ﷺ کے پرانے جان کار ہیں؛ کیوں کہ کوئی اجنبی آدمی اچانک آکر اِس طرح بیٹھ نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فطری رعب عطا فرمایا تھا، کسی کی کیا مجال تھی کہ ایسا عمل کر لیتا؟ تو مجلس کے سب لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ تھے کہ یہ آدمی آخر کون ہے؟

آج کل تو ایئر کنڈیشن کا دور ہے، آدمی نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، تو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی گھر سے نکل کر آرہا ہو؛ لیکن یہ اُس دور کی بات ہے جب سفر پیدل ہوتا تھا، اور جو بھی سفر کر کے آتا تھا لازم تھا کہ اُس کے کپڑے میلے اور اُس کے بال گرد آلود ہوں، تو سب کے ذہنوں میں یہ تجسس تھا کہ

اگر یہ مسافر ہے تو اِس کے کپڑے سفید کیوں ہیں؟

اِس کے بال کالے کیوں ہیں؟

اور اگر یہ کسی کے یہاں مقیم ہے اور مہمان ہے تو کوئی اسے پہچان کیوں نہیں رہا ہے؟

اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آکر اُس نے یہ بے تکلفی کا معاملہ کیا، تو سب عجیب حیرت میں پڑ گئے، اور پھر اُس شخص نے آکر سوالات شروع کر دیئے:

اِسلام کیا ہے؟

پہلا سوال یہ کیا کہ: **يَـا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلَامِ:** حضور یہ بتلایئے کہ اِسلام کسے کہتے ہیں؟ اِسلام کا اِطلاق اُن اَعمال پر کیا جاتا ہے جن کو دیکھ کر آدمی کو مسلمان سمجھا جاتا ہے،

گویا کہ ظاہری اَعمال کے لئے ''اِسلام'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور عقیدہ کے لئے ''اِیمان'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِسلام میں یہ پانچ بنیادی چیزیں ہیں:

(۱) أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ (گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی ساجھی شریک نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں)

(۲) وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ (اور نماز قائم کرو)

ہر دن پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہے۔

(۳) وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ (اور زکوٰۃ اَدا کرو)

ہر صاحبِ نصاب پر سال میں حساب لگا کر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔

(۴) وَتَصُومَ رَمَضَانَ (اور رمضان المبارک کے روزے رکھو)

رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں۔

(۵) وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا: (اور وسعت و قدرت ہو تو حج کرو)

جو شخص بھی حج کے سفر کی وسعت اور طاقت رکھتا ہو، اُس پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کو جانا فرض ہے۔

یہ اِسلام کے بنیادی اَرکان ہیں۔

اِنہی پانچ اَرکان پر اِسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

اِنہی سے مسلمان کو مسلمان سمجھا اور پہنچانا جاتا ہے۔

کلمہ پڑھے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ مسلمان ہے۔

نماز پڑھے گا تو لوگ کہیں گے یہ مسلمان ہے۔

زکوٰۃ دے گا تو کہا جائے گا کہ یہ اِسلام والا کام کر رہا ہے۔

روزہ رکھے گا حج کو جائے گا وغیرہ تو مسلمان سمجھا جائے گا۔

جب آپ نے یہ فرمایا کہ اِسلام کے یہ بنیادی اَرکان ہیں، تو اُس شخص نے کہا: صَدَقْتَ: (آپ نے سچ کہا)

تو صحابہ فرماتے ہیں: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ: (تو ہمیں اور تعجب ہوا کہ سوال بھی کررہا ہے اور تصدیق بھی کررہا ہے) کیوں کہ تصدیق تو وہی کرے گا جسے پہلے سے پتہ ہو، اور اُسے اگر پہلے سے پتہ تھا تو اُس نے پوچھا کیوں؟ یہ تعجب کی بات تھی۔

اِیمان کیا ہے؟

پھر اُس شخص نے اگلا سوال کیا کہ يَا مُحَمَّدُ! فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيْمَانِ: (اچھا یہ بتائیے ایمان کسے کہتے ہیں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ (اللہ پر اِیمان لاؤ)

وَمَلَائِكَتِهٖ (اور اُس کے فرشتوں پر اِیمان لاؤ)

وَكُتُبِهٖ (اور اُس کی سب کتابوں کو سچا جانو)

وَرُسُلِهٖ (اور اُس کے سب رسولوں کی تصدیق کرو)

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور آخرت کے دن پر اِیمان لاؤ)

وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ (اور تقدیر پر یقین رکھو، اچھی ہو یا بری)

اللہ پر ایمان

اِیمان نام ہے عقیدہ کا، اور عقائد میں سب سے بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل یقین رکھا جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جب بیعت لیتے تھے تو فرماتے تھے کہ کہو کہ: ’’ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ ہے وہ اپنی ذات میں اور جیسا کہ ہے وہ اپنی صفات میں‘‘۔

یعنی ہماری عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کا مکمل تصور کرنے سے عاجز ہے، اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا اِدراک نہیں ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ ہماری سوچ ناقص اور فہم کمزور ہے، اِس لئے ہم تو اِجمالی طور پر بغیر کسی تفصیل کے ایمان لاتے ہیں، اور اِس پر شرحِ صدر ہے، اِس میں ذرہ برابر جھول نہیں ہے۔

اللہ کے فرشتوں پر ایمان

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لاؤ۔

فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں، جو ہمیں نظر نہیں آتے ہیں، اللہ نے انہیں لطیف مادہ سے پیدا کیا ہے، وہ کروڑوں، اربوں، کھربوں کی تعداد میں ہیں۔

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [المدثر:۳۱] یعنی آپ کے رب کے لشکر کو اُس کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

ذرا غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اِنسانوں پر کروڑہا کروڑ فرشتوں کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے، ہر انسان پر چار فرشتے (دو دن کے اور دو رات کے) محض اُس کے اَعمال کا ریکارڈ لکھنے کے لئے مقرر ہیں، اَب اگر دنیا میں ۵/اَرب انسان ہوں، اور اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ چار فرشتے ہوں تو بیس اَرب فرشتے تو اِسی کام کے ہوگئے کہ وہ آدمی کا ریکارڈ لکھیں کہ اچھے کام کر رہا ہے یا برے کام؟ یہ فرشتے سارا ڈاٹا تیار کر رہے ہیں۔

نیز اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِن بَيْنِ يَدَيهِ وَمِن خَلفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الرعد: ۱۱] یعنی آدمی کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ایک ایک آدمی پر ۲۰/فرشتے حفاظت پر مامور ہیں، اُس کی آنکھ میں کوئی مکھی نہ چلی جائے، کان میں کیڑا نہ چلا جائے، یہ چلتے چلتے گر نہ جائے، ٹکرا نہ جائے، یہ فرشتے اِس طرح کی حفاظت پر مامور ہیں (ہاں اگر کوئی حادثہ مقدر ہے تو وہ حفاظت بھی اللہ کے حکم سے اُٹھالی جاتی ہے) (تفسیر قرطبی ۹/۲۹۴)

تو اَب اگر ۲۰/فرشتے ایک آدمی کے ساتھ فرض کئے جائیں، اور پانچ سے ضرب دیا جائے تو ایک کھرب فرشتے تو یہی ہوگئے۔ پھر ہواؤں پر، بادلوں پر، پہاڑوں پر، ندیوں پر اور نہ جانے کس کس کام پر جو فرشتے لگے ہوئے ہیں، وہ اِن سے الگ رہے۔

اور یہ تو دنیا کا معاملہ ہے، ہر ہر آسمان پر، اور جنت میں اور جہنم میں تو اتنی تعداد ہے جس کا ہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مثلاً جہنم کے بارے میں ایک صحیح حدیث ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا. (صحيح مسلم / باب جهنم أعاذنا الله منها ۳۸۱/۲ ياسر نديم اينڈ كمپنى ديوبند) (یعنی جہنم کو میدانِ حشر میں کھینچ کر لایا جائے گا اس طرح کہ اُس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔تو ذرا سوچیے فرشتوں کی کتنی بڑی تعداد ہے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے اَحکامات کی تعمیل میں لگی ہوئی ہے، اُن سب پر بغیر کسی تفصیل کے ایمان لانا ضروری ہے۔

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ نعوذ باللہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا: ﴿اَلَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ﴾ یعنی کیا خوب تقسیم ہے؟ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ تمہارا حال یہ ہے کہ اگر بیٹی ہونے کی خبر سنو تو منہ اُتر جائے، کالا پڑ جائے، چھپ چھپ کر رہو، گھٹ گھٹ کر زندگی گزارو، اور خدا کے لئے بیٹیاں مقرر کرتے ہو؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی، اُس کی صفت یہ ہے: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ یعنی نہ وہ کسی سے جنا گیا نہ اُس سے کوئی جنا گیا۔اللہ کا نہ کوئی مثیل ہے، نہ شریک، نہ بیوی نہ اَولاد۔

خلاصہ یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی کامل تابع دار مخلوق ہیں، اِس پر ایمان رکھنا ہے۔

اللہ کی کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو کتابیں اُتاری ہیں، جیسے توریت، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیم اور قرآنِ مجید، اِن سب کے برحق ہونے پر ایمان لانا ہے۔

آج جو توریت اور انجیل ہے یہ تو محرف ہو چکی ہیں؛ لیکن جب یہ اُتاری گئی تھیں، جس طرح اُتری تھیں، اور جس زبان میں اُتری تھیں، بلا کسی تفصیل کے اُن کو سچا مانا جائے، توریت اور زبور وغیرہ کی سچائی پر یقین رکھا جائے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم میں اِن کا ذکر ہے۔

رسولوں پر اِیمان

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اِنسانیت کی کامیابی کے لئے رسولوں کو بھیجا ہے، ان میں سے بہت سوں کی تفصیل اپنی کتاب میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بیان فرمائی ہے، اور بہت سوں کی تفصیل نہیں بتلائی گئی ہے، اُن سب کی رسالت ونبوت پر ایمان لانا لازم ہے۔

اور جن کے نام لے کر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اُن سب پر اُن کی تفصیلات کے ساتھ ایمان لانا ہے۔

اِسی طرح اَب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لازم ہے۔

آپ کی ختم نبوت پر ایمان لازم ہے، اَب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، قیامت تک آپ ہی رسول ہیں اور آپ ہی کی شریعت کی اتباع لازم اور ذریعہ نجات ہے۔

آخرت پر اِیمان

نیز آخرت کے دن پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، یعنی اِس دنیا کے بعد دوسری زندگی یقیناً آنی ہے، جس میں یہاں کے اَعمال کا بدلہ سامنے آنے والا ہے۔

تمام اِنسان حضرت آدم علیہ السلام سے آخری آدمی تک قیامت میں سب اُٹھائیں جائیں گے، حشر کا میدان ہوگا، اعمال تولے جائیں گے، تمام اعمال کا حساب ہوگا، نیک لوگوں کو اُن کے نامہ اَعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بدعمل لوگوں کا کچا چٹھا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پھر پل صراط پر سے گزر ہوگا، یا تو جہنم میں گریں گے یا گذر کر جنت میں جائیں گے، اور پھر وہ زندگی ہمیشہ ہمیش کی زندگی ہوگی، وہ زندگی آنی ہے، ضرور آنی ہے، یہ آخرت پر ایمان ہے۔

تقدیر پر اِیمان

اور تقدیر پر ایمان بھی ضروری ہے۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو بھی کررہے ہیں، اور دنیا میں جو کچھ بھی ہوا ہے یا ہورہا ہے یا ہوگا، یہ سب اَزل سے اللہ کے علم میں ہے؛ کیوں کہ وہ علیم وخبیر ہے۔

البتہ علم الگ چیز ہے اور کس کام سے وہ راضی ہوگا اور کس سے ناراض ہوگا یہ الگ موضوع ہے، یہ سب باتیں اِیمان کی بنیاد قرار دی گئی ہیں۔

اِیمانیات کی اَہمیت

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ایمانیات میں صرف یہی باتیں ہی داخل نہیں جو اِس روایت میں بیان کی گئی ہیں؛ بلکہ جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہو، جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو، اُس پر اِیمان لانا اور یقین کرنا لازم ہے، اور اُس کا انکار کفر ہے۔ اِس لئے آدمی کو اپنے عقائد ضرور درست رکھنے چاہئیں۔

کیوں کہ عقائد کی درستگی کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوگا، عمل میں کچھ کسر رہ جائے تو سزا پاکر آدمی جنت میں چلا جائے گا؛ لیکن عقیدہ میں اگر خدانخواستہ خرابی اور فساد ہے تو پھر آدمی کی نجات مشکل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: ''مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' (مشکاة المصابیح ۱/۱۵) جنت کی چابی کلمہ شہادت ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے، اور کلمہ شہادت میں اُس کے تمام تقاضے بھی شامل ہیں، یعنی تمام مُؤْمَنْ بِہٖ (یعنی جن اُمور پر ایمان لانا ہے سب) پر اِیمان ضروری ہے۔

تو جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِیمان کے بارے میں یہ تفصیلات بتائیں تو وہ صاحب فرمانے لگے: صَدَقْتَ (آپ نے سچ کہا) صحابہ فرماتے ہیں کہ ہمیں پھر تعجب ہوا کہ عجیب آدمی ہے کہ پوچھ بھی رہا ہے اور اُس کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔

احسان کیا ہے؟

پھر تیسرا سوال اُنہوں نے کیا: فَأَخْبِرْنِيْ مَا الإِحْسَانُ: کہ حضرت یہ بتائیے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟

تو ایک تو اُردو کا احسان ہے کہ ہم کسی کے ساتھ احسان کردیں؛ لیکن یہاں احسان سے مراد ہے مزین کرنا، حسین بنانا، چمکانا، یعنی کونسی ایسی تدبیر ہے جن سے ہمارے اَعمال مزین ہوجائیں، شاندار ہوجائیں، بہترین ہوجائیں، چمک دمک والے ہوجائیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ

یَرَاكَ کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم خود اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو؛ کیوں کہ اگر نہ بھی دیکھ سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے، اَب اِس تصور سے جب آدمی عبادت کرے گا کہ میں رب العالمین کے دربار میں حاضر ہوں اور میں اسے دیکھ رہا ہوں، یا کم سے کم وہ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے، تو بتائیے اُس نماز میں اور غفلت والی نماز میں فرق ہوگا یا نہیں؟ بلاشبہ یہ نماز کامل خشوع وخضوع والی ہوگی، اَدب والی ہوگی، اِس میں جی لگے گا، اِس میں جلد بازی نہیں ہوگی، اِس میں کٹوتی نہیں ہوگی، جس میں آدمی کو دلی سکون حاصل ہوگا۔

اسی طرح دیگر عبادات مثلاً آدمی قرآن اِس طرح پڑھے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہے، تو بتائیے اس پڑھنے میں اور ایک رواروی کے پڑھنے میں فرق ہوگا یا نہیں؟

پھر یہ کیفیت جب عبادات میں اور آدمی کے دل میں راسخ ہو جائے گی کہ جب بھی عبادت کرے اللہ کا تصور سامنے آجائے تو عبادت کے باہر بھی یہ تصور دل میں قائم ہوگا۔

سڑک پر جا رہا تو ذہن میں آئے گا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

سفر میں جا رہا ہے تو خیال ہوگا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

کمرے میں لیٹا ہے تو سوچے گا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

تو ایسے شخص کو یقیناً گناہ کرتے ہوئے شرم آئے گی؛ لہٰذا یہ کامل درجہ کا ولی بن جائے گا؛ کیوں کہ اطاعت بھی اس کی شاندار ہے اور معصیت سے بچنے کا جذبہ بھی اس کے اندر آگیا ہے، اِسی کا نام احسان ہے، جسے بزرگوں کی اصطلاح میں ''ملکہ یادداشت'' بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ کیفیت نصیب فرمائیں، آمین۔

ہمارے بزرگوں کے یہاں بیعت وارشاد، ذکر واَذکار، تسبیحات اور اَوراد وَ ظائف وغیرہ کے ذریعہ جو اصلاحی کوششیں کرائی جاتی ہیں اُن سب کا مقصد یہی ہے کہ صفتِ احسان حاصل ہو جائے، یعنی عبادت محض عبادت نہ رہے؛ بلکہ مزین عبادت بن جائے۔

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ اَبرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''بھائی آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ مکان اچھا ہو، بیوی اچھی ہو، گاڑی اچھی ہو، ڈاکٹر اچھا ہو، وکیل اچھا ہو،

فلاں اچھا ہو، فلاں اچھا ہو؛ لیکن نماز بھی اچھی ہے یا نہیں؛ اِس کی فکر کسی کو نہیں ہے، نماز ویسے ہی ٹرخائی جارہی ہے، حالاں کہ جیسے وہ سب چیزیں اچھی ہیں تو یہ نماز بھی تو اچھی ہونی چاہئے، یہ بھی سنت کے مطابق اور خشوع وخضوع کے ساتھ ہو‘‘۔

اِسی کا نام ’’احسان‘‘ ہے، تو یہ چھوٹا سا لفظ ہے؛ لیکن بڑا جامع ہے۔

قیامت کب آئے گی؟

پھر اُس شخص نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتائیے: أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ: (قیامت کب آئے گی؟) تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مَا الْمَسْؤُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ‘‘ کہ بھائی یہ تو معاملہ ایسا ہے کہ جس سے سوال کیا جارہا ہے، وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کا حتمی علم صرف اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ﴾ (الأعراف، جزء آیت: ۱۸۷) یعنی اُس کا علم میرے رب کے پاس ہے، اُس نے اپنے علاوہ کسی کے سامنے اُس کا علم ظاہر نہیں کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: ٣٤) یعنی قیامت کا یقینی علم اللہ ہی کے پاس ہے کہ وہ کون سے سال میں آئے گی؟ کس تاریخ کو آئے گی؟ اللہ کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں پتہ۔

تو اُن صاحب نے کہا: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا: کہ اچھا کم سے کم اس کی کچھ علامتیں ہی بتادیجئے (جن سے اندازہ ہونے لگے کہ اب قیامت آنے والی ہے)

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند علامتیں بتلائیں، فرمایا: ’’أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا‘‘ (باندی اپنے آقا کو جنے گی) اِس جملہ کے بہت سے مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ اَولاد اپنے والدین پر حکومت کرے گی، گویا کہ اَولاد آقا کے درجہ میں اور بے چارے والدین غلام کے درجے میں ہوجائیں گے، اُن کا حکم ماننے کے بجائے اُن پر حکم چلانے کا رواج عام ہوجائے گا، نعوذ باللہ من ذلک۔

پھر اِرشاد فرمایا: وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ:

(یعنی وہ لوگ جو کبھی ننگے پیر اور ننگے بدن رہتے تھے، غریب اور فقیر تھے، بکریاں چراتے تھے، تم دیکھوگے کہ وہ لمبی لمبی بلڈنگیں بنا رہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ذلیل سمجھے جاتے تھے وہ عزت دار اور مال دار ہوجائیں گے۔

اِس روایت میں تو یہ چند علامات بتلائی گئی ہیں۔ جب کہ بعض دیگر روایات میں آپ نے قیامت کی مزید علامتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

مثلاً یہ کہ: شراب عام ہوجائے گی۔

زنا عام ہوجائے گا۔

اور گانے باجے کے آلات عام ہوجائیں گے۔

علم دین میں کمی ہوگی اور جہالت عام ہوجائے گی۔

یعنی ایسا ماحول ہوگا کہ لوگوں کو دین کی چھوٹی سی بھی بات بتائی جائے گی تو لوگ اُس پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت ظاہر کریں گے کہ اچھا یہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں تھا، دنیا کے بارے میں ساری معلومات ہوں گی، اور دین کے بارے میں معاملہ صفر ہوجائے گا۔

جو علامتیں پیغمبر علیہ السلام نے مختلف اَحادیث میں فرمائی ہیں، آج وہ ہماری نظروں کے سامنے ہیں، آج سے ۵۰؍سال؛ بلکہ ۲۰ - ۲۵؍سال پہلے ہمارے بڑوں کے یہاں جن کا تصور نہیں تھا، آج وہ سب باتیں ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر آرہی ہیں۔

پہلے فواحش سینما ہالوں تک محدود تھے، ٹیلی ویژن آیا تو گھر تک محدود تھے، اِن کے اَوقات بھی مقرر تھے؛ لیکن اَب موبائل کے ذریعہ سے ہر ہر جیب تک پہنچ گئے ہیں، اور آج موبائل کا استعمال ضروریات کے لئے نہیں ہورہا؛ بلکہ ضروریات سے زیادہ لغویات کے لئے ہورہا ہے، اور یہ آلہ اَب صرف رابطہ کا ذریعہ نہیں رہا؛ بلکہ تمام منکرات، معاصی اور فواحش کی اِشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو معاف فرمائے۔

بہرحال جب یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کردیں تو وہ شخص (سوالات کرنے والے) اُٹھ کر چلے گئے، لوگ حیرت میں تو تھے ہی، کوئی تعارف نہیں ہوا کہ کون تھے؟ کوئی بات چیت

نہیں ہوئی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر کے چل دیئے، تو لوگ جلدی جلدی مسجد سے باہر گئے کہ دیکھیں تو کون صاحب ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ تو پتہ چلا کہ وہ تو غائب ہیں، زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا، پتہ نہیں کہاں چلے گئے؟ نظر ہی نہیں آئے، اِدھر لوگوں میں چرچا ہوتا رہا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ ”يَا عُمَرُ! أَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ“ (جانتے ہو اِس دن جو آدمی آئے تھے وہ کون تھے؟) حضرت عمر نے جواب دیا کہ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ: (یعنی اللہ اور اُس کے رسول زیادہ جانتے ہیں) تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”فَإِنَّهُ جِبْرَئِيلُ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ“. وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔ (مسلم شریف/ کتاب الایمان ۱/۲۷ سعد بک ڈپو دیوبند)

اِس حدیث کا نام ہے ”حدیثِ جبرئیل“ جو دین کی بنیادی باتوں کو شامل ہے۔ یہ حدیث ہمیں خود بھی یاد کرنی چاہئے اور بچوں کو بھی یاد کرانی چاہئے، اِس کے اندر دین کی بنیادی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

آخرت کی فکر

اور ہمیں اِس بات کی ضرور فکر ہونی چاہئے کہ

دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔

یہاں سے جانا ہے۔

قیامت آنی ہے۔

قیامت میں حساب کتاب ہونا ہے۔

اس زندگی کے بعد اگلی زندگی ہماری صحیح طرح گزرے، اِس کے لئے فکر مندی ہی عقلمندی ہے۔

اِس سے غفلت کرنا حماقت؛ بلکہ بہت بڑی حماقت ہے۔

دنیا کے آرام و راحت اور عیش وعشرت میں پڑ کر آدمی آخرت سے غافل ہو جائے یہ بہت بڑے ٹوٹے اور نقصان کا سودا ہے۔

اِسی جانب قرآنِ پاک میں توجہ دلائی گئی: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مَّعْرِضُونَ﴾ [الانبياء: ۱] یعنی حساب کا وقت قریب آرہا ہے؛ لیکن لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کب موت کا فرشتہ اللہ کا بلاوا لے کر آجائے اور وہاں جانا پڑ جائے کچھ پتہ نہیں ہے۔

کوئی جوان یہ نہ سمجھے کہ ابھی ہم نے دیکھا ہی کیا ہے، میں تو ابھی طاقتور ہوں، حقیقت یہ ہے کہ کتنے ہی جوانوں کے جنازے اُٹھتے ہیں، کتنے بچوں کے اٹھتے ہیں۔

اِس لئے ہم سب کو اپنی فکر کرنی ہے۔

جو کوتاہیاں ہوئی ہیں فوری طور پر ان سے توبہ کریں، کوتاہیاں تو ہوجاتی ہیں، کبھی نفسانی تقاضوں سے، کبھی ماحول کے اثر سے، بندہ پر لازم ہے کہ فوری طور پر ان سے توبہ کرے۔

اپنی موت کو یاد کرنا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ’’أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَاتِ، يَعْنِي الْمَوْتَ‘‘. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء في ذكر الموت ۵۷/۲ رقم: ۲۳۰۷) (لذتوں میں رخنہ ڈالنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو)

جب موت کا خیال آتا ہے تو لذتوں کا مزہ کرکرا ہوجاتا ہے، اِس لئے اُس کا کثرت سے ذکر ہونا چاہئے۔

اِسی لئے سونے سے پہلے یہ دعا تلقین کی گئی: ’’اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيىٰ‘‘. (صحيح البخاري ۹۳۴/۲ رقم: ۶۰۶۷) (یعنی اے اللہ آپ ہی کے نام پر مر رہا ہوں اور آپ ہی کے نام سے مجھے دوبارہ زندگی ملے گی) گویا نیند بھی ایک طرح کی موت ہے۔

اور سوکر اٹھنے پر یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيهِ النُّشُوْرُ‘‘. (صحيح البخاري، كتاب الدعوات / باب ما يقول إذا أصبح ۹۳۶/۲ مكتبة البدر ديوبند) (شکر ہے اُس اللہ کا جس نے موت کے بعد ہمیں زندگی عطا فرمائی)

گویا کہ یاد دہانی کرائی جارہی ہے کہ جیسے اب تم نیند کے وقت بے خبر ہوگئے، اَب تو بے خبر ہوکر باخبر ہوجاؤ گے؛ لیکن ایک وقت آئے گا کہ بے خبر کے بے خبر ہی رہ جاؤ گے۔

تو موت کو یاد کرتے رہنا ہے، روزانہ سونے سے پہلے دن بھر کے گناہوں کا استحضار کر کے دل سے سچی توبہ کریں کہ الٰہ العالمین غلطی ہوگئی، اَب نہیں کروں گا؛ تاکہ اگر رات میں موت آجائے تو آدمی توبہ کر کے مرنے والوں میں شامل ہو سکے، اور روزانہ جائزہ لیا جائے، کیا اچھا کیا، کیا برا کیا؟

کامیاب تاجر کی پہچان

معلوم ہے کامیاب تاجر کونسا ہے؟

جو دکان بند کرنے سے پہلے دن بھر کا کھاتا دیکھ لے، کیا نفع ہوا کیا نقصان ہوا؟ کیا ہمارے اُوپر ہے اور کیا ہمارا دوسروں پر ہے؟ دوکان بند ہونے سے پہلے پہلے معلوم ہونا چاہئے۔

ہمارے یہاں صرافوں (سناروں) کی دوکانیں ہیں، وہ دوکان بند کرنے سے پہلے روزانہ کا کھاتہ ضرور مکمل کرتے ہیں، چناں چہ اُنہیں گھر واپسی کے وقت یہ پتہ رہتا ہے کہ کیا نفع ہوا اور کیا نقصان؟ کیا ہم پر قرض ہے اور کیا ہمارا دوسروں پر ہے؟

اِسی طرح ہمیں بھی اپنے اعمال کے بارے میں یہی فکر کرنی چاہئے، یعنی کیا اچھا کیا، کیا برا کیا؟ برا کیا تو توبہ کریں، اچھا کیا تو شکر اَدا کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء سکھلائی ہے کہ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوا، وَإِذَا أَسَاؤُوْا اسْتَغْفَرُوا. (سنن ابن ماجة، بيهقي شعب الإيمان) یعنی اے اللہ مجھے اُن لوگوں میں شامل فرمایئے، جو جب اچھا کام کریں تو اُنہیں خوشی نصیب ہو، اور جب کوئی برائی کریں تو فوراً توبہ اور استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ہمیں بھی ایسے ہی خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائیں، اپنی مرضیات پر چلائیں، اور ہر طرح کے شرور اور فتن غلط ماحول اور اثرات سے ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۲)

قابلِ تعریف صرف اللہ ہے

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدر آبادی

○ موضوعِ خطاب : قابلِ تعریف صرف اللہ ہے

○ خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ مقام : سینٹرل مسجد گلاسگو اسکاٹ لینڈ (یوکے)

○ تاریخ : ۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ

○ دورانیہ : ۳۰؍ منٹ

○ جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدر آبادی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. [الجاثية: ۳۶-۳۷] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

حضرات علماءِ کرام، بھائیو، بزرگو، اور جہاں تک بھی آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں! ابھی آپ کے سامنے حضرت قاری صاحب نے قرآنِ مقدس کی چند آیات تلاوت فرمائیں، اُن میں اللہ کی حمد وثناء اور بڑائی کے سلسلہ میں وہ دو آیتیں بھی تھیں جن کو ابھی آپ کے

سامنے پڑھا گیا ہے۔

دنیا میں کوئی بھی شخص کتنی ہی خوبی والا کیوں نہ ہو، اگر اُس کی خوبیاں گنائی جائیں گی تو یہ خوبیاں اُس کی ذاتی اور حقیقی نہیں ہوسکتیں؛ بلکہ عارضی اور عطائی ہوں گی۔

مثلاً کسی کے بارے میں آپ یہ کہیں کہ وہ بڑا طاقتور اور پہلوان ہے، تو فوراً کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ خود بخود پہلوان نہیں ہوگیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے طاقت دی ہے، اور اُسی کو اختیار ہے جب تک اُس کو منظور ہوگا یہ طاقتور رہے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو کتنا ہی بڑا طاقتور کیوں نہ ہو، اُس کی ساری طاقت منٹوں میں کافور ہوسکتی ہے۔

تو پتہ چلا کہ ایسے شخص کو طاقتور سمجھنا اور طاقتور ہونے کے اعتبار سے اُس کی تعریف کرنا یہ اُس کی حقیقی تعریف نہیں؛ بلکہ مجازی تعریف ہے۔

اِسی طرح آپ کسی کی تعریف کریں کہ یہ بہت بڑا عالم ہے۔

اُس کا قوتِ حافظہ بہت مضبوط ہے۔

اُس کو بہت سی باتیں یاد ہیں۔

اور اُس کا دماغ بڑا تیز ہے۔

تو بھی یہی کہا جائے گا کہ اُس کی حاضر دماغی اور علم ذاتی نہیں ہے؛ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کے بارے میں فیصلہ فرمالیں کہ اُس سے علم رخصت ہوجائے، اور اُس کا حافظہ باقی نہ رہے، یا نعوذ باللہ اُس کے دماغ کی کسی رگ میں خلل پیدا ہوجائے، تو سارا علم منٹوں میں ضائع ہوجائے گا، پھر آدمی بظاہر دیکھنے میں انسان ہوگا؛ لیکن اُس کے کام جانوروں سے بدتر ہوجائیں گے۔

اِسی طرح آپ پوری دنیا کا جائزہ لے لیجئے، آپ کسی بھی مخلوق کی تعریف کریں تو وہ تعریف حقیقی نہیں ہوگی؛ بلکہ عارضی، مجازی اور عطائی ہوگی۔

جب کہ حقیقی طور پر تعریف کا مستحق تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

جس کی آپ جتنی بھی تعریف کریں وہ کم ہی کم ہے۔

وہ سوفی صد سچ ہی سچ ہے۔

اُس کے اندر مجاز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

ہر طرح کی حقیقی خوبیاں، حقیقی کمالات، حقیقی صفات، حقیقی قدرت، حقیقی اَمر واختیار اور اقتدار صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

اِسی بات کو درج ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں ہر طرح کی ذاتی خوبیاں)

﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ﴾ (جو تمام آسمانوں کا مالک ہے)

﴿وَرَبِّ الْاَرْضِ﴾ (اور پوری زمین کا بھی وہی رب ہے)

﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (اور تمام جہانوں یعنی ساری مخلوقات وموجودات کا بھی وہی پالنہار ہے)

اور پھر فرمایا:

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (یعنی آسمانوں میں اُسی کی بڑائی کا ڈنکا بجتا ہے، اور زمین میں بھی برتری اُسی کو حاصل ہے)

ذرا غور فرمایئے! دنیا میں حکمرانوں کا حال کیا ہے؟

کوئی ضلع کا حاکم ہے۔

کوئی صوبہ کا حاکم ہے۔

کوئی ملک کا حاکم ہے۔

کوئی پوری دنیا کا سپر پاور بنا ہوا ہے۔

کسی نے اپنے ہاتھ میں ویٹو پاور لے رکھا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ ساری دنیا اُس کے تابع ہے، اور اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارے مقابلے میں تمہاری حکومت کی حیثیت اور اَوقات کیا ہے؟

تمہاری حکومت زیادہ سے زیادہ زمین پر ہوسکتی ہے، وہ بھی زمین کے تمام حصوں پر نہیں۔

دنیا میں جتنی بھی بڑی طاقتیں گزری ہیں یا آج موجود ہیں، ذرا غور کریں کہ اُن کا اختیار کن چیزوں پر چلتا ہے؟

تو پتہ چلے گا کہ اُن کا اختیار صرف چند مخلوقات تک محدود ہے، اور وہ بھی بہت ناقص ہے۔

چناں چہ نہ تو سارے اِنسان وجنات اُن کے تابع ہیں اور نہ ہی خشکی اور تری کے جانوروں پر اُن کا بس چلتا ہے۔

اسی طرح ہواؤں، دریاؤں، پہاڑوں یا چاند سورج پر اُن کا کوئی زور نہیں ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اُس کی قدرت وحکومت کا دائرہ زمین وآسمان کے ہر ہر جز کو محیط ہے، اور سارے جہانوں کا وہی بلا شرکت غیرے مالک ہے۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (یعنی وہ بہت زبردست اور بڑی حکمت والا ہے)

اللہ تعالیٰ کو حمد وثنا سے خوشی ہوتی ہے

لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ وہ دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہے، اور اُس کی پاکی بیان کرتا رہے۔

اور جو بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے گا اور اُس کی خوبیاں بیان کرے گا، تو اللہ تعالیٰ کو اتنی ہی زیادہ اُس بندہ سے خوشی ہوگی۔

مثلاً کسی سرمایہ دار کے پاس جب مانگنے والے جاتے ہیں، تو اولاً اس کی تعریف کرتے ہیں جس سے وہ خوش ہوجاتا ہے، حالاں کہ وہ تعریف حقیقی نہیں ہوتی، پھر بھی اُسے خوشی ہوتی ہے۔

تو اللہ رب العالمین جو حقیقی طور پر تعریف کا مستحق ہے، جب اُس کے سامنے اُس کی تعریف ہوگی تو اُسے خوشی کیوں نہیں ہوگی؟

گویا کہ ساری رحمتوں کا دروازہ دنیا اور آخرت میں اللہ کی حمد وثنا ہی سے کھلتا ہے۔

دعا کا اَدب

اِسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے آداب سکھلاتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ ایک دم سے دعا مت شروع کرو؛ بلکہ پہلے جس قدر ہوسکے، جی لگا کر اللہ کی حمد وثنا کرو، پھر درود شریف پڑھو، اُس کے بعد دعا مانگو۔

چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی حاضر ہوئے، اُنہوں نے اولاً دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرتے ہی یہ دعا کی کہ: ’’اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ‘‘۔ (یعنی اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم فرمائیے)

تو یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں بلایا اور فرمایا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے؛ بلکہ پہلے اللہ کی حمد بیان کرو، پھر مجھ پر درود شریف پڑھو، پھر اللہ سے مانگو۔ (ترمذی شریف، ابواب الدعوات/ باب ماجاء فی جامع الدعوات ۲/۱۸۵)

اِس لئے دعا مانگتے ہوئے آداب کا خیال ضرور کرنا چاہئے۔

بھائیو اور بزرگو! آج ہماری دعائیں قبول نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم دعا کے آداب کا خیال نہیں کرتے۔

ہمارے ایک بڑے مشفق اُستاد (حضرت مولانا سید طاہر حسن امروہویؒ صاحبِ ’’معارفِ

مدنیہ شرح ترمذی شریف'') تھے، اللہ تعالیٰ اُن کو غریق رحمت فرمائیں۔ وہ فرماتے تھے کہ ''بھائی! ہماری دعائیں تو ایسی ہیں جیسے آدمی ہوٹل میں جاتا ہے اور سیٹ پر بیٹھ کر آرڈر دیتا ہے کہ چائے لاؤ، بسکٹ لاؤ، فلاں چیز لاؤ، اور ذرا کچھ دیر ہوجاتی ہے تو بیرے کو ڈانٹنے ڈپٹنے لگتا ہے، تو ہماری دعائیں بھی اِسی طرح کی ہوگئی ہیں کہ اے اللہ! یہ دے دے، وہ دے دے، اور جہاں ملنے میں دیر ہوئی تو کہتے ہیں کہ اتنے دن مانگتے ہوئے ہوگئے، ابھی تک مراد پوری نہیں ہوئی''۔

اور بعض لوگ تو اللہ تعالیٰ پر گویا کہ احسان جتلاتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، اِس کے علاوہ بہت سے نیک اعمال بھی کرتے ہیں، پھر بھی ہماری مرادیں پوری نہیں ہوتیں، گویا ہم اللہ تعالیٰ پر دباؤ بنانا چاہتے ہیں، تو یہ سب ناسمجھی کی باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو تو صرف اور صرف عاجزی پسند ہے؛ لہٰذا جب بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوئی درخواست لگانی ہو تو اُس کی ابتداء اللہ کی حمد وثنا سے کی جائے، اور یہ صرف زبانی نہ ہو؛ بلکہ آدمی دل سے یقین کرے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، ہر طرح کی خوبیاں اور قوت واختیار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔

اسی طرح مسلسل دعا کریں، جلد بازی نہ کریں، یعنی دعا سے نہ اُکتائیں، اور جو کچھ بھی ملے اُسے صرف اللہ کی عطا سمجھیں۔

میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ حشر کی تفصیل بیان فرمائی ہے، جو بخاری ومسلم شریف وغیرہ کی روایات میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اَولین وآخرین سارے لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، انتہائی شدت اور نفسانفسی کا عالم ہوگا، اور انتظار میں ہوں گے کہ کب کارروائی شروع ہو، تو آپس میں یہ گفتگو ہوگی کہ یہ انتظار تو مزید شدت کا

باعث بن رہا ہے؛ لہٰذا ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ حساب وکتاب کی کارروائی شروع ہو؛ تاکہ ہر آدمی اپنے انجام کو پہنچے۔

چناں چہ لوگ ایک وفد بنا کر سب سے پہلے سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے، اور اُن سے عرض کریں گے کہ آپ ہم سب کے اَبا جان ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کتنی پریشانی میں ہیں؛ لہٰذا کچھ ہماری مدد فرمایئے، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کیجئے۔

تو وہ فرمائیں گے کہ آج تو اللہ تعالیٰ کو ایسا جلال ہے کہ ایسا جلال کبھی نہیں آیا، اور اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا کہ تم نے اُس درخت کو کیوں کھایا تھا جس سے منع کیا گیا تھا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ تو جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

تو وہ سیدنا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے، اُن سے کہیں گے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب کی نسل آپ ہی سے چلی ہے، اِسی لئے آپ ہماری سفارش فرمایئے۔

وہ کہیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کو بے مثال جلال ہے، میری ہمت نہیں؛ کیوں کہ میں نے اپنے کافر بیٹے کے بارے میں سفارش کردی تھی، اگر آج اُس کے بارے میں سوال ہوگیا تو کیا جواب دوں گا؟ جاؤ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ''خلیل اللہ'' ہیں۔

چناں چہ پھر لوگ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے، وہ بھی ہاتھ کھڑے کرلیں گے، اور فرمائیں گے کہ آج تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت جلال ہے، میری بھی کچھ باتیں ایسی ہیں کہ اگر اُن کے بارے میں سوال ہوگیا تو کیا جواب دوں گا؟ جاؤ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔

لیکن سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معذرت کرلیں گے، اور فرمائیں گے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ؛ لیکن وہ بھی معذرت کرلیں گے۔

بالآخر ہمارے اور آپ کے سردار شفیع المذنبین، خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے کہ حضرت یہ صورتِ حال ہے، آپ دیکھ رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے: ''أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا'' (میں اِس کام کو انجام دوں گا)''۔ (بخاری شریف/ کتاب التوحید۲/۱۱۱۸)

کیوں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لئے اعلان کردیا ہے کہ آپ سے تو کوئی پوچھ گچھ ہونے والی ہی نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کو پوچھ گچھ کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح، جزء آیت: ۲] دراصل یہ آیت آپ کی شفاعتِ کبریٰ کی طرف مشیر ہے۔

یہاں جو بات بتلانے کی ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے فرمایا کہ میں اُس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدہ ریز ہوجاؤں گا، اور اسی حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے ایسے کلمات القاء فرمائیں گے جو اِس سے پہلے کسی پر القاء نہ کیے گئے ہوں گے، اور میں عرصۂ دراز تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہوں گا، اور پھر اس حمد وثنا پر رحمتِ خداوندی کو جوش آجائے گا، اور اِرشادِ عالی ہوگا:

''يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ''. (صحيح البخاري، كتاب التفسير / بني اسرائيل ۲/۶۸۴-۶۸۵، صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار ۱/۱۱۱) (یعنی اے محمد! سر اُٹھایئے، مانگئے عطا ہوگا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول ہوگی)

گویا کہ میدانِ حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا ہی بابِ رحمت کھولنے کا سبب بنے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حمدِ خداوندی؛ نعمتِ عظیم

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد بہت بڑی نعمت ہے، اور جس زبان سے اللہ کی حمد جاری ہو، وہ زبان آدمی کے لئے عظیم اجر وثواب کا سبب ہے۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

"الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَملأُ الْمِيْزَانَ" (یعنی کلمہ الحمد للہ کے ثواب سے نیکیوں کا پورا پلڑا بھر جائے گا)

اور فرمایا:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ". (صحیح مسلم، کتاب الطهارة / باب فضل الوضوء ۱۱۸/۱) (یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ اِن دونوں کلمات کا ثواب اس قدر عظیم الشان ہے کہ اُس سے زمین وآسمان کے درمیان نظر آنے والا خلا بھی بھر جائے گا)

اور آپ نے سنا ہوگا بخاری شریف کی آخری حدیث ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

"كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ". (صحيح البخاري، كتاب التوحيد / باب قول اللّٰه: ونضع الموازين القسط ۱۱۲۹/۲) (یعنی دو بول ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں، زبان پر بڑے ہلکے ہیں، میزانِ عمل میں بہت بھاری ہیں، یعنی

(۱) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ. (میں اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کرتا ہوں)

(۲) سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ. (اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور وہ عظیم ہے)

لہٰذا ہماری زبان پر حمد وثنا کے کلمات جاری رہنے چاہئیں۔

جس قدر ہم اِس کا اہتمام کریں گے، اُسی قدر اُس کی برکات ہمیں محسوس ہوں گی، اور روحانی اعتبار سے ترقیات نصیب ہوں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اِسی لئے حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کو روزانہ کم اَزکم تین تسبیح صبح اور شام پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(۱) تیسرا کلمہ: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' اِس کے ساتھ ''وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' بھی ملالیں تو اور بہتر ہے۔

چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ قَيْسٍ قُلْ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ؛ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِن كُنُوْزِ الْجَنَّةِ'' (اے عبداللہ بن قیس! لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کرو، وہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے) (بخاری شریف/کتاب الدعوات ۲/۹۴۴) اِس جملے میں بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اللہ کے مقابلے میں کسی طاقت وقوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) دوسرے استغفار کا معمول بنائیں، مثلاً: ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ''. (رياض الصالحين ۳۳۱) (میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ''حی اور قیوم'' ہے، اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) اِس کی بھی ایک تسبیح پڑھیں۔

(۳) تیسرے درود شریف، اگر نماز والا پڑھیں تو سب سے افضل اور بہتر ہے، ورنہ تو کم ازکم ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی کی ایک تسبیح پڑھ لیا کریں۔

اِن تسبیحات کی پابندی سے اِیمانی کیفیات میں اِضافہ ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ سے ڈر کر زندگی گذاریں!

اَب اگلی بات جو ہمیں آپ کے سامنے ذکر کرنی ہے وہ یہ ہے کہ جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہر طرح کی صفاتِ کمالیہ اور ہر قسم کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

حکومت اور اقتدار صرف اُسی کا ہے۔

تو اَب اَگلے مرحلے کی بات یہ ہے کہ پھر آدمی کو سب سے زیادہ اُسی سے ڈرنا بھی چاہئے۔

اِس لئے کہ دنیا کا کوئی چھوٹا موٹا حاکم ہو تو آدمی اُس کو رشوت دے کر بچ سکتا ہے، دنیوی حکومت کے اعتبار سے آدمی کتنے ہی غیر قانونی کام کرتا ہے؛ لیکن پھر بھی چھپا رہتا ہے اور حکومت کی پکڑ میں نہیں آتا۔

لیکن یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ممکن نہیں ہیں، اُس سے نہ تو کوئی چھپ سکتا ہے اور نہ اُس کی پکڑ سے محفوظ رہ سکتا ہے، وہ ہمارے اُوپر پوری طرح نگرانی کرنے والا ہے، اندر کے اور باہر کے ہر راز کو پوری طرح جاننے والا ہے، کوئی چیز اُس سے چھپی ہوئی نہیں ہے، وہ ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

قرآنِ کریم نے فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید، جزء آیت:٤] (تم جہاں ہو اللہ تعالیٰ (کا علم وقدرت) تمہارے ساتھ ہے)

اور سورۂ مجادلہ میں فرمایا گیا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا، ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [المجادلة: ٧] (کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اُن تمام چیزوں سے واقف ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، تین سرگوشی کرنے والوں میں وہ چوتھے

اور پانچ میں وہ چھٹے ہوتے ہیں، اور اِس سے کم ہوں یا زیادہ، مگر وہ اُن کے ساتھ ہیں چاہے وہ جہاں بھی ہوں، پھر وہ اُنہیں قیامت کے دن اُن کے سب اعمال کے بارے میں باخبر فرمائیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں)

خلاصہ یہ کہ کوئی شخص تنہائی میں ہو، اَندھیرے میں ہو، ہزاروں میل دور ایسی جگہوں پر ہو جہاں کوئی اور انسان نہ پہنچ سکے، لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو، اور اُن کی گرفت سے باہر ہو؛ لیکن وہ اللہ کی نظر اور اُس کے علم وقدرت سے ہرگز باہر نہیں ہوسکتا۔

اور ایک اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (یعنی ہم اِنسان سے اُس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں)

جب یہ تصور آدمی کے ذہن میں ہوگا کہ ہماری ہر وقت نگرانی کی جارہی ہے تو یقیناً ہم اللہ کی نافرمانی سے بچیں گے۔

ایک مثال سے وضاحت

آج کل بڑی شاہ راہوں پر لکھا رہتا ہے کہ "آپ کیمرے کی نگرانی میں ہیں"۔ سعودی عرب میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی ہائی وے پر جگہ جگہ لکھا ہوا ہے: "مراقب بالرادار" (یعنی راڈار کے ذریعہ شاہ راہ کی نگرانی کی جارہی ہے) لہٰذا اپنی گاڑی اسپیڈ کے اندر چلاؤ۔

ابھی ہم لوگ سفر میں تھے تو ڈرائیور کو جہاں یہ احساس ہوتا کہ یہاں کیمرہ لگا ہوا ہے تو وہ فوراً گاڑی کی رفتار کم کردیتا تھا، اور جہاں یہ معلوم ہوتا کہ قریب میں کیمرہ نہیں ہے تو اپنے انداز سے تیز چلاتا تھا، تو معلوم ہوا کہ کیمرے کے ڈر سے آدمی صحیح رفتار پر چلتا ہے۔

اِسی طرح جب ہمارے اندر یہ جذبہ ہوگا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہر حالت میں دیکھ رہے ہیں اور وہ ہمیں فوری طور پر اور ہر جگہ سزا دینے پر قادر ہیں، اور ہم اُن سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے، تو ہم کبھی

بھی اُس کی نافرمانی کی ہمت نہیں کریں گے۔ اور اگر کبھی نافرمانی ہوجائے گی تو جب تک توبہ نہ کرلیں گے چین نہیں آئے گا۔

تو خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے حمد وثنا ہو، اور دل میں اُس کی عظمت وکبریائی کا یقین ہوتو پھر اِن شاء اللہ ہماری زندگی ایک بندہ کی زندگی کے طور پر گذرے گی۔

صفتِ احسان

ہمارے مشائخ اور بزرگانِ دین ذکرواَذکار اور اَوراد ووَظائف کے ذریعہ سے اسی کی محنت کراتے ہیں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی معیت کا واقعی احساس ہوجائے، اور وہ صفت اِحسانی نصیب ہوجائے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: "مَا الْإِحْسَانُ" (یعنی احسان کسے کہتے ہیں؟)

تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ؛ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب سوال جبرئيل عن النبي صلى الله عليه وسلم ۱۲/۱)

(یعنی اِس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم نہ دیکھ سکو تو اللہ تبارک وتعالیٰ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے)

یعنی تم کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نظر سے غائب نہیں ہو، یہ تصور دل میں راسخ کرنا ضروری ہے۔

اور پھر یہ جذبات صرف اپنے تک ہی محدود نہیں رکھنے؛ بلکہ اپنے بچوں تک بھی اُنہیں منتقل کرنا ہے، چھوٹے بچوں پر بچپن کی باتوں کا بڑا اَثر ہوتا ہے۔

اِس لئے والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی ماحول میں تربیت کریں، اُن کا ذہن اِسلامی بنائیں، اُن کے سامنے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا تذکرہ کریں، حضرات

صحابہ کرام کی عظمت اُن کے دلوں میں راسخ کرائیں، خلفاء راشدین اور اہلِ بیت سے محبت اُن کے دل میں بٹھائیں، اور اولیاء اللہ کی عظمت سے اُن کے دل معمور کریں۔

اگر ایسا کیا جائے گا تو زندگی کے ساتھ ساتھ اُن کا دین سے رابطہ مضبوط ہوتا چلا جائے گا، اور زمانے کی گمراہیوں سے وہ محفوظ رہیں گے۔اور ہمارے معاشرے اور نسلوں میں دین وایمان کی فضا باقی رہے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ اِس مجلس کو قبول فرمائیں، اور پوری اُمت کو خیر کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۳)

عقل مند کون؟

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : عقل مند کون؟
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرکزی مسجد ڈنڈی اِسکاٹ لینڈ
- تاریخ : ۲۷ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ
- دورانیہ : ۲۲ر منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدر آبادی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم : اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَہُ ھَوَاھَا، وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ. (سنن الترمذي / أبواب صفۃ القیامۃ ٧٢/٢ رقم: ٢٤٥٩) أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام.

عقل مندی اور بے وقوفی کا معیار

محترم بھائیو اور بزرگو! کوئی لمبی چوڑی گفتگو کا وقت بھی نہیں ہے موقع بھی نہیں ہے؛ لیکن

کبھی کبھی کان میں پڑی ہوئی بات کام بھی آجاتی ہے، اگرچہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو، اور خاص طور پر اگر اِس بات کا تعلق قرآنِ کریم سے ہو، یا سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حدیث سے ہو، تو اُس کے نفع بخش ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات آنکھوں پر سجانے اور سر پر رکھے جانے کے قابل ہے، اور اِس بات کو چاہے ساری دنیا قبول کرے یا نہ کرے؛ لیکن ایک اِیمان دار آدمی اِس پر سو فیصد یقین رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وہ برحق ہے۔

چناں چہ اِسی مناسبت سے ہم نے ایک چھوٹی سی حدیث آپ کے سامنے پڑھی ہے، جس میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل مند اور بے وقوف کی تعریف کی ہے کہ کون عقل مند ہے اور کون بے وقوف ہے؟

ہم میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ ہمارا نام عقل مندوں میں آئے۔

کوئی بھی اِنسان یہ نہیں چاہتا کہ خدانہ کرے اُس کا دماغ آؤٹ ہو جائے، یا لوگ اُسے دیوانہ یا بے وقوف کہیں۔

بلکہ ہر آدمی اپنے کو عقل مند کہلانا چاہتا ہے، اور عقل مند رہنا چاہتا ہے۔

اَب عقل کا دعویٰ تو سبھی کرتے ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کون آدمی حقیقت میں عقل مند ہے؟ اور کون بے وقوف ہے؟

تو عقل مندی کا ایک معیار تو وہ ہے جو دنیا والوں نے بنا رکھا ہے کہ مثلاً:

عقل مند آدمی وہ ہے جو اچھا کمانے والا ہو۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو بڑا ہوشیار ہو۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو دوسروں پر اپنی فوقیت ثابت کردے۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو دوسروں کو اپنے کنٹرول میں رکھے، کوئی اُس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو گفتگو میں دوسروں پر غالب آجائے، کوئی اُس پر غالب نہ آسکے، وغیرہ۔

اِس کے مقابلہ میں بے وقوف اُسے کہتے ہیں جو:

بے چارہ بات چیت نہ کر سکے۔

کوئی اُس سے زور سے بات کرے تو وہ چپ ہو جائے۔

زیادہ کمانے کی صلاحیت نہ رکھے۔

سادہ زندگی گذارے۔

تو ایسے آدمی کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا بے وقوف ہے، یہ دقیانوس ہے، اِس کے اندر کوئی عقل نہیں ہے۔

یہ دنیا والوں کا عقل مندی اور بے وقوفی کا معیار ہے۔

لیکن ہمارے آقا و مولیٰ، سرور کائنات، فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معیار بتلایا ہے وہ یاد کرنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوتِ. (سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة ۷۲/۲ رقم: ۲٤۵۹) (یعنی عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے دنیا میں کام کر کے جائے) یہ ہے اصل عقل مند آدمی!

اُمتِ محمدیہ کی عمروں کا اَوسط

پھر یہ دنیاوی زندگی کتنے دن کی ہے؟

پہلی اُمتوں میں کئی کئی سو سال کی عمریں ہوتی تھیں، سیدنا حضرت نوح علیہ السلام نے تو ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی، لوگ پہلے کئی کئی سو سال جیتے تھے۔

لیکن حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ’’أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى السَّبْعِيْنَ وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يُجَاوِزُ ذٰلِكَ‘‘. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات / باب ۱۹۵/۲) (یعنی میری اُمت کی اَوسط عمر ساٹھ سے ستر سال کے بیچ رہے گی، اور ستر سے اُوپر کم لوگ جا پائیں گے)

گویا کہ اکثر لوگ ۷۰ رسال عمر ہونے سے پہلے ہی انتقال کر جائیں گے۔

تو یہ اُمتِ محمدیہ کی عمروں کا اَوسط ہے۔

ستر سال کی عمر کا حال

اور پھر غور فرمایئے کہ اِس ۷۰/سال کی عمر کا کیا حال ہے؟

۱۵/سال تو آدمی کو بالغ ہونے میں لگ گئے۔

۲۵/سال آدمی کو باشعور ہونے میں لگتے ہیں۔

پھر وہ پڑھتا اور سیکھتا ہے، اکثر ۳۰/سال تک کی عمر اِنہی مصروفیات میں چلی جاتی ہے۔

اَب بچے کتنے؟

زیادہ سے زیادہ ۴۰/سال۔

اور وہ بھی بڑھاپے کی عمر آتی ہے تو آدمی زندگی سے زیادہ لطف نہیں اُٹھا پاتا۔

بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

تکلیفوں اور اَعذار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حتی کہ زندگی خود اُس کے لئے بوجھ بن جاتی ہے۔

تو ساری دنیا کی زندگی کا یہ ماحصل نکلا کہ بس ۴۰/سال فائدہ اُٹھاؤ، اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ ہے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ فائدہ کے لئے ۴۰/سال بھی پورے ملیں۔

لیکن بھائیو! اِس زندگی کے بعد جو اَصلی زندگی آئے گی وہ کروڑوں اَربوں سالوں میں بھی ختم نہیں ہوگی، وہ لامحدود زندگی ہے، سو دو سو سال کا سوال نہیں؛ بلکہ کروڑوں اور اَربوں سالوں میں بھی وہ ختم نہیں ہوگی۔

جب موت کو بھی موت آجائے گی۔

آخرت کی زندگی کی لامحدودیت

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

"جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے، تو اُن کے بیچ

میں ایک دیوار قائم کی جائے گی، اور ایک منادی جنتیوں کو خطاب کر کے اعلان کرے گا کہ اے جنتیو! متوجہ ہو جاؤ، سب متوجہ ہو جائیں گے، اور ایک مینڈھا لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ جانتے ہو یہ مینڈھا کیا ہے؟ تو سب کے دل میں یہ بات آجائے گی کہ یہ موت ہے۔

پھر جہنمیوں کو آواز دی جائے گی کہ اے جہنمیو! وہ متوجہ ہو جائیں گے، اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ جانتے ہو یہ مینڈھا کیا ہے؟ سب کہیں گے کہ یہ موت ہے۔

اور پھر اُن سب جنتیوں اور جہنمیوں کے سامنے اُس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

’’اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے زندگی اور بقاء کا فیصلہ نہ کر رکھا ہوتا تو جنتی اِس منظر کو دیکھ کر خوشی سے مر جاتے۔

اور اگر جہنمیوں کے لئے زندگی کا فیصلہ نہ ہوتا تو سارے جہنمی مارے غم کے مر جاتے‘‘۔

(ترمذی شریف، ابواب التفسیر/تفسیر سورۂ مریم ۱۴۸/۲)

گویا کہ اَب تو موت ہی کو موت آگئی ہے، تو مرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔

اَب یاد رکھئے کہ وہ اَربوں کھربوں سال کی زندگی اُسی وقت کامیاب ہوگی جب ہم اِس ۶۰-۷۰ رسالہ زندگی کو اللہ کی خوشنودی کے مطابق گذار کر جائیں گے، اور ایسا ہی آدمی عقل مند کہلائے گا۔

بے وقوف کون؟

آگے اِس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وقوف آدمی کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ: ’’وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ‘‘. (سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة ۷۲/۲ رقم: ۲٤٥۹) (یعنی بڑا عاجز اور بڑا نکما، بڑا ہی بے وقوف اور بڑا ہی احمق وہ آدمی ہے جو اپنے کو اپنی خواہش کا غلام بنالے، اور اللہ سے اُمیدیں باندھے)

جو جی میں آئے وہ کرے، جو جی میں نہ آئے وہ نہ کرے۔

اللہ نے کیا کہا کچھ پروانہیں۔

قرآن نے کیا کہا کچھ پروانہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا کوئی پروانہیں۔

بلکہ جو جی میں آیا وہ کر رہا ہے، حلال حرام کی کچھ تمیز نہیں ہے۔

اور حماقت یہ کہ اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھ رکھی ہیں کہ جب اللہ کے یہاں جاؤں گا تو جنت تو میری پکی ہے۔

تو کیا جنت تمہاری زر خرید جائیداد ہے؟

جو اُس میں خود بخود چلے جاؤ گے؟

نہیں!

بلکہ یہاں محنت کرنی پڑے گی۔

اِس کے بغیر آدمی اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

خلاصہ یہ کہ اِس مختصر حدیث میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عقل مندی اور بے وقوفی کا جو معیار متعین فرمایا ہے اُسے پیش نظر رکھ کر ہر مسلمان کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔

اور یہ یقین کرنا چاہئے کہ دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے۔

یہاں جو آیا ہے وہ جا کر کے رہے گا۔

ہزاروں آئے اور چلے گئے، اور ہزاروں آئیں گے اور چلے جائیں گے۔

خود ہماری آنکھوں کے سامنے ہر روز یہ منظر آتا ہے۔

کتنوں کو قبرستان تک پہنچایا ہے، اور ہمیں بھی کوئی نہ کوئی پہنچائے گا۔

یہ سلسلہ یونہی جاری ہے اور یونہی جاری رہے گا۔

اور ہم جیسے خالی ہاتھ آئے تھے، خالی ہاتھ ہی جائیں گے۔

بس ہمارا عمل ہی ہمارے ساتھ جائے گا۔

بھائیو! ہمارا اِیمان اُس وقت تک کامل نہیں ہے جب تک کہ آخرت پر ہمارا عقیدہ نہیں ہے، آخرت کے عقیدہ کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٤] یعنی اہلِ ایمان وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

قیامت کے دن کے پانچ سوال

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے: ''لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ، وعن مالهٖ من أين اكتسبه، وفيما أنفقه؟ وما ذا عمل فيما علمَ''. (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة / باب ما جاء في شأن الحساب والقصاص ٦٧/٢) (یعنی کوئی شخص بھی قیامت کے دن اپنی جگہ سے ہل نہیں پائے گا جب تک کہ پانچ باتوں کا جواب نہ دے دے:

(۱) عمر کہاں گذاری؟

(۲) جوانی کہاں لٹائی؟

(۳) مال کہاں سے کمایا؟

(۴) مال کہاں پر خرچ کیا؟

(۵) اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟

اِن پانچ باتوں کے بارے میں بہرحال جواب دینا پڑے گا۔

عمر کہاں کھپائی؟

سب سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ بتاؤ تم نے اپنی عمر کہاں لگائی؟

اور یہ نہیں ہوگا کہ آپ کہہ دیں کہ:

صاحب میں تو بہت پکا نمازی تھا۔

بہت پکا روزہ دار تھا۔

اور میں نے تو کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبردست نگرانی مسلسل جاری ہے۔

ایسی نگرانی کہ ہم اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آدمی کسی سے بھی مخفی رہ سکتا ہے۔

چھپ سکتا ہے۔

نام بدل کر کے رہ سکتا ہے۔

اپنے چہرے کی سرجری کرا کر ہیئت بدل سکتا ہے۔

اپنے جیسے لوگوں کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

لیکن اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔

اللہ تعالیٰ کو سب کچھ پتہ ہے۔

مزید یہ کہ اُس نے نگرانی کے لئے ہر اِنسان پر چار فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو اُس کا ایک ایک ریکارڈ تیار کر رہے ہیں، دو دن کے دورات کے۔

اور ایک ایک بات اُن فرشتوں کے علم میں ہے اور وہ سب لکھ رہے ہیں۔ مثلاً:

آنکھوں سے کیا کیا دیکھا؟

کانوں سے کیا کیا سنا؟

زبان سے کیا کیا بولا؟

کس کو گالی دی؟

کس کی غیبت کی؟

کس پر بہتان باندھا؟ وغیرہ۔

الغرض اچھی بری ہر بات فرشتوں کے علم میں رہتی ہے، اور وہ اُسے نوٹ کرتے رہتے ہیں۔

اور جب قیامت میں اِنسان کی عمر کے بارے میں سوال ہوگا تو اُس کا پورا جواب پہلے ہی سے اعمال نامہ میں موجود ہوگا۔

اِسی لئے ہر آدمی کو اپنا نامہ اَعمال اچھا بنانے کی فکر کرنی چاہیۓ۔

اور نامہ اَعمال کو خراب ہونے سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیۓ۔

اور اگر نفس یا شیطان کے اَثر سے کوئی غلطی ہو جائے تو جب تک توبہ نہ کرلے آدمی کو چین نہ آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ’’مؤمن اور منافق کی مثال ایسی ہے کہ مؤمن سے اگر گناہ ہوجاتا ہے تو اُس پر ایسا بوجھ ہوتا ہے کہ جیسے اُس پر پہاڑ رکھ دیا گیا ہو۔ اور منافق ایسا محسوس کرتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہواُسے ہٹا دیا‘‘۔ (بخاری شریف ۲/۹۳۳ حدیث: ۶۳۰۸)

تو مؤمن وہ ہے جو گناہ کو بہت بھاری محسوس کرے، جب تک توبہ نہ کرلے اور اُس بوجھ سے اپنے کو آزاد نہ کرلے اُسے چین نہ آئے۔

بہرحال یہ عرض کیا جارہا ہے کہ ہم سے آخرت میں اِس عمر کے بارے میں سوال ہوگا۔

جس کے ضمن میں ہمارے تمام عقائد، اَعمال، کردار، معاملات اور معاشرت سب کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ زندگی کے اِن شعبوں میں شریعت کی پاس داری کی یا نہیں؟

لہٰذا یہ سب درست ہونا چاہیۓ، ابھی درست کرنے کا موقع ہے۔

جوانی کہاں لٹائی؟

پھر سوال ہوگا: وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ: (یعنی یہ بتاؤ کہ جوانی کہاں لٹائی؟)

ہم نے تمہیں جوانی دی تھی۔

طاقت دی تھی۔

قوت دی تھی۔

حوصلہ دیا تھا۔

اُمنگیں دی تھیں۔

صلاحیت دی تھی۔

تم نے اُسے کہاں لگایا ہے؟

جواب دینا پڑے گا۔

آج جوان یہ سمجھتا ہے کہ جوانی کا زمانہ تو میرے کھیل کود کا زمانہ ہے، ابھی موج مستی کرلیں، جب بڑی عمر ہوگی تب توبہ کرلیں گے۔

حالاں کہ یہ محض خام خیالی ہے؛ کیوں کہ اِس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ جوان بڑی عمر تک پہنچے گا بھی یانہیں؟ اِس لئے ہر جوان کو اپنی جوانی اللہ کی خوشنودی میں ہی گذارنی چاہئے۔

کیوں کہ جو آدمی جوانی اچھی طرح گذارے گا وہ یقیناً اللہ کا محبوب اور مقبول بندہ بن جائے گا۔

حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ میں جگہ عطا کریں گے؛ گویا کہ میدان حشر میں اُن کو خصوصی اعزاز سے نوازا جائے گا، اُن میں ایک وہ جوان ہے جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں پروان چڑھی ہو۔ ”شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ“.

(صحيح البخاري ١٠٠٥/٢ رقم: ١٤٢٣-٦-٦٠)

اللہ سے ڈر کر جس نے جوانی گذاری۔

اللہ کے خوف کے ساتھ جوانی گذاری۔

اپنے جذبات پر کنٹرول کر کے جوانی گذاری۔

اللہ کے فرائض کو اَدا کرتے ہوئے جوانی گذاری۔

اللہ کی نافرمانی سے بچ کر جوانی گذاری۔

ایسے لوگوں کے لئے میدانِ حشر میں اعلان ہوگا کہ ایسے جوان کھڑے ہوجائیں، اُن کے لئے عرشِ خداوندی کے سایہ میں مخصوص نشستیں تیار ہیں۔

تو ہمیں اپنے کو ایسے ہی خوش نصیب جوانوں میں شامل کرنا ہے۔

اپنے بچوں اور بچیوں کا اور نسلوں کا ایسا ذہن بنانا ہے کہ اُن کی جوانی صاف ستھری پاکیزہ،

صاف شفاف، اچھے لوگوں کی طرح، اچھے اِنسانوں کی طرح، صحابہ کرام اور اَولیاء عظام کی طرح گذرے، اِس کا ہمیں اہتمام کرنا ہے۔

اگر نہیں کریں گے تو نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

مال کیسے کمایا؟

اور پھر سوال ہوگا: ’’وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ‘‘. (یعنی مال کہاں سے کمایا)

یاد رکھئے محض مال کمانا کمال نہیں؛ بلکہ حلال کمانا یہ کمال ہے۔

آج بہت سے لوگوں کا ذہن یہ ہے کہ بس پیسہ آنا چاہئے۔

سود سے آئے۔

رشوت سے آئے۔

جوئے سے آئے۔

سٹے سے آئے۔

حرام طریقوں سے آئے یا حلال سے آئے۔

حق سے آئے یا ناحق سے، کوئی پروا نہیں ہے۔

حالاں کہ اللہ کے دربار میں ایک ایک پائی کا حساب دینا پڑے گا۔

اگر کوئی کسی کی ناحق زمین غصب کرلے تو اُس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی: ’’مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ‘‘. (صحيح البخاري ٣٣٢/١ رقم: ٢٤٥٢-٢٤٥٥، صحيح مسلم / باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها ٢٢/٢) (یعنی اگر کسی نے ایک بالشت زمین بھی ناحق کسی کی دبالی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے وہ جگہ نکال کر اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دی جائے گی۔

سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٧٦] (یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات میں اِضافہ فرماتے ہیں)

نیز فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [البقرہ، جزء آیت: ۲۷۵] (یعنی جو سود خور لوگ ہیں وہ قیامت میں ایسے اُٹھائے جائیں گے جیسے شیطانی اَثرات سے اُن کے ہوش اُڑے ہوئے ہوں۔ (کہ صحیح طرح قدم بھی نہ رکھے جا رہے ہوں گے)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِن خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِبَا‘‘. (سنن ابن ماجة / باب التغليظ في الربا ١٦٤/٢) (یعنی میں نے جہنم میں دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کے برابر ہیں، اور اُن کمروں کے اندر بڑے بڑے سانپ لوٹ رہے ہیں، جو باہر سے نظر آ رہے ہیں، تو میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو اُنہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں)

نیز نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’إِنَّ الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ؛ فَإِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ إِلٰى قُلٍّ‘‘. (مسند أحمد حديث: ٤٠٢٦، سنن ابن ماجة حديث: ٢٢٧٩) (یعنی سودی مال چاہے کتنا ہی زیادہ ہو جائے، اُس کا انجام یہ ہے کہ وہ کم ہو کر رہے گا)

آج آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوشیار ہوں۔

میں نے لوگوں سے اتنے پیسے اینٹھ لئے۔

اتنا پیسہ جمع کرلیا۔

اتنا بیلنس بنالیا۔

ٹھیک ہے تم نے دنیا میں یہ سب کچھ جمع کرلیا؛ لیکن جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو ساری ہوشیاری کافور ہو جائے گی۔

اِس لئے عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ چاہے آدمی تھوڑا کمائے؛ لیکن حلال کمائے؛ تاکہ آخرت میں کوئی پکڑ نہ ہو۔

کہاں خرچ کیا؟

اِسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مال کو صحیح جگہوں پر خرچ کریں؛ کیوں کہ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: آخرت میں خرچ کے بارے میں بھی سوال ہوگا: ’’وَفِیْمَا أَنْفَقَهُ‘‘.

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں، جہاں جی چاہے خرچ کریں، ہم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، تو یہ محض خوش فہمی ہے۔

آخرت میں ایک ایک پیسے کا حساب ہونا ہے۔

اگر گناہوں میں، لغویات میں، یا حرام جگہوں پر آدمی مال خرچ کرے گا تو اُس کا حساب دینا بھاری پڑ جائے گا۔

اِس لئے ضروری ہے کہ حلال ذریعہ سے مال کمائیں، اور حلال ہی جگہوں پر خرچ کریں۔

علم پر کتنا عمل کیا؟

اور اَخیر میں یہ سوال ہوگا: ’’وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ‘‘ (یعنی جو دین کی بات تمہارے علم میں آگئی اُس پر تم نے کہاں تک عمل کیا؟)

جب بات علم میں آگئی تو عمل بھی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ جب تمہیں پتہ چل گیا تھا کہ یہ چیز حرام ہے تو تم نے اپنے کو اُس سے کیوں نہیں بچایا؟

جب تمہیں پتہ چل گیا تھا کہ یہ چیز تمہارے اُوپر فرض ہے تو تم نے اُس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

گویا کہ ناواقف آدمی اگر کوئی کوتاہی کرے تو اُس کے مقابلہ میں واقف کار آدمی کی کوتاہی زیادہ بڑا جرم قرار دی جاتی ہے، اِس لئے جانکار کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔

اپنا محاسبہ کرتے رہیں!

یہ سب وہ سوالات ہیں جو آخرت میں ہونے والے ہیں۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو سوال ہونے سے پہلے اُن کا جواب صحیح صحیح تیار کر لے۔

اور تیاری اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم مسلسل اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔

اِس لئے روازانہ سونے سے پہلے پانچ منٹ کے لئے غور کریں کہ آج ہم سے کیا کیا اچھی باتیں ہوئی ہیں؟ جن پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں۔

اور یہ بھی جائزہ لیں کہ ہم سے کیا کیا گناہ ہوئے ہیں؟ اُن کو یاد کر کے دل سے ندامت کے ساتھ سچی توبہ کریں۔

تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

جب ہم اِس کا اہتمام کریں گے تو ان شاء اللہ ہماری زندگی صاف ستھری ہوگی، اور ہمیں یہاں کی بھی راحت نصیب ہوگی، سکون ملے گا اور آخرت کی بھی عافیت نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری اُمتِ محمدیہ کو دین پر استقامت نصیب فرمائیں، ہر طرح کے گناہوں سے، معاصی سے، منکرات سے، فواحش سے، لغویات سے ہم سب کی، ہماری نسلوں کی اور پوری اُمت کی حفاظت فرمائیں، آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۴)

مقصدِ زندگی

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدر آبادی

- موضوعِ خطاب : مقصدِ زندگی
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرکزی مسجد برمنگھم (برطانیہ)
- تاریخ : ۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ
- دورانیہ : ۱۸/ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰه نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یهده اللّٰه فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا هادي لہٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شریك لہٗ، ونشهد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی اللّٰه تبارك وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارك وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. [الذاریات: ٥٦] صدق اللّٰه مولانا العلي العظیم.

بھائیو اور بزرگو! اِس وقت یہ مجلس اِس مقصد کے لئے منعقد ہوئی ہے کہ کچھ دین کی باتیں بطور یاددہانی عرض کی جائیں۔

یاددہانی سے آدمی کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔

اس لئے کہ بہت سی باتیں آدمی کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں؛ لیکن جب اُن کا مذاکرہ کیا جاتا ہے تو اُس کا اَثر الگ انداز میں ظاہر ہوتا ہے۔

اِسی لئے قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الذاریات: ۵۵] (یعنی اے پیغمبر علیہ السلام! آپ یاددہانی کراتے رہا کیجئے؛ کیوں کہ وہ اِیمان والے کو نفع دیتی ہے)

لہٰذا کوئی وعظ کی مجلس ہو، یا دینی کتاب پڑھ کر سنائی جائے، یا دینی مذاکرہ کیا جائے؛ یہ سب یاددہانی ہی کی صورتیں ہیں۔

تو دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اِس مجلس کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، اور ہم سب کے لئے اصلاح اور فلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

مکلفین کی اَقسام اور اُن میں اِنسان کا مقام

بھائیو اور بزرگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکلفین میں تین طرح کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں:

(۱) فرشتے یعنی ملائکہ:- اُن کے اندر اللہ تعالیٰ نے شر کا مادہ ہی نہیں رکھا، وہ سراپا خیر ہی خیر ہیں، اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [التحریم، جزء آیت: ٦] (یعنی اللہ انہیں جو بھی حکم دیتے ہیں وہ کبھی بھی اُس کی نافرمانی نہیں کرتے، اُنہیں تو بس حکم بجالانا ہے)

گویا کہ فرشتوں کی طرف سے معصیت اور سرکشی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

(۲) ابلیس اور اُس کی ذریت:- یہ وہ مخلوق ہے جس کے اندر خیر کا نام ونشان نہیں ہے، یہ سب سراپا شر ہی شر ہیں، ابلیس خود بھی راندۂ درگاہ ہے اور اُس کی ذریت بھی راندۂ درگاہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے دربار اور رحمتِ حق سے سراسر محروم ہے۔

(۳) اور تیسرے نمبر پر اِنسان اور جنات ہیں، ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر دونوں طرح کی صلاحیتیں رکھی ہیں۔

اِنسان خیر کی طرف بھی چل سکتا ہے اور شر کی طرف بھی چل سکتا ہے۔

اِسی طرح جنات میں اچھے جنات بھی ہیں اور غلط کار بھی ہیں۔

لیکن مخلوقات میں سب سے زیادہ اُونچا درجہ اُن انسانوں کا ہے جو راہِ حق پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں۔

حتیٰ کہ بعض اِنسان فرشتوں سے بھی بڑھ گئے ہیں، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام۔

وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کے اندر تو شر کا مادہ ہی نہیں ہے؛ لہٰذا اُنہیں تو ہر حالت میں اطاعت ہی کرنی ہے، مگر اِنسان میں اللہ تعالیٰ نے شر اور خیر دونوں مادے رکھے ہیں۔

اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا. فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ [والشمس: ۷-۱۰] (اور قسم ہے نفس کی اور جیسا کہ اُس کو ٹھیک بنایا۔ پھر اُس کو نافرمانی اور تقویٰ کی سمجھ دی۔ یقیناً جس نے اُس کو سنوار لیا وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے اُس کو خاک میں ملایا وہ نامراد ہوا)

لہٰذا جو اِنسان شر سے بچ کر خیر کی طرف گامزن ہو جائے، تو یہ بڑے کمال کی بات ہے؛ کیوں کہ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

آدمی جلتی ہوئی آگ سے بچ جائے یہ کوئی کمال نہیں ہے؛ لیکن جس کام کو کرنے کی طبعیت متقاضی اور اس کی طرف راغب ہو، مگر وہ عمل شریعت کے خلاف ہو، پھر آدمی اللہ سے ڈر کر اپنے کو کنٹرول کرے، اور معصیت سے دور رہے، تو واقعی یہ بڑے مجاہدہ کی بات ہوگی۔

اور جو اِس امتحان میں کامیاب ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر بن جائے گا، اور ممکن ہے کہ فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جائے۔

اس کے برخلاف اگر آدمی شریعت کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کے تابع بن جائے، تو وہ اپنے نفس کو خاک میں ملا کر ذلیل کرنے والا ہوگا، اور ابلیس اور اُس کی ذریت کی طرح ناکام اور نامراد ہو جائے گا۔ اللّٰہم احفظنا منہ

راہ کے انتخاب کی آزادی اور ہدایت کا انتظام

لیکن یہ دنیا چوں کہ دارالامتحان ہے، اِس لئے یہاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو بظاہر آزادی دے رکھی ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برائی کی طرف چلے تو اُسے ہاتھ پکڑ کر روک دیا جائے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو خیر کی طرف لے جایا جائے؛ بلکہ بظاہر خیر اور شر دونوں طرف کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اور آدمی کے لئے یہی امتحان ہے کہ دیکھیں وہ اپنے ارادے سے خیر کی طرف چلتا ہے یا شر کی طرف۔

البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اِنسانوں کی رہنمائی کا بھرپور انتظام فرمایا ہے۔

چناں چہ قرآن پاک میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو یہ فرمایا:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۳۸] (یعنی ہم نے حکم دیا کہ تم سب یہاں سے نیچے اُترو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے (پیغمبر اور رسول بھیجے جائیں، اور کتابیں اُتاری جائیں) پس جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اُس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اس کے برخلاف جو ہدایاتِ ربانی کی پیروی نہیں کرے گا، اور انکار وتکذیب کا راستہ اپنائے گا تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ نعوذ باللہ منہ

تو بھائیو اور بزرگو! ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ گویا ہم دنیا میں سب ایک امتحان ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور ہم جو اَعمال کر رہے ہیں اُن سے ہمارا پرچہ بھرا جا رہا ہے۔

اگر ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایات کے مطابق صحیح اَعمال بجالائیں، تو گویا ہم سوال کا صحیح جواب دے رہے ہیں۔

اور اگر ہم صحیح زندگی نہ گذاریں؛ بلکہ بدعقیدگی اور بدعملی والی زندگی گذاریں، تو گویا ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے سوال کا غلط جواب لکھ رہے ہیں، اور یہ ساری چیزیں ریکارڈ کی جا رہی ہیں۔

اَعمال کے ریکارڈ کا انتظام

آدمی یہ نہ سمجھے کہ میں تنہا اور اکیلا ہوں، جو چاہوں کرلوں، کسی کو کیا پتہ؟

اس لئے کہ کسی کو پتہ ہو یا نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ کو ضرور پتہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہماری نگرانی کا بہت مضبوط اور مستحکم انتظام کر رکھا ہے۔

ہر اِنسان پر چار فرشتے مقرر ہیں، ۲/دن میں اور ۲/رات میں، جو اُس کا ایک ایک عمل نوٹ کرتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ. كِرَامًا كَاتِبِيْنَ. يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الانفطار: ۱۰-۱۲] (تمہارے اُوپر نگراں مقرر ہیں، معزز لکھنے والے فرشتے، جو بھی تم کررہے ہو وہ اُس سے واقف ہیں)

آج کل دنیا نے بڑی ترقی کرلی ہے، آپ نے دیکھا ہوگا جا بجا سڑکوں پر کیمرے لگے ہوئے ہیں، مثلاً جہاں کسی نے حد سے زیادہ گاڑی کی رفتار (Speed) بڑھائی وہ سب ریکارڈ ہوگیا، اور اُس کی بنیاد پر آپ کی گرفت ہوسکتی ہے۔

اِسی طرح راڈار لگادئے گئے ہیں، جن کے ذریعہ باقاعدہ شاہ راہوں کی نگرانی ہورہی ہے، کونسی گاڑی آرہی ہے کونسی جارہی ہے؟ وہ سب اُس میں محفوظ ہوتا رہتا ہے۔

حتی کہ ہمارے گھروں تک کی نگرانی ہورہی ہے؛ کیوں کہ اَب پوری دنیا کا ایسا سٹلائیٹ نظام بن گیا ہے کہ گھر کے نمبر تک نیٹ پر آگئے ہیں، اور آپ اُس کو ہر جگہ سے دیکھ سکتے ہیں۔

چناں چہ خفیہ اِدارے اگر کسی گھر کی نگرانی کرنا چاہتے ہیں تو اپنے کنٹرول روم سے بیٹھ کر دیکھتے رہتے ہیں کہ کون آدمی گھر میں گیا؟ اور کب گھر سے نکلا؟ اور کونسی گاڑی آئی؟ اُس کی نمبر پلیٹ کیا تھی؟ اور کتنی دیر کھڑی رہی؟ وغیرہ۔

توجب آدمی نے اِس طرح کی چیزیں بنالی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟

پہلے زمانے میں جب بخاری شریف ختم ہوتی تھی تو یہ بحث ہوتی تھی کہ اَعمال کیسے تولے جائیں گے؟ اعمال کیسے اکھٹے کئے جائیں گے؟ اُن کا وزن کیسے کیا جائے گا؟

لیکن اَب اِنسانوں نے خود ایسی چیزیں ایجاد کر لی ہیں کہ اَب ان بحثوں کی گنجائش نہیں رہی، ہر چیز کا وزن ہونے لگا اور ہر چیز ریکارڈ ہونے لگی ہے۔

پہلے آدمی سوچتا تھا کہ ''کراما کاتبین'' نے ساٹھ ستر سال کی زندگی میں نہ جانے کتنے رجسٹر بھر دیئے ہوں گے؟ اور اُن رجسٹروں سے کتنی عمارتیں بھر گئی ہوں گی؟

لیکن اَب کمپیوٹر اور چپ Chip کا زمانہ ہے، آج معمولی سے ناخن کے برابر چپ کے اندر کتنے ہزاروں صفحات کا ڈاٹا اِنسان محفوظ کر لیتا ہے، اور جب چاہیں اسے پرنٹ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح دنیا کی تمام سرگرمیاں اور معلومات کمپیوٹرائزڈ ہو کر محفوظ کی جارہی ہیں، جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھلا رہے ہیں کہ تم ایسا کر سکتے ہو، تو ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

تو یہ جو فرشتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اسی طرح کا کوئی نظام دے رکھا ہو کہ بس وہ ٹائپ کرتے چلے جائیں کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر فلاں جگہ اُس نے یہ کام کیا ہے، اور یہ سارا ریکارڈ محفوظ ہوتا چلا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر انسان کا آئی ڈی نمبر الگ ہو، جس کے ذریعہ سے قیامت میں اُس کا پورا ڈاٹا کھول کر پرنٹ آؤٹ نکال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ:

﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ [بنی اسرائیل: ١٤] (لے اپنا کھا تا خود ہی پڑھ لے، تو خود ہی آج اپنے اوپر حساب لینے والا ہے)

یعنی دوسرے کیا پڑھیں گے تو خود ہی پڑھ لے کہ تو دنیا سے کیا کر کے آیا ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی نظر سے ویسے بھی چھپی ہوئی نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہماری نگرانی کا انتظام فرمایا؛ تا کہ حجت تام ہو جائے، اور کچھ کہنے کا موقع نہ رہے۔

اور جب اس نگرانی کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دے دی تو ہمیں اُس پر ایسے ہی یقین ہے جیسا کہ اِس وقت رات ہونے کا یقین ہے، اسی یقین کے ساتھ جب ہم زندگی گذاریں گے تو یقیناً غلط باتوں سے ہم محفوظ رہیں گے، اور ہمیشہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پیشِ نظر رکھیں گے۔

عبادت کا مفہوم

اور یہ مقصد وہی ہے جو اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذريت: ٥٦] (یعنی میں نے جنات اور اِنسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے)

لوگ سمجھتے ہیں کہ عبادت کا مطلب یہ ہے کہ صرف نمازیں پڑھ لیں، یا صرف روزہ وغیرہ رکھ لیں، حالاں کہ یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ عبادت کا مفہوم اس سے زیادہ عام ہے، اس کے معنی بندگی اور غلامی کے آتے ہیں۔ اور غلام اُس کو کہتے ہیں جو ہر ہر قدم پر اپنے آقا کا تابع ہو، آقا جس بات کا حکم دے وہ اُسے بجالائے، اور جس بات سے منع کر دے اُس سے فوراً رک جائے، اِسی کا نام غلامی اور بندگی ہے، جو جنات اور اِنسان کی پیدائش کا اصل مقصد ہے۔ یعنی وہ من چاہی زندگی نہ گذاریں؛ بلکہ خدا چاہی زندگی گذاریں۔

اللہ سے ڈر کر زندگی گذاریں۔

کوئی بھول چوک ہو جائے تو فوراً توبہ کرلیں

اللہ سے رو رو کر معافی چاہ لیں۔

گناہ پر جرأت اور جسارت نہ کریں۔

بلکہ عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کریں۔

بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ ہم سے فوری طور پر بدلہ لینے پر قادر ہیں، مگر اُن کی بے پایاں رحمت اور احسان ہے کہ ہزار نافرمانیوں اور گناہوں کے باوجود اُس نے ہمیں مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے، اِس چھوٹ سے ہمیں فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

فتنوں کی مختلف شکلیں

یہ دنیا کی زندگی بہت فتنوں کی زندگی ہے، قدم قدم پر فتنے ہیں، سب سے بڑا فتنہ نفس کا ہے، جو آدمی کو ہمیشہ برائی پر اُبھارتا ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا: ’’أَعْدیٰ أَعَدَائِكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ‘‘. (رواه البيهقي في الزهد بإسنادٍ ضعيف وله شواهد من حديث أنس، كشف الخفاء للعجلوني ١٢٨/١ دار الكتب العلمية بيروت) (یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں چھپا بیٹھا ہے)

یہ نفس بہت زیادہ برائی پر ابھارتا ہے، اور طرح طرح کے حیلے بہانے تراش کر آدمی کو نافرمانی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اِسی طرح شیاطین کے فتنے ہیں؛ جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

فواحش اور بے حیائی کا طوفان ہے؛ جو گھر گھر پہنچ چکا ہے۔

حتیٰ کہ اَب تو عقیدوں کا بگاڑ بھی عام ہوتا جا رہا ہے، الامان والحفیظ۔

اِن سب سے بچتے ہوئے اگر ہم اپنی زندگی گذاریں گے اور اپنے ایمان اور اپنے اعمال کو بچا کر لے جائیں گے تو ہم فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک بن جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔

دین پر استقامت نصیب فرمائیں۔

ہر طرح کی بد عملی، بد عقیدگی، کوتاہی، نافرمانی اور ناشکری سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

اور ہماری نسلوں میں دین وایمان کی بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❐❖❐

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۵)

سچے اہلِ ایمان کی چند صفات

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : سچے اہلِ ایمان کی چند صفات
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد نور لیسٹر (برطانیہ)
- تاریخ : یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۵؍نومبر ۲۰۱۳ء بروز منگل
- دورانیہ : ۳۵؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ. أُوْلٰٓـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا، لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. [الانفال: ٢-٤] صدق الله مولانا العلي العظيم.

حضرات علماء کرام، بھائیو، بزرگو، اور جہاں تک آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں!

قرآنِ پاک کی چند آیات آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں، اُن کا ترجمہ اور اُن کی مختصر تشریح بطور یاد دہانی پیش کرنے کا اِرادہ ہے۔

دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اِس کہنے سننے کو قبول فرمائیں، اور اِس مجلس کو ہم سب کے لئے آخرت میں کامیابی اور نجات کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

اِیمان اور اُس کے اَجزاء

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِیمان کی دولت عطا فرمائی، یہ بہت ہی بڑا اِنعام ہے۔

جس کی کوئی قیمت اَدا نہیں کی جاسکتی۔

لیکن یہ جتنی بڑی نعمت ہے اُسی اعتبار سے اِس کی حفاظت کا انتظام کرنا بھی ہمارے لئے لازم ہے۔

اِیمان کے جتنے بھی اَجزاء ہیں اُن سب پر کامل یقین ہو، ذرہ برابر بھی اُس میں شک اور شبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بغیر کسی تفصیل کے سوفی صد اِیمان رکھنا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جب بیعت کرتے تھے تو آپ اِرشاد فرماتے تھے کہ یوں کہو:

''اِیمان لایا میں اللہ تبارک وتعالیٰ پر جیسا کہ ہے وہ اپنی ذات میں اور جیسا کہ ہے وہ اپنی صفات میں''۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا پورا اِدراک آدمی کے بس کی بات نہیں ہے؛ لہٰذا بغیر کسی شک وشبہ اور تفصیل کے اللہ کی ذات وصفات کو ماننا لازم ہے۔

اِسی طرح اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے پیغمبروں پر، آخرت کے دن پر، تقدیر پر اچھی ہو یا بری اِیمان لانا لازم ہے۔

زندقہ واِلحاد

اِسی طرح سرورِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر تشریف لائے اور جو بات آپ سے لے کر ہم تک مکمل سند کے ساتھ اتنے تواتر سے پہنچے، جس میں کسی طرح کی غلطی کا

اِمکان نہ ہو، اُس پر بھی اِیمان لانا لازم ہے، چاہے وہ عقائد کے قبیل سے ہو یا اَعمال کے قبیل سے۔

یہ ہم اِس لئے کہہ رہے ہیں کہ جو کلمہ ہم پڑھتے ہیں ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ''، اِسی طرح بعض باطل فرقوں کے لوگ بھی ایسے ہی کلمہ پڑھتے ہیں، اور اپنے کو مسلمان باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن اُن کے عقائد ایسے ہیں جو اُمت کے اِجماعی عقائد سے جدا ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی آدمی کسی متواتر عقیدہ کا انکار کرے، تو ایسا آدمی ہرگز مؤمن نہیں ہے۔

اِس کو ''کفر زندقہ'' کہتے ہیں۔ زندقہ کا مطلب یہ ہے کہ ''آدمی اسلام کے خلاف عقیدہ رکھے اور غلط سلط تاویل کرکے اپنے باطل عقیدے کو اِسلام کی طرف منسوب کرے''۔

جیسا کہ آج کل قادیانیوں کا فرقہ ہے جو ختم نبوت کا منکر ہے، اور جھوٹے مدعی نبوت ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کا پیروکار ہے، اِس فرقہ کے لوگ دھوکہ کی غرض سے اپنی دوکانوں، مکانوں، گاڑیوں وغیرہ پر موٹے حروف میں ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھتے ہیں۔ اَب جو لوگ دین سے ناواقف اور علماء سے دور ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی کوئی مسلمانوں کا فرقہ ہوگا، حالاں کہ اُس فرقہ کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اِسی طریقہ پر وہ بے توفیق لوگ جو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اَجمعین کے بارے میں بکواس کرتے ہیں، نعوذ باللہ تبرا کرتے ہیں، یا اُن کی مطلقاً تکفیر کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، تو ایسے لوگ لاکھ اپنے کو مسلمان کہیں، مگر اُن کا اِیمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیوں کہ وہ عقائد متواترہ کے منکر ہیں، یعنی ایسی باتوں کے اِنکاری ہیں جو صحیح اور مستند حوالوں سے ثابت ہیں۔

ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں توہین آمیز باتیں کہے، یا جو بدنصیب اَمیر المؤمنین خلیفہ اَول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھے، تو ایسے شخص کا اِسلام اور اِیمان سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ نصوصِ قطعیہ ثابتہ کا انکار ہے۔ (مستفاد: شامی ۳۷۸/۶ زکریا)

تو ایسی باتوں سے بچا کر ہمیں اپنا اِیمان مضبوط رکھنا ہے۔

بچوں کے اِیمان کی فکر

اور یہی باتیں اپنے بچوں تک منتقل کرنی ہیں۔

چھوٹے بچوں کا ذہن سادہ ہوتا ہے، اگر آپ نے بچپن میں اُن کے ذہن میں کوئی بات ڈال دی، تو اِن شاء اللہ مرتے دم تک وہ نہیں نکلے گی۔

اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں بچوں کو سکھلایا جائے، اور بچپن ہی سے اُن کا یہ عقیدہ ہو کہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جو بھی ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔

ہمارے یہاں ایک چھوٹا بچہ آیا ہوا تھا، اُس کی والدہ خود بھی حافظہ ہے، اور بچہ کی دینی تربیت کی طرف بھی اچھا دھیان دیتی ہے، تو ایک دن وہ بچہ گھر میں کھیلتے ہوئے گر گیا۔

تو گرتے ہی اُس کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ: ’’اَے اللہ! تو نے ہی مجھے گرایا ہے اَب تو ہی مجھے اُٹھا‘‘۔

کیوں کہ والدہ نے اُسے یہ پڑھایا تھا کہ گرنا اُٹھنا سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تو سب اُس کی بات پر تعجب سے ہنسنے لگے۔

لیکن ہم نے کہا کہ یہ اُس کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہے، ماشاء اللہ۔

ہمارے یہاں بچپن میں یہ ہوتا رہا کہ اگر رات میں لائٹ غائب ہوگئی تو مائیں بچوں سے کہتی تھیں کہ ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ پڑھ کر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ لائٹ بھیج دے۔

اور جب لائٹ آجاتی تو کہا جاتا کہ دیکھو دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے لائٹ بھیج دی۔

اِسی طرح سے بچوں کا ذہن بنتا ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ جب ہم بچپن میں حضرت والدہ محترمہ -اَدام اللہ ظلہا- سے کہانی سننے کی فرمائش کرتے تو وہ ہمیں واہی تباہی باتیں سنانے کے بجائے پیغمبروں اور اَولیاء اللہ کے واقعات سناتی تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ، کہ اُن کے بھائیوں نے اُن سے کس طرح حسد کیا؟ اُنہیں کنویں میں ڈال دیا، پھر قافلہ نے اُنہیں اُٹھالیا اور مصر کے بازار میں لاکر بیچ دیا، وغیرہ۔

اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا قصہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا قصہ، اور دیگر قرآنی قصے اور واقعات وہ ہمیں سناتی تھیں، اور ہم سب بڑی دلچسپی سے سنتے تھے، اور بار بار فرمائش کرتے تھے۔

اِسی طرح موقع ملتا تو ''شاہنامہ اِسلام'' جو حفیظ جالندھری کی سیرت پر منظوم کتاب ہے، جس میں بہت شاندار انداز میں سیرت کے واقعات کی منظر کشی کی گئی ہے، تو اکثر سوتے وقت والدہ صاحبہ اُس کی نظمیں ترنم کے ساتھ ہم کو سناتی تھیں۔

جس کا اثر یہ ہوا کہ یہ سب واقعات بچپن سے ہی ذہن میں بیٹھ گئے۔ کتابوں میں بعد میں پڑھے اور پہلے ہی والدہ کے ذریعہ سے ہمارے ذہنوں میں ڈال دیئے گئے، اللہ تعالیٰ اُنہیں بے حد جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

اِسی طرح بچوں کو شروع ہی سے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا سبق پڑھانا چاہیئے۔

خلفاء راشدین اور حضرات اہل بیت کا تذکرہ کرکے اُن کے دل میں یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ سب ہمارے سر کے تاج ہیں۔

اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے بھی عقیدت ومحبت ہونی چاہیئے۔

اور دیگر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بھی درجہ بدرجہ دل میں عظمت ہونی چاہیئے۔

غرض یہ کہ ہمیں اپنی نسلوں کے اِیمان کی فکر کرنی ہے۔

اور اُس کے لئے ترتیب یہ ہے کہ بچپن سے دینی ماحول اور مزاج بنایا جائے، اُن کا اتنا مضبوط اِیمان بنادیا جائے کہ بعد میں جو نئے آلات وغیرہ کے ذریعہ مسموم اَثرات غیروں کی طرف سے سامنے آئیں، تو اُن کی وجہ سے اُن کا اِیمان متزلزل نہ ہوسکے۔

سچے مؤمن کی صفات

بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اِیمان کی دولت عطا فرمائی، جس پر ہمہ وقت شکر اَدا کرنا لازم ہے۔

لیکن ایک اِیمان کا دعویٰ ہے اور ایک اِیمان کی حقیقت ہے۔

دعویٰ تو ہر ایک کرتا ہے کہ میں تو کامل اور پکا مؤمن ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ جسے مؤمن کہیں وہی تو پکا مؤمن ہوگا۔

محض دعویٰ سے کیا ہوتا ہے؟

اِس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی اِن آیات میں سچے، پکے اور کامل مؤمنوں کی صفات بیان کی ہیں کہ جو لوگ درج ذیل پانچ صفات کو اختیار کرلیں تو اُنہیں سچے مؤمن ہونے کی سند عطا ہوگی۔

اُن میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ﴾ (یعنی جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، تو اُس کی عظمت کی وجہ سے اُن کے دل کانپ جائیں)

اور جب دل کانپیں گے تو آدمی اللہ کی ناراضگی سے بچے گا، اور اللہ کے عذاب سے اپنے کو بچانے کی فکر کرے گا؛ کیوں کہ اللہ کا ڈر اُس کے دل میں آگیا ہے۔

آگے دوسری صفت اِرشاد فرمائی کہ: ﴿وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ آیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا﴾ (یعنی قرآنِ کریم کی آیتیں جب اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، تو اُس سے اُن کے اِیمان میں اِضافہ ہوتا ہے)

گویا کہ قرآنِ کریم جب اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو اُن کے دل اِیمانی کیفیات سے معمور ہوجاتے ہیں۔

اور تیسری صفت یہ فرمائی کہ: ﴿وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ﴾ (یعنی ہر معاملہ میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ وہ اَسباب اختیار کرتے ہیں؛ مگر بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرتے ہیں۔

اُنہیں اِس بات کا کامل یقین ہے کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ کے کرنے سے ہوا، اور جو کچھ ہوگا وہ اللہ کے کرنے سے ہوگا، اگر اللہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔

اِسی کا نام توکل ہے۔

اسباب ترک کرنے کا نام توکل نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پیر باندھ کر بیٹھ جائے کہ آسمان سے رزق اُترے گا اور سب ضرورتیں پوری ہوں گی۔

نہیں!

بلکہ پہلے اَسباب اختیار کرو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

یہ تینوں باتیں دل کی صفات وکیفیات ہیں کہ دل کے اندر اللہ کا ڈر آئے، اور قرآن پڑھنے اور سننے سے اِیمان میں اِضافہ ہو، اور دل میں توکل پیدا ہو۔

دل بادشاہ ہے

دل پورے جسم کا بادشاہ ہے۔

پورے جسم کا کنٹرول پاور دل کے پاس ہے۔

دل آرڈر کرتا تو یہ سارے اعضاء حرکت کرتے ہیں۔

اور دل اگر آرڈر نہ کرے تو سب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

مثلاً دیکھئے! آپ کی طبیعت بظاہر ٹھیک ہے، ہاتھ پیر چل رہے ہیں، کوئی بیماری بھی نہیں ہے، کوئی عذر بھی نہیں ہے۔

اور کوئی آدمی آپ کے پاس آئے اور کہے کہ ”چلو فلاں جگہ چلنا ہے“۔

تو آپ بیٹھے ہوئے ہیں نہیں جارہے ہیں۔

کہا جارہا ہے: ”اَرے بھائی چلو“! چلنے میں تمہیں کوئی عذر ہے؟

نہیں!

کوئی بیماری ہے؟

نہیں!

کوئی مصروفیت ہے؟

نہیں!

لیکن بس دل نہیں چاہ رہا ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ اگر دل آرڈر نہیں کرے گا تو آدمی اُٹھ نہیں سکتا۔

اِس کے برخلاف اگر دل آرڈر کردے کہ چلنا ہے تو:

شدید سردی کیوں نہ ہو رہی ہو؟

موسم ناہموار کیوں نہ ہو؟

مگراُٹھ کر چلا جا رہا ہے، بھاگ دوڑ ہو رہی ہے۔

اِس لئے کہ دل کا آرڈر ہو گیا ہے۔

دل کا آرڈر ہے کہ بولنا ہے تو زبان چلتی ہے۔

دل کا آرڈر ہے کہ دیکھنا ہے تو آنکھ کھلتی اور دیکھتی ہے۔

اور اگر آرڈر یہ ہے کہ آنکھ بند کرلو یا جھکالو تو آنکھ کو دیکھنے یا اُٹھنے کی مجال نہیں ہوتی۔

اِسی طرح اگر آرڈر ہے کہ ہاتھ چلاؤ تو چلے گا ورنہ نہیں چلے گا۔ وغیرہ وغیرہ

تو پتہ چلا کہ دل اگر کنٹرول میں ہے تو سارا بدن کنٹرول میں ہے۔

اِسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ﴾ (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب من استبرأ لدينه ۱۳/۱ رقم: ۵۲، مسند احمد ۲۷۴/٤ رقم: ۱۸۵٦٤) (کان کھول کر سنو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو تو سارا بدن ٹھیک رہے، اور وہ بگڑے تو سارا بدن بگڑ جائے، سن لو! وہ دل ہے)

پہلے دل بگڑتا ہے پھر آنکھ بگڑتی ہے۔

پہلے دل بگڑتا ہے پھر کان بگڑتا ہے۔

پہلے دل بگڑتا ہے پھر زبان بگڑتی ہے۔

پہلے دل بگڑتا ہے پھر ہاتھ پیر بگڑتے ہیں۔

پہلے دل بگڑتا ہے پھر شرم گاہ بگڑتی ہے۔

تو سب چیزوں کا کنٹرول پاور دل کے پاس ہے۔

دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں۔

بدن بھی درست ہے۔

روح بھی درست ہے۔

اِس لئے اِیمان کی صفات میں تین صفات کا تعلق دل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل کو ایسا ہی بنادے جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور اور پسند ہے۔

دل ٹھیک ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس کے بعد پھر دو ایسی صفات بیان فرمائیں جن کا تعلق ظاہری اَعمال سے ہے۔

اولاً یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلَاةَ﴾

اور دوسرے یہ کہ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے کارِ خیر میں خرچ کرتے ہیں: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ [الانفال، جزء آیت: ۳]

اِقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم

اَب یہاں غور فرمایئے کہ نماز کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ ''نماز پڑھتے ہیں''؛ بلکہ یہ کہا کہ ''نماز قائم کرتے ہیں''۔

اور قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پورا ماحول نماز والا بناتے ہیں۔

نماز کے آداب اور شرائط کا اہتمام کرتے ہیں۔

مرد ہیں تو مسجد میں جا کر باجماعت نماز اَدا کرتے ہیں۔

یہی اِقامت صلوٰۃ ہے کہ پورا کا پورا معاشرہ نمازی بن جائے۔

اُردو میں محاورہ ہے کہ ''فلاں محلّہ یا فلاں شہر میں فلاں کام کھڑا ہو گیا''۔ یعنی ہر آدمی وہ کام کررہا ہے، اِسی طرح اِقامتِ صلوٰۃ ہے یعنی مسلم معاشرہ میں نماز والا عمل کھڑا رہنا چاہیئے۔

ہر شخص اِس کی فکر کرے کہ اُس کی نماز اپنے وقت سے قضاء نہ ہو۔

سنن وآداب کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔

گھر میں عورتیں اَول وقت میں نماز پڑھیں؛ کیوں کہ عورتوں کے لئے ہر نماز اَول وقت میں پڑھنا اَفضل ہے۔

اور مردوں کے لئے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ قریب واجب کے ہے۔ یعنی بلا عذر اِس کو معمولاً چھوڑا نہیں جائے گا۔

اگر کوئی شخص مسجد چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھنے کا بلا عذر معمول بنالے تو وہ گنہگار ہوگا۔

تو اِقامتِ صلوٰۃ میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

نماز ہے تو دین ہے۔

نماز نہیں تو دین نہیں ہے۔

یہ نماز دین کا ستون ہے۔

یہ اِیمان کی اور اِیمان والوں کی سب سے بڑی علامت ہے۔

ہم سب کو اِس کا اہتمام کرنا ہے، بچوں کو بھی اِس کا پابند بنانا ہے۔

اِسی لئے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "مُرُوْا صِبْيَانَكُم بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا". (مسند أحمد رقم: ٦٦٨٩) (یعنی جب بچہ یا بچی سات سال کا ہو جائے تو اُنہیں نماز سکھاؤ، اور کہو کہ بیٹا نماز پڑھو، اور دس سال کا ہو جائے اور نہ پڑھے تو تنبیہ کر کے نماز پڑھواؤ؛ تا کہ جب وہ بالغ ہو تو پکا نمازی بن چکا ہو)

اور ظاہر ہے جب آپ اُس کو نماز پڑھوائیں گے تو پاکی کے مسائل بھی اُسے بتلانے پڑیں گے۔

شریعت میں طہارت کی بڑی اہمیت ہے، اُس کے مسائل بھی اُنہیں بتلائے جائیں۔

شروع سے ہی بچہ کو پاکی کا اہتمام کرنے کا عادی بنایا جائے۔

قضاء حاجت یا پیشاب کے بعد پانی کا استعمال کرے۔ پانی استعمال کیئے بغیر بیت الخلاء سے باہر نہ آئے، یہ اِس کی عادت ڈلوائی جائے۔

اِسی طرح بچیوں کو اُن کے مخصوص مسائل سے آگاہ کیا جائے۔

کہ کب اُن کے لئے نماز پڑھنے کی اِجازت ہے اور کب نہیں ہے؟

اِسی طرح نماز کے ضروری مسائل بھی اُنہیں سکھلائے جائیں۔

کس طرح سے نماز شروع ہوتی ہے؟

اُس کے ارکان کیا ہیں؟

فرائض وواجبات کیا ہیں؟

کب سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے؟

کب نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

کن صورتوں میں نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے؟ وغیرہ

اِسی طرح سفر وغیرہ کے ضروری مسائل بھی سکھلائے جائیں۔

اللہ کے دئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنا

اِس کے بعد فرمایا کہ: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اُنہیں روزی دی ہے، اُس میں سے خرچ کرتے ہیں)

ظاہر ہے کہ ہم یہ روزی اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے۔

یہ جو بھی ہے اللہ کی عطاء ہے۔

تو گویا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ جب ہم ہی دینے والے ہیں تو ہمارے راستہ میں خرچ کرنے سے تم پر کوئی زور نہیں پڑنا چاہئے۔

یہ ایک نفسیاتی حکمت آمیز تعبیر ہے کہ صدقہ خیرات کرنے والے لوگ اپنے مال میں سے نہیں؛ بلکہ ہم نے جو اُنہیں دیا ہے اُسی میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اگر یہ بات مستحضر کر لی جائے تو نفسیاتی طور پر کارِ خیر میں خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

نیز حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث میں قسم کھا کر اِرشاد فرمایا کہ: ﴿مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ﴾ (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر ۵۸/۲) (یعنی صدقہ دینے سے کسی کا مال کم نہیں ہوتا)

اَب دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر فرما رہے ہیں، اگرچہ آپ کی بات بغیر قسم کے بھی سچی ہے، تو قسم کے ساتھ اُس میں اور زیادہ تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔

اِس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہئے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ:

(۱) اللہ کا نام سن کر جن لوگوں کے دل کانپ جائیں۔

(۲) قرآنِ سننے سے جن کے اِیمان میں زیاتی ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر اُنہیں کامل توکل ہو۔

(۴) وہ نمازوں کا اہتمام رکھیں۔

(۵) اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہیں۔

تو ایسے خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے مؤمن ہونے کا تمغہ ملے گا۔

اُنہیں کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ (یہی ہیں سچے مؤمن)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن کو یہ تمغہ مل جائے اُس سے بڑی سعادت کی بات اور کچھ نہیں ہوسکتی ہے۔

جنت کے اَحوال، اور اللہ تعالیٰ کی شانِ ستاری

اور پھر اُن کے لئے جنت میں انتظامات ہیں۔ ﴿لَهُمْ دَرَجَـٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس اُونچے اُونچے درجات ہیں، اور مغفرت ہے، اور عزت کی روزی ہے)

اَب سوال یہ ہے کہ یہاں مغفرت کے بطور احسان ذکر کی کیا ضرورت ہے؟

تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کے علاوہ ہر آدمی سے کچھ نہ کچھ کوتاہی ضرور ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر اللہ کی طرف سے مغفرت نہ ہو تو کوئی بچ نہیں سکتا۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

’’ایک مرحلہ میں جنت میں اللہ تعالیٰ کا دربار سجایا جائے گا، ایک ہی میدان میں تمام جنتی جمع کئے جائیں گے، اور ہر جنتی کے لئے اُس کے درجہ کے اعتبار سے نشست مقرر کی جائے گی۔

کوئی مشک وعنبر کے پہاڑوں پر ہوگا۔

کوئی ہیرے جواہرات کے ٹیلوں پر ہوگا۔

کوئی نور کے منبروں اور کرسیوں پر ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ ہر جنتی سے براہِ راست مخاطبت فرمائیں گے۔

اِسی دوران ایک جنتی سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ’’اَرے فلاں! تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم نے فلاں فلاں بات کہی تھی؟‘‘ پھر اُس کو دنیا کے کچھ گناہ یاد دلائیں گے۔

تو وہ شخص گھبرا کر کہے گا کہ: ’’اَے میرے رب! کیا آپ نے میری مغفرت نہ فرمادی تھی؟‘‘

تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ''میری مغفرت کی وسعت ہی کی بدولت آج تجھے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے''۔(یعنی جنت میں داخلہ نصیب ہوا ہے)(ترمذی شریف، ابواب صفۃ الجنۃ/ باب ماجاء فی سوق الجنۃ ۸۱/۲)

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ ایک مؤمن کے بالکل قریب ہوکر اُس سے فرمائیں گے کہ: ''کیا تجھے فلاں گناہ یاد ہے؟'' وہ ہر گناہ کا اِقرار کرتا جائے گا، اور دل میں یہ سمجھے گا کہ وہ تو بس ہلاک ہوگیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس سے فرمائیں گے:

''سَتَرْتُهَا عَلَيكَ فِيْ الدُنيا، وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ اليَومَ''. (صحيح البخاري / كتاب المظالم ۳۳۰/۱ رقم: ۲٤٤١) (یعنی میں نے دنیا میں اُن گناہوں پر تیری پردہ پوشی کی اور آج میں تیرے لئے مغفرت کا فیصلہ کررہا ہوں)''۔

اللہ اکبر! کیا شانِ ستاری اور وسعتِ رحمت ہے، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی یہ شانِ کریمی ہے کہ وہ ہماری بڑی بڑی کوتاہیوں کو نظر انداز فرمادیتے ہیں؛ بلکہ توبہ کرنے پر برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ بڑے غفار اور ارحم الراحمین ہیں۔

شانِ غفاری کی ایک جھلک

مسلم شریف میں روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ:

''قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا۔

اور کہا جائے گا کہ اِس کے سامنے اِس کے چھوٹے موٹے گناہ پیش کئے جائیں، اور ابھی بڑے بڑے گناہ روک کر رکھے جائیں۔

چناں چہ اُس پر چھوٹے گناہ پیش کرنے کی کارروائی شروع ہوگی، اور اُس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کئے تھے؟ اور وہ سب باتوں کا اِقرار کرتا جائے گا، اِنکار کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔

اور وہ دل میں بڑے بڑے گناہوں کی پیشی سے ڈر رہا ہوگا۔

اِسی دوران یہ اعلان ہوگا کہ اِس کے لئے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی لکھ دی جائے۔

تو وہ شخص بول پڑے گا کہ: ''اے میرے رب! میں نے تو بہت سے ایسے گناہ بھی کررکھے ہیں جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو اِس روایت کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ ایسے مسکرائے کہ سامنے کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے"۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان/ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار ا/۱۰۶)

اور اِس مسکراہٹ کی وجہ یہ ہوئی کہ یا تو وہ بندہ گناہوں کی پیشی پر گھبرایا ہوا تھا، اور جب برائیوں کو نیکیوں سے بدلنے کا اعلان ہوا، تو ساری گھبراہٹ کافور ہوگئی، اور مزید گناہوں کے پیش کرنے کا مطالبہ کرنے لگا؛ تاکہ اُن کے بدلے میں بھی نیکیوں سے نوازا جائے۔

تو احقر یہ عرض کرر ہا تھا کہ نجات اور جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ضروری ہے، اِس لئے آیت میں مؤمنین کے لئے مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے اور ساتھ میں عزت والی روزی کی بھی بشارت ہے۔

عزت والی روزی اِس لئے کہا گیا کہ اگر کھانے پینے کے تو اچھے انتظامات ہوں؛ لیکن عزت کے ساتھ آدمی کو نہ کھلایا جائے، تو اُس میں کوئی لطف نہیں رہتا۔

مثلاً آپ کسی کے لئے دسترخوان لگادیں اور اُسے بٹھا کر ڈانٹ ڈپٹ کر کہیں کہ "کھاتے کیوں نہیں، کیا تک رہے ہو"؟ تو یقیناً اُسے برا لگے گا۔

اور اگر آپ محبت اور عزت کے ساتھ چٹنی روٹی بھی کھلائیں گے تو مہمان خوش ہوجائے گا۔

اِسی لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جنت میں ہمارے جو مہمان ہوں گے، اُن کو عزت کے ساتھ روزی ملے گی، جس کو "رزقِ کریم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لیکن یہ سعادت جبھی حاصل ہوگی جب ہم اپنے کو سچے مؤمنین کی فہرست میں داخل کرالیں۔

اِس کے لئے خصوصاً مذکورہ پانچ صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کی توفیق عطا فرمائیں، اور جو بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں یا ہورہی ہیں یا ہوں گی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی شانِ کریمی سے اور اپنی شانِ ستاری سے ہمیں معاف فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۶)

عرش کے سایہ میں

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : عرش کے سایہ میں
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد نور گلوسٹر Gloucester (یوکے)
- تاریخ : ۳۱/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات
- دورانیہ : ۴۰/ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق حیدرآبادی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ. [النور: ۵۲]

صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ: اَلإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِيْ اللّٰهِ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ

إِخْفَاءً حَتّٰى لَا تَعلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

(صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد ۹۱/۱)

آخرت پر اِیمان

محترم بھائیو اور بزرگو اور جہاں تک یہ آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں!

ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِسلام کے دعوے دار ہیں، اور اِسلام کے بنیادی عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ دنیا کی زندگی ایک عارضی زندگی ہے۔

اور یہاں مقررہ وقت گذارنے کے بعد آدمی کو ایسی جگہ جانا ہے جہاں سے کبھی واپسی نہیں ہوگی، اور وہ ایسی زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اسی کو ’’آخرت‘‘ کہتے ہیں۔

جب تک ’’آخرت‘‘ پر کامل یقین نہ ہو اُس وقت تک آدمی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

اور جیسے آدمی اپنا وقت پورا کر کے انتقال کر جاتا ہے، اور اُس کی دنیوی زندگی کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، اِسی طرح دیگر مخلوقات (زمین، آسمان، چاند اور سورج وغیرہ) کے ختم ہونے کا بھی ایک وقت مقرر ہے، اُس وقت کو ’’قیامت‘‘ کہتے ہیں۔

جب قیامت کا وقت آ جائے گا تو نہ یہ پہاڑ رہیں گے۔

نہ زمین رہے گی نہ آسمان رہیں گے۔

نہ چاند سورج بچیں گے۔

بلکہ سب نمٹ جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ ساری بساط لپیٹ دیں گے۔

اِن سب باتوں پر بھی یقین کرنا ضروری ہے۔

جب صور پھونکا جائے گا

پھر قیامت کا پہلا مرحلہ تو یہ ہوگا کہ پہلا صور پھونکے جانے کے بعد جس میں بھی جان ہے، وہ سب چیزیں بے جان ہو جائیں گی، اور کوئی جان والا باقی نہیں رہے گا۔

پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اُس کی آوز اسنتے ہی جتنے بھی جاندار بے جان ہو چکے تھے وہ سب پھر جان والے ہوجائیں گے، اور اپنی اپنی قبروں (موت کی جگہوں) سے سب اُٹھ پڑیں گے۔ (سورۂ زمر۶۸)

کوئی اُٹھنا چاہے گا تو بھی اُٹھے گا۔

اور اگر بالفرض نہیں اُٹھنا چاہے گا تو بھی اُٹھنا پڑے گا۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی اکڑ کر بیٹھ جائے کہ میں تو قبر سے نہیں جاتا۔

بلکہ چار و نا چار سب کو قبر سے نکل کر آنا پڑے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّورِ فَاِذَا هُم مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنسِلُونَ. قَالُوا یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا، هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ [یس: ۵۱-۵۲] یعنی جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب اپنی قبروں سے تیزی سے اپنے رب کی طرف نکل پڑیں گے، اور (جو کفار ہوں گے) وہ کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے! ہماری قبروں سے ہمیں کس نے اُٹھا دیا؟ (پھر کہا جائے گا کہ) یہ تو وہی (ساعت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے جو خبر دی تھی وہ سچ تھی۔

تو موت پر بھی یقین ضروری ہے۔

اور قیامت پر بھی اِیمان ضروری ہے۔

اور قیامت کے بعد دوبارہ زندگی پر بھی یقین لازم ہے۔

چاہے کسی کو یقین آئے یا نہ آئے؛ لیکن ایمان کے دعوے دار کو جیسے اِس وقت رات ہونے کا یقین ہے، اِس سے زیادہ اِن باتوں پر یقین کرنا ضروری ہے۔

میدانِ محشر اور اُس کی ہولناکی

اور پھر ایک میدان میں سب لوگ جمع ہوں گے۔

کروڑوں، اَربوں، کھربوں لوگ سب یکجا ہوں گے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَیَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ. (صحیح

البخاري، كتاب التفسير / باب قوله: ﴿ذرية من حملنا مع نوح انه كان عبدًا شكورًا﴾ ٦٨/٢ رقم: ٤٧١٢) (یعنی کمال یہ ہوگا کہ اتنے بڑے میدان میں ہر آدمی دوسرے کی پکار سن رہا ہوگا، اور ہر شخص دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا)

دنیا میں بڑا مجمع ہو جائے تو یہاں کی آواز وہاں نہیں پہنچتی، اس کیلئے لاؤڈ اسپیکر لگانا پڑتا ہے۔

اور دور کی صورتیں نظر نہیں آتیں، اِس کے لئے الگ سے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔

لیکن وہاں نہ کوئی لاؤڈ اسپیکر ہوگا اور نہ کوئی اور انتظام؛ لیکن سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے، اور سب ایک دوسرے کی باتیں سن رہے ہوں گے۔

مگر ایک افراتفری کا عالم ہوگا، نفسانفسی پڑی ہوگی، کسی کو کسی کی فکر نہ ہوگی، ہر شخص بس اپنی ہی فکر میں سرگرداں ہوگا۔

نہ اَولاد کو والدین کی فکر ہوگی، نہ والدین کو اَولاد کی۔

نہ بیوی کو شوہر کی، نہ شوہر کو بیوی کی۔

نہ بھائی کو بھائی کی۔

بس اپنی ہی پڑی ہوگی کہ میں کسی طرح نجات پا جاؤں۔

عرش کے سایہ کے حق دار

ایسے خطرناک اور وحشت ناک موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے لئے کچھ خصوصی انتظامات فرمائیں گے۔

اور اُس میدان میں جہاں نہ کوئی عمارت ہوگی نہ کوئی سایہ اور نہ شامیانہ۔

نہ کوئی خیمہ ہوگا اور نہ کوئی چھتری۔

اور سورج سوا نیزے پر ہوگا، اور مارے شدت کے لوگوں کے ہوش اُڑے ہوں گے۔

ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ کچھ خاص لوگوں کو بطور اعزاز واکرام کے اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

یہ خاص لوگ کئی قسموں کے ہوں گے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے:

سَبعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهٗ. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد ۹۱/۱) (یعنی سات قسم کے آدمی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدانِ حشر میں اپنے سایہ میں جگہ عطاء فرمائیں گے جب کہ اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا)

اِن سات میں اگر کسی شخص کا نام آجائے تو وہ بلاشبہ بڑا خوش نصیب ہوگا۔

اور نام درج کرانے کے لئے یہیں دنیا میں انتظام کرنا پڑے گا۔

ایسا نہیں ہے کہ آدمی جیب میں پیسے رکھ کر لے جائے اور میدانِ حشر میں کہے کہ میرے پاس انتظام ہے یہ پیسے لے لو، اور میرا نام خصوصی لوگوں میں شامل کرلو، ایسا نہیں ہوگا۔

بلکہ اُس کی پیشگی قیمت اِس دنیا کی زندگی میں ہی اَدا کرنی پڑے گی۔

یہیں اُس کا ریزرویشن ہوگا، جس کی سیٹ یہاں ریزرو ہوجائے گی اُسے ہی وہاں جگہ ملے گی۔

اور جس کی نشست دنیا میں ریزرو نہیں ہوئی اُس کے لئے کوئی ضمانت نہیں ہے۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سات قسم کے لوگوں کی وضاحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

(۱) کہ اُن میں اول شخص: ’’اَلإِمَامُ الْعَادِلُ‘‘ ہے، یعنی انصاف کرنے والا حکمراں، اور وہ بادشاہ جو اپنی رعایا اور ماتحتوں کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیتا ہو۔

(۲) اور دوسرے نمبر فرمایا: ’’وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ‘‘ یعنی وہ جوان مرد یا عورت جس کی جوانی اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھی ہو، اور اُس نے اللہ کو خوش کرنے میں اپنی پوری جوانی لگادی ہو۔ (فرائض وعبادات میں کوتاہی نہ کی ہو، اور معاصی ومنکرات سے اجتناب کیا ہو)

(۳) اور تیسرے نمبر پر فرمایا: ’’وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ‘‘ یعنی وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اَٹکا رہتا ہو۔

وہ نماز باجماعت کا پابند ہو، ایک نماز پڑھ کر مسجد سے جائے تو اگلی نماز کے لئے ابھی سے فکر رکھے، کہ کہیں مسجد کی جماعت نہ نکل جائے۔

(۴)اور چوتھے نمبر پر فرمایا: ”وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِيْ اللّٰهِ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ“ یعنی وہ دو آدمی جو اللہ واسطے آپس میں تعلق رکھتے ہیں، اِسی پر ملتے ہیں اور اِسی پر الگ ہوتے ہیں۔ یعنی ظاہری جدائی کے باوجود ان میں تا زندگی محبت قائم رہتی ہے۔(فتح الباری۲/۱۸۶حدیث:۶۶۰)

(۵)اور پانچویں نمبر پر فرمایا: ”وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ“ یعنی وہ آدمی جسے کوئی وجاہت والی خوبصورت عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ صاف کہہ دے کہ مجھے تو اللہ کے غضب سے ڈر لگتا ہے۔

یعنی باوجود گناہ کے اَسباب پائے جانے کے وہ صرف اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہ سے بچ جائے۔

(۶)اور چھٹے نمبر پر فرمایا: ”وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ إِخْفَاءً حَتّٰى لاَ تعلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ“، یعنی وہ آدمی جو اس طرح چھپ کر صدقہ دیتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(۷)اور ساتویں نمبر پر فرمایا: ”وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ“ یعنی وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے، اور اللہ کے ڈر اور اُس کی محبت کی وجہ سے اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جائے۔(صحیح البخاری، کتاب الاذان ۱/۹۱)

تو یہ سات قسم کے لوگ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہیں، جن پر اللہ کو بہت پیار آتا ہے۔

پس جو ان میں سے کسی قسم میں بھی شامل ہو جائے اُس سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر ظاہر ہے کہ اُس کے لئے محض تمنا کافی نہیں؛ بلکہ دنیا میں محنت کرنی ضروری ہے۔

اِمامِ عادل

اُن میں پہلے نمبر پر ”اِمامِ عادل“ ہے۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو حکومت یا بادشاہت عطا فرمائیں، تو وہ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لے۔

اور عدل کے معنی یہ ہیں کہ ”اِفراط وتفریط کے بغیر ہر معاملہ میں حکمِ شرعی کو ملحوظ رکھ کر کارروائی کی جائے“۔(فتح الباری۲/۱۸۴حدیث:۶۶۰)

اَب اِس حکومت کے مختلف درجات ہیں:

ایک تو پورے ملک کا حاکم اور بادشاہ ہے، وہ اس بشارت کا اولین مستحق ہے۔

لیکن دیگر نچلے درجہ کے حکام بھی درجہ بدرجہ اس کے ساتھ ملحق کئے جائیں گے، جیسے صوبہ، ضلع اور شہر کا حاکم۔

پھر اور نیچے آ جایئے، وہ فیکٹری کا مالک جو اپنے ملازموں پر حکومت کرتا ہے۔

اور وہ تنظیم کا ذمہ دار جس کو اپنے اَرکان پر حکومت حاصل ہوتی ہے، وہ بھی اس میں شامل ہوگا۔ (مستفاد: فتح الباری ۱۸۴/۲)

لہٰذا ہر سطح پر جس کو ماتحتوں سے سابقہ پڑتا ہے، اُسے ان کے ساتھ انصاف سے کام لینا چاہئے۔

یعنی اُن کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جائے۔

اور اُن کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کیا میں تمہیں اچھے اور برے حاکموں کے بارے میں نہ بتاؤں''؟

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خِيَارُهُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَتَدْعُوْنَ لَهُمْ وَيَدْعُوْنَ لَكُمْ''۔ یعنی اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہیں اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں، اور تم اُن کے لئے دعائے خیر کرتے ہو، اور وہ تمہارے لئے دعائے خیر کرتے ہیں''۔

اس کے بعد فرمایا کہ: ''وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ''۔ یعنی تم میں برے حاکم وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں ناپسند رکھتے ہیں، اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تمہیں کوستے ہیں۔ (ترمذی شریف، ابواب الفتن/عن عمر ابن الخطابؓ ۵۲/۲)

یاد رکھئے! آپ اپنے ماتحتوں کے ساتھ جیسا معاملہ کریں گے، ویسے ہی اُن کے دل میں آپ کے لئے جذبات پیدا ہوں گے۔

آپ اپنے ملازموں کے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے تو وہ آپ کے لئے دل وجان سے خدمت کے لئے تیار رہیں گے۔

اور اگر آپ اُن پر بے جا سختیاں کریں گے اور اُن کو ذلیل کریں گے اور حقیر جانیں گے، یا اُن کے ساتھ بے جا سختی کا برتاؤ کریں گے، تو ہوسکتا ہے کہ وہ بے چارے کمزور ہونے کی وجہ سے بظاہر آپ کو پلٹ کر جواب نہ دیں؛ لیکن دل دل میں ضرور گھٹتے رہیں گے۔

اور جب وہ اللہ کے سامنے ہاتھ اُٹھائیں گے تو آپ کے لئے بددعائیں کریں گے۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گذر رہے تھے، تو ایک صحابی حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر کسی وجہ سے ناراض تھے، اور اُس کی پٹائی کرنے کی تیاری کررہے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں زور سے پکارا: ''اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ''! (اے ابومسعود سنو!)

یہ اتنے غصہ میں تھے کہ انہیں ابتداءً احساس ہی نہیں ہوا کہ کون پکار رہا ہے؟

حتی کہ جب پیغمبر علیہ السلام قریب آئے تو اُنہیں احساس ہوا، اور بڑی ندامت بھی ہوئی۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ''۔ یعنی دیکھو! جتنا تم اِسے مارنے پر قادر ہو، اللہ تعالیٰ اُس سے زیادہ تمہیں سزا دینے پر قادر ہے۔

یعنی یہ بے چارے کمزور ہیں، تم اُس پر اتنی سختی کررہے ہو، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اِس سے زیادہ تمہارے مؤاخذہ پر قادر ہے۔

وہ صحابی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اِس لئے اُنہیں فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اُس غلام کو اُسی وقت اللہ واسطے آزاد کردیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ''۔ یعنی اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا دیتی۔ (مسلم شریف/ باب صحبة المماليك ۲/۵۱ یاسر ندیم کمپنی دیوبند)

اِس واقعہ سے یہ سبق ملا کہ ہمارا اپنے ماتحتوں کے ساتھ بے جا سختی کا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔

لہٰذا اِس بارے میں ہمیں بار بار جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم انصاف سے کام لیں گے، تو اِن شاء اللہ دنیا و آخرت کی رسوائی سے حفاظت رہے گی۔

جوانی کی عبادت

اِس حدیث میں دوسرے نمبر پراُس جوان کا تذکرہ ہے جواللہ کی عبادت میں پروان چڑھے۔

جوانی کی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

سیدنا حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشَّابَّ التَّائِبَ الَّذِيْ يَفْنِيْ شَبَابَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ''. (المقاصد الحسنة ١٤٨ دار الكتب العلمية بيروت) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے توبہ کرنے والے جوان کو پسند فرماتے ہیں جو اللہ کی اطاعت میں اپنی جوانی لگادے۔

کیوں کہ جوانی میں ہر طرح کی اُمنگیں ہوتی ہیں۔

طرح طرح کے منصوبے ہوتے ہیں۔

اور حوصلہ اور ہمت بھی خوب ہوتی ہے۔

اسی لئے جوانی کے زمانہ میں شیطان کے لئے بہکانے کا موقع بھی زیادہ ہوتا ہے۔

شیطان پوری محنت کرتا ہے کہ جوان ہماری مٹھی میں آجائے۔

شیطان جوانی کے جذبات کو غلط راستہ پر لگادیتا ہے، اور اُس کی صلاحیتوں سے ناجائز فائدہ اُٹھواتا ہے۔

لہٰذا جو نوجوان نافرمانی کے تمام اسباب پائے جانے کے باوجود اپنی جوانی کو اللہ کی رضا میں گزارے، اور شیطان کے اَثرات سے اپنے کو بچائے رکھے۔ یعنی عبادات کی پابندی کرے، اور حتی الامکان گناہوں سے بچے، اور توبہ واستغفار کا اہتمام رکھے، تو اللہ تعالیٰ کو ایسا جوان (مرد ہو یا عورت) بے انتہا پسند ہے۔

اللہ کی نظر میں یہ جوان اِس کا مستحق ہے کہ میدانِ حشر میں عرش کے سایہ میں جگہ پائے۔

لہٰذا اُمت کے نوجوانوں کے لئے دنیا کی زندگی میں یہ موقع میسر ہے کہ وہ اپنی جوانی عبادت واِطاعت میں لگا کر عرش کے سایہ میں اپنی جگہ مقرر کرا سکتے ہیں۔

مسجد سے تعلق

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسرے نمبر پر فرمایا کہ: جس شخص کا دل مسجد میں لگا

رہے، وہ بھی آخرت میں اللہ کے سایہ کا مستحق ہے۔

یاد رکھئے کہ ''مسجد'' مسلمانوں کو اِسلام پر باقی رکھنے کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے مچھلی کی زندگی کے لئے پانی ضروری ہے۔

اگر آپ زندہ مچھلی کو پانی سے نکال لیں تو وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ پائے گی؛ بلکہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔

اِسی طرح کسی مسلم آبادی میں اگر مسجد یا نماز کی جگہ نہ ہو، تو اُس آبادی کا زیادہ دنوں تک اِسلام پر باقی رہنا مشکل ہوگا۔

کیوں کہ اِسلام ایک اجتماعی مذہب ہے۔

اور یہ تجربہ ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر عبادت کے جذبہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

اِسی لئے اکیلے نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز ۲۷ر گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

مزید یہ کہ مسجد میں نماز کے لئے آتے وقت جو قدم اٹھائے جاتے ہیں، تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔

لہٰذا جتنی دور سے آئیں گے، اُتنے ہی نقوشِ قدم لکھے جائیں گے۔

تو پتہ چلا کہ مسجد سے جو آدمی اپنا رابطہ قائم اور مضبوط رکھے گا وہ دین پر ضرور قائم رہے گا۔

اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مسجد کے قیام کی فکر فرمائی۔

آپ نے اَولاً ''قباء'' میں ۱۴ر دن قیام فرمایا، وہاں پہلے مسجد بنوائی جو ''مسجد قباء'' کے نام سے مشہور ہے۔

پھر جب ''قباء'' سے ''مدینہ منورہ'' روانہ ہوئے تو راستہ میں قبیلہ بنوسالم میں جمعہ کی نماز پڑھی، جہاں آج ''مسجد جمعہ'' قائم ہے۔

اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ''مسجد نبوی'' کی تعمیر میں بنفس نفیس حصہ لیا۔

کیوں کہ مسجد کے بغیر اِجتماعی دینی زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اور پھر یہ دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا شاندار جملہ اِرشاد فرمایا کہ: ''وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ'' یعنی وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔

یہ عربی زبان کے اعتبار سے بہترین تعبیر ہے، گویا کہ وہ شخص اپنا دل نکال کر مسجد میں لٹکا آیا ہے، اور ہر وقت اُس کی توجہ اُسی کی طرف ہے کہ ابھی مسجد سے آیا پھر مسجد میں جانا ہے، ہر وقت اِسی طرف اُس کا دھیان لگا رہتا ہے۔

تو جو مسجد سے اِس قدر مربوط ہو جائے، وہ اللہ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے۔

اللہ واسطے تعلق

اور چوتھے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ایسے لوگ جو آپس میں صرف اللہ واسطے تعلق رکھیں، وہ بھی عرش کے سایہ کے مستحق ہوں گے۔

اُن میں نہ کوئی رشتہ داری ہے، نہ کاروباری تعلق ہے، اور نہ کوئی اور سلسلہ ہے؛ بلکہ صرف خدا واسطے کا تعلق ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کو یہ تعلق بہت پسند ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اِرشاد فرمایا: ''عِبَادٌ لِلّٰهِ تُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَيْسُوْا بِأَنْبِيَاءَ وَلاَ شُهَدَاءَ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ''. قَالُوْا: فَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: ''اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ''. (المعجم الكبير للطبراني ۲۹۰/۳ دار إحياء التراث العربي بيروت) یعنی قیامت کے دن میدانِ حشر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے۔

(ظاہر ہے کہ جب نور کے منبر پر ہوں گے تو وہ خود بھی چمک رہے ہوں گے، جیسا کہ لائٹ میں آدمی بیٹھ جائے تو ویسے ہی چمکنے لگتا ہے، تو لوگ اُنہیں دیکھ کر پہنچاننے کی کوشش کریں گے، اور یہ خیال کریں گے کہ یہ شاید انبیاء یا اَولیاء اللہ ہیں)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منبر پر بیٹھنے والے یہ لوگ نہ تو انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء ہوں گے؛ بلکہ اُنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بجائے خود رشک کریں گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: ’’پھر یہ کون لوگ ہوں گے؟‘‘

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ: ’’هم الْمُتَحَابُّون فِيْ اللّٰهِ‘‘. یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں صرف اللہ کے لئے محبت رکھتے تھے۔

اِسی پر خلوص محبت کی وجہ سے اُنہیں یہ بلند مرتبہ نصیب ہوا ہے۔

اور ایک حدیثِ قدسی میں یہ اَلفاظ بھی وارد ہیں: ’’الْمُتَزَاوِرُوْنَ فِيَّ‘‘ یعنی منبر پر بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ واسطے ایک دوسرے سے ملنے جاتے تھے۔(صحیح ابن حبان/ترتیب ابن بلبان رقم الحدیث:۵۷٦ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

گویا کہ وہ صرف مخلصانہ تعلق اور محبت کی بنیاد پر اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کی ملاقات کے واسطے سفر کر کے جاتے تھے۔

تو ایسے لوگ بھی میدانِ حشر میں اللہ کے سایہ میں جگہ پائیں گے۔

لہٰذا ہمیں بھی آپس میں مخلصانہ تعلقات کو فروغ دینا چاہیے؛ تاکہ آخرت میں سرخ روئی نصیب ہو۔

خوفِ خدا کی وجہ سے گناہ کی پیش کش رد کرنا

اور پانچویں نمبر پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی اہم بات اِرشاد فرمائی کہ ’’جس شخص کو کوئی عزت دار اور خوب صورت عورت گناہ کی دعوت دے، مگر وہ صاف کہہ دے کہ ’’مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے‘‘، تو ایسے شخص کو بھی عرش کا سایہ نصیب ہوگا‘‘۔

اور اِسی حکم میں یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی عورت کو باوقار خوب صورت مرد گناہ کی دعوت دے، اور وہ بھی اللہ سے ڈر کی بنا پر گناہ سے انکار کر دے، تو اُس کو بھی یہی اعزاز حاصل ہوگا۔(فتح الباری حدیث:٦٦٠)

یعنی باوجودیکہ گناہ کے تمام اَسباب موجود ہیں۔

وقار بھی ہے۔

خوب صورتی بھی ہے۔

جوانی اور قدرت بھی ہے۔

کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔

فریقین میں تنہائی ہے۔

بیچ میں بظاہر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اُن کی مراد پوری کرنے میں حائل ہو۔

اُس کے باوجود مرد یا عورت یہ کہے کہ: ''إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ'' (مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے) میں ایسا کام نہیں کروں گا جس سے اللہ ناراض ہو جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ کو یہ اَدا ایسی پسند ہے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورت، اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ قرآنِ کریم میں ایک سورت ہے، جس کا نام ''سورۂ یوسف'' ہے۔

اِس میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ مذکور ہے، جس کو خود قرآن کے الفاظ میں ''احسن القصص''، یعنی سب سے بہترین قصہ کہا گیا ہے۔

اور قرآنِ کریم کوئی قصے کہانی کی کتاب نہیں ہے۔

وہ تو نصیحت کی کتاب ہے۔

لیکن بعض قصوں کے اندر ایسی نصیحتیں ہوتی ہیں جو آدمی پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔

اس لئے بطور نصیحت پوری تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا۔

اور اس قصہ کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جب عزیز مصر کے گھر میں قیام تھا، تو اس کی بیوی (جس کا نام ''راعیل'' یا ''زلیخا'' تھا۔ تفسیر ابن کثیر ۲۲۴/۴) آپ پر فریفتہ ہوگئی۔

آپ خود بھی بے حد خوب صورت تھے، اور ظاہر ہے کہ وہ عورت بھی حسین ہی ہوگی۔

پھر ایک ایسا مرحلہ آیا کہ وہ عورت اپنی جوانی اور محبت کے جوش میں ایسی دیوانی ہوئی کہ اُس

نے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر ایک کمرے میں بند کرلیا۔

اَب ذرا سوچیئے! کہ عورت خود برائی پر آمادہ ہے، اور مرد بھی وہ ہے جو بے مثال حسن وجمال کا مالک ہے۔

جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ‘‘. (صحیح مسلم، کتاب الإیمان / باب الإسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم ۹۱/۱، مسند أحمد ۱۱۳۵/۱ رقم: ۱٤٠٥٠ بیت الأفکار الدولیة) (یعنی ساری دنیا کے حسن کا آدھا حصہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا کیا تھا)

اور دونوں طرف بھرپور جوانی ہے۔

کمرہ بھی بند ہے۔

اور گناہ کے سارے اَسباب بھی موجود ہیں۔

ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیسا نازک مقام ہے کہ بڑے بڑے تقویٰ کے دعویداروں کا تقویٰ رکھارہ جائے۔

لیکن معصوم پیغمبر سیدنا حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اس نازک موقع پر بےاختیار جو جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، جس کے بغیر کوئی برائی سے بچ نہیں سکتا۔

پھر آگے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [یوسف: ۲۳]

یہاں رب سے اگر اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ: ’’وہ میرا رب ہے جس نے مجھے بہترین ٹھکانہ دیا۔ (کہ اس نے کنویں سے نکال کر مجھے شاہی محل میں پہنچادیا، اب اگر اس رب کی معصیت کی جائے گی تو یہ سراسر ظلم ہوگا) اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے‘‘۔

اور اگر رب سے مراد عزیز مصر لیا جائے جس نے آپ کو خرید رکھا تھا، تب بھی معنی درست ہیں کہ: ’’میرے آقا نے میرے ساتھ یہ احسان کیا کہ اپنے گھر میں مجھے بہترین جگہ دی۔ (اب اگر

میں اُسی کی بیوی کے ساتھ برائی کروں گا تو یہ ظلم ہوگا) اور ظالم ہرگز فلاح نہیں پا سکتے''۔ (تفسیر بغوی ۴۸۳/۲ الشاملۃ)

بعض مفسرین نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس کمرہ میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس عورت نے بند کیا تھا، اُس کی طاق پر ایک بت رکھا تھا، جب وہ برائی کا ارادہ کر رہی تھی تو اُس نے بت کے اُوپر کپڑا ڈال دیا۔

تو یہ منظر دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''یہ تم نے کیا کیا؟''

تو وہ کہنے لگی کہ ''یہ ہمارا معبود ہے، اس حالت میں ہمیں دیکھے گا تو اُسے برا لگے گا، اِس لئے میں نے اِس پر کپڑا ڈال دیا''۔

تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ مجھے اپنے اس رب سے زیادہ شرمانا چاہئے (جس کے لئے کوئی پردہ پردہ نہیں ہے) (احکام القرآن للقرطبی ۱۶۹/۹ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اس کے لئے کوئی رکاوٹ رکاوٹ نہیں ہے۔

کوئی دیوار دیوار نہیں ہے۔

آدمی کہیں بھی چلا جائے۔

کتنا ہی دیواروں میں چھپ جائے۔

سب سے چھپ سکتا ہے؛ لیکن اپنے رب سے نہیں چھپ سکتا۔

اور یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل پڑے۔

تو اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور جیسے جیسے آگے بڑھتے رہے، دروازے کھلتے رہے؛ تا آں کہ باہر آ گئے۔

اور پھر اِس واقعہ میں مزید تفصیل ہے کہ وہ عورت پھر بھی باز نہیں آئی، اور اس نے آپ کو برائی پر آمادہ کرنے کی آخری کوشش کر ڈالی۔

اور یہ کہنے لگی کہ ''اگر اس نے میری بات نہیں مانی تو اسے جیل میں ڈلوا کر ذلیل کر دوں گی''۔

تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے کمالِ عفت مآبی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبِّ

السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ﴾ یعنی الٰہ العالمین! مجھے اس معصیت کے مقابلہ میں جس کی طرف مجھے بلایا جارہا ہے، جیل جانا منظور ہے۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے روشن کردار سے یہ واضح کردیا کہ کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منظور نہیں ہے، جیل میں جانا اور اپنے کو مشقت میں ڈالنا گوارا ہے؛ لیکن اپنے رب کی احسان فراموشی ہرگز منظور نہیں۔

بلاشبہ یہی جذبہ ہر مسلمان میں ہونا چاہئے۔

کوئی راضی ہو یا ناراض ہو، مگر ہمارا رب ہم سے ناراض نہیں ہونا چاہئے۔

لہٰذا وقتی جذبات وخواہشات کی وجہ سے اپنے رب کو ناراض کرکے آخرت کی زندگی کو خراب نہ کیا جائے۔

جو آدمی ایسا کرے گا یعنی دین پر استقامت رکھے گا اور خوف وخشیت والی زندگی گذارے گا، تو وہ ضرور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی اعزاز واکرام کا مستحق بنے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چھپا کر صدقہ وخیرات

اور چھٹے نمبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ آدمی آخرت میں عرش کے سایہ کا مستحق ہوگا جو اس طرح چھپا کر صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی یہ خبر نہ ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے؟''

یعنی صدقہ وخیرات میں ریاکاری اور دکھاوا نہ ہو۔

اِس لئے خرچ نہ کرے کہ لوگ سخی کہیں گے۔

اِس لئے خرچ نہ کرے کہ ساری دنیا میں اُس کا شہرہ ہو۔

بلکہ اس طرح مٹھی بند کرکے خرچ کرے کہ دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں کو بھی پتہ نہ چلے۔

یہ انتہائی خفیہ طور پر خرچ کرنے کی بہترین تعبیر ہے۔

اور خاص طور پر نفلی صدقات میں اِس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

البتہ جو فرض اور واجب صدقات ہیں، جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ، تو اُن کو برسر عام دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

تا کہ دوسروں کو ترغیب ہو، اور کسی کے دل میں یہ شبہ نہ ہو کہ یہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا ہے، اور کسی کو بدگمانی نہ ہو۔

لیکن اِس کے علاوہ جو عام صدقات کے مواقع ہیں، اُن میں خاموشی اور پوشیدہ انداز میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اور یہ عمل بھی آخرت میں عزت وتکریم کا بڑا سبب بنے گا۔

اللہ کی یاد میں رونا

اور ساتویں نمبر پر سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی پیاری بات اِرشاد فرمائی کہ: ''وہ شخص بھی عرش کے سایہ کا مستحق ہے جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے آنسو بہایا کرتا ہو''۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے بندے پر بڑا پیار آتا ہے، جو خلوت اور تنہائی میں اللہ سے مناجات کرتا ہو۔

اللہ کی نعمتوں اور احسانات کو یاد کرتا ہو۔

اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں پر شرمندہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کی آنکھیں نم ہو جاتی ہوں۔

اور بے اختیار آنسوؤں کی لڑی اس کے رخسار پر بہہ پڑتی ہو، تو ان گرم گرم آنسوؤں کی اللہ کے یہاں بڑی قدر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ: ...... قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (سنن الترمذی / ابواب فضائل الجهاد ۲۹٦/۱ حدیث: ۱٦٦۹)

یعنی ''اللہ کو دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں:

(۱) ایک وہ آنسو کا قطرہ جو اللہ کے ڈر سے آنکھوں سے نکلے۔

(۲) اور دوسرے وہ خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے بہے"۔

تو ایسے شخص کو رحمت خداوندی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

خلاصہ

تو میرے بھائیو! ہم سب مسلمان ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا کی زندگی مختصر اور فانی ہے۔

اور ہمیں آخرت میں بہر حال جانا ہے۔

لہٰذا اُس کے لئے یہیں سے تیاری کر کے لے جانی پڑے گی، وہاں بروقت تیاری کا موقع نہ ہوگا۔

اس لئے جیسے آدمی اپنی دنیا بنانے کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے، اس سے زیادہ منصوبہ بندی اپنی آخرت بنانے کے لئے کرنی چاہئے۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں بطور بشارت اعلان فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ [النور: ۵۲]

یعنی جو آدمی اللہ کی اِطاعت کرے، رسول اللہ کے طریقے پر چلے، اللہ کی خشیت کے ساتھ زندگی گذارے اور تقویٰ کا اہتمام رکھے۔

تو ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے کہ یہی لوگ کامیاب ہیں، اور اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

یہ آیت؛ قرآنِ کریم کی جامع ترین آیات میں سے ہے، جس کو ہر وقت پیش نظر رکھ کر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے اِنہیں لوگوں میں شامل فرمائیں، ہماری کوتاہیوں کو درگذر فرمائیں، عیوب کی ستر پوشی فرمائیں، اور اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۷)

اَمانت کی اَدائیگی

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری
مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○ موضوعِ خطاب : اَمانت کی اَدائیگی

○ خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ مقام : نائیوں والی مسجد اَصالت پورہ مرادآباد (خطباتِ سیرت پروگرام)

○ تاریخ : ۲۹؍ربیع الثانی؍۱۴۳۹ھ مطابق ۱۶؍جنوری؍۲۰۱۸ء بروز منگل

○ دورانیہ : ۵۲؍منٹ

○ جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

○

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ [النساء، جزء آیت: ۵۸] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

محترم بھائیو بزرگواور نوجوان ساتھیو! اور جہاں تک آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں!

آج کے اِس پروگرام کا موضوع ''اِسلام میں اَمانت کی اَہمیت اور خیانت کی مذمت'' ہے۔

یہاں ''خطباتِ سیرت پروگرام'' کے تحت ماشاء اللہ ہر دن الگ الگ موضوع پر گفتگو کی جارہی ہے؛ تاکہ ہر عنوان کے بارے میں ہم غور وفکر کریں اور اپنا محاسبہ کرتے رہیں، اور جو بھی کمی کوتاہی ہو تو اُس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں۔

الگ الگ عنوانات پر بیان کرنے کا یہی اصل مقصد ہے، اِس لئے آج کے موضوع کو

سامنے رکھتے ہوئے ہم سب کو چاہئے کہ اَمانت کے مفہوم کو سمجھ کر اُس کی اَدائیگی کا پورا اہتمام کریں۔اوراگرکوئی خیانت ہوگئی ہوتو اُس کی تلافی کی ہرممکن کوشش کریں۔

اگرہم یہ عزم کریں گےاوراُس پرعمل بھی بجالائیں گےتو یہ سننا سنانا اِن شاءاللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

ابھی جو آیت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو (ہرطرح کی) اَمانتیں اُن کے مالکوں کواَدا کرنے کاحکم دیا ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں اِس آیت کےشانِ نزول میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظّمہ فتح ہوا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانۂ کعبہ کےمتولی ''عثمان ابن طلحہ رضی اللہ عنہ'' کو بلا کراُن سے چابی طلب فرمائی، وہ چابی اُن کی والدہ کے پاس تھی، چناں چہ وہ والدہ کے پاس گئے اوراُن سے چابی مانگی، اُنہوں نے دینے سے اَولاً انکار کیا،تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! یا تو آپ چابی دے دیجئے، ورنہ تو یہ تلوار میری پیٹھ سے آر پار ہوجائے گی''۔یعنی اگر میں نے چابی نہ دی تو میری خیر نہیں؛ کیوں کہ مکہ فتح ہو چکا ہے۔

یہ سن کر والدہ نے چابی دے دی، اورعثمان ابن طلحہ نے وہ چابی لاکر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردی،اورآپ بیت اللہ شریف کے اندرتشریف لے گئے۔(مسلم شریف،کتاب الحج/ باب استحباب دخول الکعبۃ الخ ۱/۴۲۸)

تواس موقع پر یہ آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ﴾ الخ نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اَمانتوں کو اُن کے مستحقین کی طرف لوٹانے کاحکم دیتا ہے۔

اِس میں اِشارہ تھا کہ بیت اللہ شریف کی چابی اُسی شیبی خاندان کولوٹادی جائے،جس کے ذمے عرصہ سے چابی برداری کی خدمت چلی آرہی ہے۔(تلخیص:تفسیرابن کثیرمکمل ص:۳۳۶ دارالسلام ریاض)

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے عثمان ابن طلحہ کو چابی واپس فرمادی،اورساتھ میں یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ: ''اَب یہ چابی تاقیامت تمہارے ہی خاندان میں رہے گی،اورکسی اورکواُس سے لینے کا حق نہ ہوگا''۔(مستفاد:الرحیق المختوم ۶۳۴)

اِسی لئے آج تک وہ چابی اُنہیں کے خاندان میں چلی آ رہی ہے، حکومت چاہے کسی کی بھی ہو، چابی اُسی خاندان کے پاس رہتی ہے۔

بہر حال آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر مسلمان کو اَمانتوں کی ادائیگی کا بھرپور اہتمام کرنا چاہیئے۔

اَمانت کا مفہوم کیا ہے؟

اَمانت کے معنی اُردو میں ''ذمہ داری'' کے آتے ہیں۔ اور عموماً اُس کا اطلاق اس صورت پر ہوتا ہے کہ مثلاً کسی شخص نے ہمارے پاس اپنی کوئی چیز بغرض حفاظت رکھوائی، تو جو چیز اُس نے لا کر رکھی ہے وہ ''اَمانت'' کہلائے گی، اور اُس کی حفاظت کی ''ذمہ داری'' ہم پر آئے گی، اور ہم ''امین'' کہلائیں گے۔

(۱) لہٰذا اگر کوئی شخص ہمارے پاس کوئی سامان یا روپیہ پیسہ وغیرہ لا کر رکھے، تو اُس کی حفاظت کی پوری ذمہ داری ہمارے اُوپر ہوگی۔

اَب ہم پر لازم ہے کہ ہم اُسے محفوظ جگہ رکھیں، اور ایسی جگہ نہ چھوڑیں کہ وہ امانت ضائع ہو جائے، یا چور چرا کر لے جائے۔

(۲) اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اُس اَمانت میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اَمانت کے مال میں تصرف جائز نہیں۔

مثلاً کسی شخص نے اپنا کپڑا بطور حفاظت لا کر رکھوایا۔

اور ہم نے یہ سوچا کہ یہ ابھی کہاں واپس لینے آ رہا ہے؟

چلو اتنے دن ہم ہی پہن لیں، جب آئے گا تو دھلوا کر دے دیں گے۔

تو اَمانت میں اِس طرح کا تصرف جائز نہیں۔

(۳) اور تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ''اَمانت'' میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ کریں۔

مثلاً ہزار روپئے رکھوائے تھے، اور واپس کیئے 900 روپئے، اور کہہ دیا کہ ہم نہیں جانتے، یہ تو اتنے ہی روپئے تھے۔

تو اِس طرح کرنا اَمانت میں خیانت کہلائے گا۔

(۴) اور چوتھی ذمہ داری یہ ہے کہ جب مالک مانگنے کے لئے آئے، تو اَدا کرنے میں ٹال مٹول نہ کریں؛ بلکہ جیسے ہی وہ مطالبہ کرے، فوراً بلا تاخیر اُس کی اَمانت اُس کے حوالے کردیں، بلاوجہ تاخیر کرنا بھی ایک طرح کی خیانت ہے۔

تو یہ چار ذمہ داریاں ہیں، جس شخص کے پاس بھی اَمانت رکھی جائے وہ اِن چار باتوں کا لازماً اہتمام رکھے۔

اور اگر اِن چار باتوں میں سے کسی بھی بات میں کوتاہی کردی۔ مثلاً:

اچھی طرح حفاظت نہیں کی۔

یا اُس میں تصرف کرلیا۔

یا اُس میں کمی کردی۔

یا دینے میں ٹال مٹول کی،

تو کہا جائے گا کہ یہ آدمی اَمانت دار نہیں؛ بلکہ خیانت کرنے والا ہے۔

تو ہم سب کو اِس کا اہتمام رکھنا ہے کہ ہمارے پاس کسی کی کوئی چیز اَمانت ہو، تو ہم یہ چاروں ذمہ داریاں بجالائیں اِن میں کوتاہی نہ کریں۔

عاریت بھی اَمانت ہے

اِسی کے ضمن میں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ ایک تو اَمانت وہ ہوتی ہے جسے باقاعدہ اَمانت کہہ کہ رکھوایا جاتا ہے، اور کچھ اَمانتیں ایسی ہوتی ہیں جو خود بخود اَمانت ہیں، یعنی کہنے کی ضرورت نہیں، وہ بہرحال اَمانت ہیں۔

مثلاً: آپ کسی کے گھر سے سیڑھی لے کر آئیں کہ ہمارے یہاں ضرورت ہے۔

(عام طور پر ہر گھر میں سیڑھی نہیں ہوتی، محلّہ میں ایک دو گھروں میں ہوتی ہے، جہاں ضرورت ہوتی ہے لوگ اُسے لے آتے ہیں)

تو یہ عاریت کی چیز بھی اَمانت ہے، جب کام پورا ہوجائے تو اُسے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ''. (سنن أبي داؤد،

كتاب الإجارة / باب في تضمين العارية ٢/٢ ٥٠ رقم: ٣٥٦٥) یعنی عاریت کی چیز مالک کو واپس کرنی ضروری ہے، اِس میں بھی اَمانت والی شرطیں ملحوظ رکھی جائیں گی۔ مثلاً:

اس کو ضائع نہ ہونے دیں، یہ نہیں کہ اپنا کام کرنے کے بعد ویسے ہی ڈال دیں کہ کوئی بھی اُٹھا کر لے جائے۔

اُس میں ایسا تصرف نہ کریں جس سے اُس کو نقصان ہو جائے۔

اور جب مالک مانگنے کے لئے آئے تو فوراً اَدا کر دیں، مثلاً: سیڑھی عاریت پر لی تھی، تو مطالبہ پر فوراً واپس کر دیں؛ بلکہ کام پورا ہونے پر خود مالک کے گھر شکریہ کے ساتھ پہنچا دیں۔

کاروبار میں اَمانت داری

اِسی طرح اَمانت میں یہ بھی داخل ہے کہ کاروباری لوگ ناپ تول کے اندر عدل واِنصاف سے کام لیں۔

ترازو کا کانٹا اور تولنے کی مشین صحیح رکھیں۔

کیوں کہ ناپ تول میں کمی کرنے والا بد دیانت اور خائن ہے۔

قرآنِ کریم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ [المطففين: ١] یعنی ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت اور پھٹکار ہے۔ جو اپنا حق تو دوسروں سے پورا وصول کرتے ہیں؛ لیکن جب دینے کا نمبر آتا ہے تو ناپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں۔

اِسی طرح دھوکہ، فریب اور جھوٹ کی آمیزش سے کاروبار کو بچائیں۔

یاد رکھئے! بد دیانتی اور دھوکہ کے ساتھ کوئی کاروبار ترقی نہیں کرسکتا۔

دنیاوی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے اَمانت داری ہی میں ترقی رکھی ہے۔

آپ خود تجربہ کرسکتے ہیں، اگر کوئی دوکان دار سچائی اختیار کرے، اور ناپ تول درست رکھے، تو چاہے اُس کے مال کی قیمت کچھ زیادہ ہو، پھر بھی لوگ اُس کی دوکان سے خریدنا پسند کرتے ہیں، اور اُس کی بکری زیادہ ہوتی ہے۔

اور اِس کے برخلاف جو دوکان دار دھاندلی کرے، اور جس کا ناپ تول صحیح نہ ہو، چاہے

اُس کے مال کی قیمت کم محسوس ہوتی ہو؛ مگر ایک بار تلخ تجربہ کے بعد لوگ اُس کی دوکان کی طرف رخ کرنا بھی پسند نہیں کرتے، اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اور بسا اَوقات وہ دن بھر گاہکوں کے انتظار ہی میں گذار دیتا ہے۔

اِس لئے تاجروں کو اَمانت ودیانت کے ساتھ ہی تجارت کرنی چاہئے۔

آج جو انگریز اور دیگر قومیں بڑی ترقی کر رہی ہیں، تو اُن کے یہاں عام طور پر یہ دونوں صفتیں کافی حد تک پائی جارہی ہیں، اِسی لئے اُن کی تجارت فروغ پارہی ہے۔

لیکن اَفسوس ہے کہ ہم اگرچہ اُس عظیم پیغمبر (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی غلامی کا دم بھرنے والے ہیں، جن کو لوگ اَدب کی وجہ سے نام کے بجائے ''الامین'' اور ''الصادق'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے؛ مگر آج ہم بہت سی جگہ سچائی اور امانت داری کے بارے میں بدنام ہوکر رہ گئے ہیں، حتی کہ ہمارے بارے میں کہیں کہیں یہ سننا پڑتا ہے کہ ''ان سے معاملہ مت کرنا، ان کا کچھ بھروسہ نہیں''۔ پورے پورے علاقے، شہر اور قصبات بدمعاملگی میں مشہور ہوگئے ہیں کہ اگر فلاں قصبے کا آدمی ہے تو اُس سے معاملہ مت کرو کہ وہاں کا آدمی تمہیں ایسا دھوکہ دے گا کہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔

تو یہ ہمارے لئے کتنی بڑی شرم کی بات ہے۔ ہمیں تو دوسروں سے زیادہ اِس معاملہ میں اُونچے معیار پر ہونا چاہئے تھا؛ لیکن معاملہ اِس کے برخلاف ہو رہا ہے۔

عبرت ناک واقعہ

علامہ سیوطیؒ کی مشہور کتاب ''شرح الصدور'' میں لکھا ہے کہ حاجیوں کا ایک قافلہ جارہا تھا، جب وہ کوفہ کے قریب سے گذرا، تو اُن میں سے ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، لوگوں نے اُس کی قبر کھودی، تو دیکھا کہ اُس میں ایک بڑا اَژدہا موجود ہے، تو اُسے بند کردیا۔

دل میں خیال آیا کہ شاید غلط جگہ قبر کھودی گئی، یہ تو سانپ کا بل ہے؛ لہٰذا اُس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی، تو دیکھا وہی سانپ وہاں بھی موجود ہے، اِس لئے اُس کو بھی یہ سوچ کر بند کردیا کہ اُسی سانپ کا بل یہاں تک آرہا ہوگا۔

پھر تیسری قبر کھودی، تو دیکھا کہ وہی سانپ یہاں بھی موجود ہے۔

تو اَب کان ٹھٹکے کہ یہ تو کچھ اور بات معلوم ہوتی ہے۔

چناں چہ میت کو وہیں رکھ کر وہ لوگ کوفہ شہر میں آئے۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہاں تشریف فرما تھے، اُن کے سامنے لوگوں نے جا کر واقعہ بیان کیا اور مسئلہ پوچھا کہ کیا کریں؟

تو آپ نے فرمایا کہ ’’یہ سانپ نہیں ہے؛ بلکہ یہ اُس کا کوئی برا عمل ہے، اور اگر تم پوری زمین بھی کھود ڈالو گے تو ہر جگہ یہی سانپ ملے گا، اَب تو تمہیں اُسی کے ساتھ اُس کو دفن کرنا پڑے گا‘‘۔

یہ سن کر لوگوں کے اندر بڑی دہشت پیدا ہوگئی، مگر مجبوراً قبر کھود کر کسی طرح اُسی سانپ کے ساتھ میت کو دفن کر دیا۔

جب یہ قافلہ حج کر کے اپنے وطن واپس آیا تو لوگ اُس میت کے گھر گئے، اور گھر والوں سے پوچھا کہ ’’بتاؤ یہ کیا کام کرتا تھا؟ اور کیسا آدمی تھا؟‘‘

کسی نے کچھ نہیں بتایا۔

آخرکار اُس کی بیوی نے بتلایا کہ یہ غلہ کا کاروبار کرتا تھا، اور اُس کا عمل یہ تھا کہ اپنے گھر کی ضرورت کے لئے جَو یا گیہوں کی مکمل بوری میں سے مثلاً دو کلو غلہ نکال لیتا، اور اُس کی جگہ دو کلو وزن کا بھس بھر دیتا تھا، اور پھر پوری بوری کو غلہ کی قیمت پر فروخت کر دیتا تھا۔ اِس طرح وہ خریداروں کو دھوکہ دیتا تھا۔ (شرح الصدور للسیوطی/ باب عذاب القبر ۲۳۹ دار ابن کثیر بیروت)

تو یہ خیانت اور بددیانتی ہے، جس کا اثر اللہ نے دنیا میں سانپ کی شکل میں بطور عبرت دکھادیا۔

تو میرے بھائیو! بہت سے لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہوشیاری یہ ہے کہ بس کسی طرح بھی گراہک کو چوس لو، اور اُسے لوٹ لو، حالاں کہ یہ ہوشیاری نہیں؛ بلکہ بڑی بددیانتی اور بداخلاقی کی بات ہے، ہم سب کو ایسی باتوں سے بچنا لازم ہے، جبھی ہم اَمانت دار کہلائیں گے۔

مشترک کاروبار میں ہر شریک امین ہے

اِسی طریقہ پر اگر کسی کاروبار میں کئی لوگ شریک ہوں، تو ہر شریک دوسرے شریک کے لئے اَمین ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ شرکت کے کاروبار میں ہر حصے دار اَمین ہوتا ہے۔ (مبسوط سرخسی، کتاب الشرکۃ/ باب شرکۃ المفاوضۃ ۱۱/ ۱۷۷)

اَب اگر ایک شریک دوسرے کو بتائے بغیر آمدنی اپنے ذاتی کام میں استعمال کرلے، تو یہ آدمی خائن کہلائے گا۔

ہوسکتا ہے کہ وہ کاپیوں اور رجسٹروں میں حساب وکتاب برابر کردے، اور دوسرے شریک کو پتہ بھی نہ چلے؛ لیکن قیامت میں جب فائل کھلے گی تو ساری بددیانتی ظاہر ہوجائے گی، اور سخت شرمندگی کا سامنا ہوگا۔

اور دنیاوی اعتبار سے بھی یہ بار بار کا تجربہ ہے کہ اگر کاروبار کے شریکوں کے دلوں میں بددیانتی آجائے تو جلدی ہی وہ کاروبار تباہ جاتا ہے۔

اور جب تک شریک ایک دوسرے کے لئے اَمین بن کر کام کرتے ہیں، اور پائی پائی کا حساب رکھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اُس کاروبار میں بے حد ترقیات عطا فرماتے ہیں، یہ دنیا کا تجربہ ہے۔

تو شرکت کے کاروبار کو اَمانت سے باہر نہ سمجھیں۔

اَب یا تو آپ شرکت کا کام ہی نہ کریں، جو کچھ کرنا ہے اکیلے کرلیں، اِس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن جب آپ شرکت کا کام کریں گے تو اَمانت داری کو ضرور ملحوظ رکھنا پڑے گا، اور کوئی ہوشیاری اور جعل سازی نہیں چلے گی۔

قومی مال میں بلا استحقاق تصرف

اِسلام کا یہ اُصول ہے کہ دشمنوں سے جنگ میں جو مال ملتا ہے، وہ جنگ کے سارے سپاہیوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ مال مشترک ہوتا ہے، تقسیم سے قبل کسی کے لئے اُس میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص اس مال میں سے استحقاق کے بغیر کوئی چیز لے کر اپنے ذاتی استعمال میں لے آئے، تو اُس کو قرآنِ کریم کی اِصطلاح میں ''غلول'' یعنی مالِ غنیمت میں خیانت کہا جاتا ہے۔

چناں چہ صحیح حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خادم جس کا نام ''مِدعَم'' تھا، اور وہ خیبر کے سفر میں آپ کے ساتھ تھا، اور اُونٹ کا کجاوہ کس رہا تھا کہ اَچانک کہیں سے تیر آکر اس طرح لگا کہ وہ جانبر نہ ہوسکا، اور وہیں اُس کا انتقال ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا: ''اس کو شہادت کی موت مبارک ہو''۔

تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کی بات سن کر اِرشاد فرمایا کہ: ''اُس ذات کی قسم جس

کے قبضہ میں میری جان ہے، اس نے خیبر کی جنگ میں تقسیم سے قبل مالِ غنیمت میں سے ایک چھوٹی سی چادر بغیر بتائے اپنے استعمال میں لے لی تھی، وہ اُس پر آگ بن کر دہک رہی ہے‘‘۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اِرشاد جب صحابہ نے سنا تو اُن کے دل کانپ گئے اور کسی نے اگر جوتے کے ایک دو تسمے بھی لے رکھے تھے تو وہ بھی لا کر واپس کر دئے۔ (بخاری شریف ۲/۶۰۸ حدیث: ۴۲۳۴)

لہٰذا ایسا مال یقیناً قابل لعنت ہے، جو عذاب کا سبب بن جائے۔

اور جو حکم مالِ غنیمت کا ہے وہی حکم ایسے اَموال کا ہے جس میں سب مسلمانوں کا حق شامل ہوتا ہے، مثلاً مسجد یا مدرسہ یا کسی ملی تنظیم کا مال کہ اُس میں بھی استحقاق کے بغیر کسی کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

مالِ وراثت میں بددیانتی

اسی طرح وراثت کے مشترکہ مال میں اگر دیگر رشتہ داروں کی اِجازت کے بغیر ہم تصرف کریں گے تو ہم خائن سمجھے جائیں گے۔

مثلاً اگر والد کا انتقال ہوگیا اور اُنہوں نے چلتا ہوا کاروبار چھوڑا۔

اور اُن کی اَولاد میں لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی ہیں۔

تو ہونا یہ چاہئے کہ جیسے ہی آنکھ بند ہو، جلد اَز جلد یہ مال ودولت اور جائیداد تمام حصہ دار وارثوں میں تقسیم کردی جائے، اور ہر لڑکے اور لڑکی وغیرہ کا حصہ الگ الگ متعین ہوجائے۔

اِس تقسیم میں تاخیر مناسب نہیں؛ کیوں کہ جب اُس میں دیر ہوتی ہے اور ایک عرصہ گذر جاتا ہے، تو پھر جھگڑے بڑھ جاتے ہیں، اور نمٹنے میں نہیں آتے۔

لہٰذا پہلی فرصت میں سب حق داروں کو حق پہنچانا چاہئے، اور اِس میں کوئی تکلف نہیں کرنا چاہئے؛ تاکہ ہر حصہ دار کا حصہ متعین ہوجائے۔

اور اگر مشترک کاروبار چل رہا ہے، تو سبھی حصہ داروں کی اِجازت سے اُسے چلایا جائے، اور اُس کاروبار سے جتنی بھی آمدنی ہو، وہ اَمانت ودیانت کے ساتھ تمام حصے داروں میں تقسیم کی جائے۔

اگر عدل واِنصاف کے ساتھ تقسیم نہیں کی جائے گی اور کسی بھائی یا بہن کا حق چھوڑ دیا جائے گا، یا اور کسی وارث کے حق کی ادائیگی میں کمی کی جائے گی، تو یہ اَمانت میں خیانت کہلائے گی۔

کسی بھائی کو ہرگز یہ گوارا نہیں ہونا چاہئے کہ والد کی ملکیت میں میرا کوئی بھائی یا بہن محروم رہ جائے۔

یہ جذبہ اَمانت ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہئے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا إِیْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ''.

(المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۲/۲۰ رقم: ۱۲۵۶۷ مكة المكرمة) (یعنی جس شخص کے اندر اَمانت داری نہ پائی جائے سمجھو کہ وہ ایمان (کامل) ہی سے محروم ہے)

کیوں کہ سچا مؤمن کبھی بھی بددیانتی اور ناانصافی کو برداشت نہیں کرسکتا۔

لہٰذا اَمانت داری کا تقاضا یہ ہے بھائی بہنوں کا حق اَدا کریں، اِس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپس میں محبتیں پروان چڑھیں گی۔

ایک واقعہ

ہم ایک واقعہ سناتے ہیں کہ دہلی کے ایک صاحب ہمارے ساتھ حج میں تھے، وہ چار بھائی اور چار بہنیں ہیں۔

اُنہوں نے ایک سفر میں کہا کہ: ''مفتی صاحب! ہمارے والد کا انتقال ہوگیا، اور ہم سب بھائیوں نے اُن کی ساری جائیداد آپس میں بانٹ لیں، بہنوں کو کچھ نہیں دیا''۔

ہم نے کہا کہ: ''بہنوں کو بھی دینا پڑے گا، یہ آپ پر حق ہے''۔

کہنے لگے کہ: ''بالکل میرا بھی یہی جی چاہتا ہے، اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہاں سے واپس جاکر بھائیوں سے بات کروں گا، اگر بھائی تیار ہوگئے تو بہت اچھا، اور اگر تیار نہیں ہوئے تو میرے حصے میں جو حق بہنوں کا بنتا ہے وہ میں ضرور اَدا کروں گا''۔

ہم نے کہا: ''بہت اچھی بات ہے، ہر مسلمان کا یہی جذبہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اُوپر کسی کا حق نہ رہے۔ ہمارا حق دوسرے کے اُوپر چلا جائے تو کوئی بات نہیں، مگر دوسرے کا بوجھ ہمارے سر پر نہیں ہونا چاہئے، یہی عقل مندی کی بات ہے''۔

اتفاق سے اگلے سال اُن حاجی صاحب سے ہماری پھر ملاقات ہوئی۔

وہ بڑے تپاک سے ملے، اور کہنے لگے کہ: ''مفتی صاحب! مبارک ہو''۔

ہمیں یاد بھی نہیں تھا کہ اُن کا کیا مسئلہ ہے؟

ہم نے کہا: ''حاجی صاحب! کیسی مبارک بادی؟''

کہنے لگے کہ: ''جب ہم پچھلے سال حج سے واپس گئے اور ہم نے اپنے بھائیوں کو بٹھایا، اور کہا کہ بہنوں کا جو شرعی حق ہے، وہ ہمیں اُن کو ضرور دینا چاہیۓ، تو سب بھائی اِس پر بخوشی تیار ہوگئے، اور جب حساب لگایا گیا تو ہر ہر بہن کے حصے میں تقریباً ایک ایک کروڑ روپیہ آرہا تھا۔ تو ہم نے ہر ہر بہن کے لئے ایک ایک کروڑ کی جائیداد کا انتظام کر کے اُن کے نام رجسٹری کردی۔

وہ بہنیں حیران رہ گئیں، اُنہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ہمارا اتنا حق بنتا ہے''۔

اور پھر اُن حاجی صاحب نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا کہ: ''مفتی صاحب! میں بتا نہیں سکتا کہ اِس عمل کے بعد ہم بھائی بہنوں کے درمیان کس قدر محبت پیدا ہوگئی ہے، جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے تھے''۔

لہٰذا جب حق اَدا کریں گے تو محبتیں وجود میں آئیں گی۔ ہمدردیاں پیدا ہوں گی۔ دنیا میں بھی عافیت کا نمونہ نظر آئے گا، اور مرنے کے بعد بھی ہمارے اُوپر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔

جب کہ جن گھرانوں میں لڑکیوں، بہنوں اور چھوٹے بھائیوں کے حقوق تلف کئے جاتے ہیں، وہاں عداوتیں جنم لیتی ہیں۔

دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

گھروں کے درمیان دیواریں کھنچ جاتی ہیں۔

بھائی بہن ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔

تو معلوم ہوا کہ حقوق کی اَدائیگی میں اللہ تعالیٰ نے اَمن وسکون مضمر رکھا ہے۔

جب کہ حق کو اَدا نہ کرنے سے دنیا میں فتنہ وفساد رونما ہوتا ہے۔

اَفسوس ہے کہ آج ایسا ماحول بنادیا گیا کہ بے چاری بہنیں زبان کھولتے ہوئے بھی ڈرتی ہیں۔

اگر اُنہوں نے ذرا سا کہہ دیا کہ ''بھائی ہمارا بھی حق ہے''، تو بھائیوں کا مزاج ہی بگڑ جاتا ہے۔

آنا جانا بند ہو جاتا ہے، اور بہنیں بھائیوں کی ناراضگی کے ڈر سے کچھ کہہ نہیں پاتیں، اور گھٹ گھٹ کر زندگی گذار دیتی ہیں۔

تو یاد رکھئے ! اگر اُن بہنوں نے دل سے معاف نہیں کیا تو اللہ احکم الحاکمین کے یہاں سب پکڑے جائیں گے۔

اِس لئے فوری طور پر علماء اور مفتیانِ کرام سے مسئلہ پوچھ کر نقشہ بنا کر جس کا جو حق ہے اُس کو وہ اَدا کرنا چاہیئے ، جبھی ہم اَمانت کو اَدا کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

اگر تھوڑے سے مال اور جائیداد کی خاطر آدمی اپنی دنیا اور آخرت کو خراب کرلے، تو اِس سے بڑی حماقت اور بے وقوفی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

حقوق اللہ بھی اَمانت ہیں

علماء نے لکھا ہے کہ اپنی وسعت کے اعتبار سے اَمانت کا مفہوم صرف مالی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ تمام ہی عبادات اور اَوامر و نواہی کی پابندی بھی اَمانت کے مفہوم میں داخل ہے۔

لہٰذا جو شخص نمازوں کی پابندی کرے، وہ اَمانت دار ہے، اور جو نمازوں میں کوتاہی کرے، وہ خیانت کا مرتکب ہے۔

جو شخص روزہ رکھے وہ اَمین ہے، اور جو روزہ خور ہو وہ خائن ہے۔

جو شخص زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود زکوٰۃ اَدا نہ کرے وہ بھی اللہ کی نظر میں خائن ہے۔

اور وسعت وقدرت کے باوجود حج کا فریضہ اَدا نہ کرنے والا بھی عنداللہ خیانت کا مرتکب ہے، وغیرہ۔

اِسی طرح جو شخص بھی کسی گناہ کا اِرتکاب کرتا ہے، وہ بھی اللہ کے حق میں خیانت کرنے والا قرار پاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۶۳۴ دارالسلام ریاض)

اَعضاءِ اِنسانی بھی اَمانت ہیں

نیز یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔

اُس نے دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں۔

سننے کے لئے کان دیئے۔

بولنے کے لئے زبان دی۔

پکڑنے کے لئے ہاتھ دئے۔

چلنے کے لئے پیر عطا کئے۔

اور سمجھنے کے لئے دل و دماغ دئے، وغیرہ۔

الغرض ہمارا پورا وجود ہی اللہ کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔

یہ نعمتیں نہ تو ہم نے خود بنائی ہیں اور نہ ہم کہیں سے خرید کر لائے ہیں۔

اِن سب نعمتوں کے اصل مالک ہم نہیں؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں۔

اِسی وجہ سے اِسلام میں خودکشی حرام ہے۔

اگر ہم اِس بدن اور جان کے مالک ہوتے تو خودکشی حرام نہ ہوتی۔

خودکشی اِسی لئے حرام ہے کہ جان کا مالک اللہ ہے؛ لہٰذا ہمیں خود اپنے کو مارنے کا حق نہیں۔

اور اِسی وجہ سے ہم اپنا عضو کسی کو نہیں دے سکتے؛ کیوں کہ جب ہم خود مالک نہیں ہیں، تو دوسروں کو کیسے دے سکتے ہیں؟

تو پتہ چلا کہ اِن سب اَعضاء کا مالک صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، جس نے ہمیں یہ سب نعمتیں دنیا کی زندگی میں عارضی طور پر برتنے اور استعمال کے لئے عطا فرمائی ہیں۔

لہٰذا جب اللہ ہی مالک ہے، تو وہ اِن اعضاء کو جہاں استعمال کرنے کو کہے گا، وہیں اُنہیں صرف کیا جائے گا۔

اِس لئے یقین کریں کہ ہم آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے اور زبان سے بولنے وغیرہ میں آزاد نہیں ہیں؛ بلکہ شریعت جہاں اِجازت دے گی اُسی کو دیکھا سنا اور بولا جائے گا۔

اور جو شریعت کی رعایت رکھ کر اَعضاء کا استعمال کرے گا، وہی اَمانت دار کہلائے گا۔

اور اگر ہم آنکھوں سے ناجائز مناظر دیکھیں، کانوں سے گانے اور ناجائز باتیں سنیں، اور زبان سے اُلٹی سیدھی باتیں نکالیں، تو بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں خائن کہلائیں گے؛ کیوں کہ ہم نے اللہ کی دی ہوئی اَمانتوں کے استعمال میں کوتاہی کی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اَمانت میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم اپنے تمام اَعضاء کو ہر طرح کے گناہ سے بچانے کا اہتمام رکھیں۔

اَولاد بھی اللہ کی اَمانت ہے

اِسی طرح غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اَولاد عطا فرمائی ہے، وہ بھی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

اَولاد صرف اللہ کی عطا ہے، اور بڑی عظیم نعمت ہے۔

اِس کی قدر اُن سے پوچھو جو اِس دولت سے محروم ہیں۔

اَولاد کے بغیر زندگی اَدھوری معلوم ہوتی ہے۔

لہٰذا اِس عظیم نعمت کی قدر دانی اور اُس کے حق کی اَدائیگی ہماری ذمہ داری ہے۔

اور اِس اَمانت کا حق اُسی وقت ادا ہوگا جب ہم اَولاد کو اچھی تربیت دیں گے۔

اچھے اخلاق سکھلائیں گے۔

اچھی تعلیم کا انتظام کریں گے۔

تب سمجھا جائے گا کہ ہم نے اِس اَمانت کا حق اَدا کر دیا۔

اور اگر اَولاد کی طرف سے غفلت برتی، اور اُن کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کیا، تو ہم اللہ کی نظر میں خائن کہلائیں گے، اور آخرت میں ہماری گرفت ہوگی۔

اِس لئے بچوں پر پوری توجہ ہونی چاہئے۔

اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا کوئی بچہ اور بچی دین سے، قرآن سے اور ضروری آداب و مسائل سے محروم نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر سطح پر اَمانت کے اَدا کرنے والوں میں شامل فرمائیں۔ ہر طرح کی خیانت سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ اور اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❐❖❐

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۸)

پانچ نبوی دعائیں

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

- موضوعِ خطاب : پانچ نبوی دعائیں
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : محلّہ سیدزادگان قصبہ گنگوہ (جلسہ اصلاحِ معاشرہ)
- تاریخ : ۲۴؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ایک گھنٹہ ۲؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد!

فَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهٖ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ. (مجمع الزوائد للهيثمي ۱۰/۱۷٦ وغيره) أو كما قال عليه السلام.

محترم علماء کرام، بزرگو، بھائیو اور نوجوان ساتھیو!

یہ بہت شکر کی بات ہے کہ آپ کے شہر میں الحمدللہ بڑی تعداد میں علماء کرام موجود ہیں، اور دینی اِدارے اور مدارس قائم ہیں، جس پر ہر وقت اللہ کا شکر بجالانا ضروری ہے۔

مقامی علماء کی قدر

اور خاص طور پر مقامی علماء اور مدارس کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کرنی چاہئے۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''مقامی علماء کی مثال فیملی ڈاکٹر کی طرح ہے، جو مزاج سمجھے ہوئے ہوتا ہے اور مناسب دوا دیتا ہے، اور باہر سے آنے والے عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کسی اجنبی ڈاکٹر کو ہم دکھانے چلے جائیں، تو جب تک ہم اس سے خود نہ بتائیں، اسے ہمارے مرض کا کچھ پتہ نہ چلے گا''۔

تو ان علماء کی قدردانی یہ ہوگی کہ یہ جن باتوں کی طرف ہمیں متوجہ کریں، ان پر بہت توجہ دی جائے اور عمل کی کوشش کی جائے۔

جیسا کہ ابھی آپ حضرات کے سامنے حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی دامت برکاتہم نے اس بستی کی روحانی نسبتوں کا تذکرہ کرکے ہمیں جھنجوڑا ہے کہ ہم جس علاقے کے رہنے والے ہیں، اُس کی ہمیں لاج رکھنی چاہئے۔ اور جن بزرگوں کی وجہ سے ''گنگوہ'' کا نام پورے عالم میں مشہور ومعروف ہے، ان بزرگوں کے کردار اور سیرت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اس لئے ہم پر لازم ہے کہ علماء سے ربط وضبط رکھیں، ان کے پاس آتے جاتے رہیں، اپنے دینی اور دنیوی امور میں ان سے مشورہ لیا کریں؛ کیوں کہ وہ علمِ دین کی روشنی میں جو مشورے دیں گے، ان میں سراپا خیر ہی خیر ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علماء کی قدردانی اور دین سے جڑے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

جلسوں کا فائدہ اور مقصد

بزرگو اور بھائیو! اِن اصلاحی جلسوں کا بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''کان میں پڑی بات کبھی نہ کبھی کام آ ہی جاتی ہے''۔

اور قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

[الذٰریٰت: ۵۵] (یعنی اے پیغمبر علیہ السلام آپ بار بار یاددلاتے رہئے ؛ کیوں کہ یاددہانی ایمان والوں کونفع دیتی ہے)

ایسا نہ ہوکہ ایک مرتبہ جلسہ ہوگیا بس ختم ؛ بلکہ یہ سلسلہ برابر جاری رہنا چاہئے ۔

منزل تک پہنچنے کی فکر

دنیا میں عمل کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً منزل مقصود طے کی جائے ،اور پھر منزل تک پہنچنے کی فکر اور تگ ودو کی جائے ؛ کیوں کہ اگر دل میں فکر نہ ہوتو آدمی ہلکے سے ہلکا عمل بھی نہیں کرسکتا۔اور اگر دل میں فکر پیدا ہوجائے ،تو انسان پہاڑوں کو چیر کراُن میں سے بھی راستے بنا سکتا ہے۔

مثلاً آدمی گنگوہ کے بس اسٹینڈ پر کھڑا ہوجائے ،اورلوگوں سے کہے کہ ’’مجھے جانا ہے، مجھے جانا ہے‘‘۔

تولوگ اس سے پوچھیں گے کہ ’’بھائی یہ تو بتاؤ کہاں جانا ہے؟ یعنی پہلے یہ تو طے کرو کہ تمہیں دلی جانا ہے؟ دیوبند جانا ہے؟ سہارنپور جانا ہے؟ کرنال جانا ہے؟ جانا کہاں ہے؟ یہ تو متعین کرو‘‘۔

توپہلے منزل طے کی جائے گی ، پھر فکر ہوگی کہ اس منزل تک کیسے پہنچا جائے؟

تو یہ جلسے ہمیں متنبہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی منزل پہچانیں کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟ اور یہ فکر کریں کہ منزل تک کیسے پہنچا جائے گا؟

اب ہم آپ حضرات سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ انجام کارکہاں جانا چاہتے ہیں؟

توکسی بھی مؤمن سے آپ پوچھیں گے کہ تمہارا مقصود کیا ہے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی خوشنودی اور جنت نصیب ہو،اور اللہ کے غضب اور جہنم سے حفاظت ہو۔

صحابہؓ کا مزاج

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مزاج بنایا کہ ہر وقت اُن کے دل ودماغ میں بس یہی بات بس گئی تھی کہ اُنہیں جنت کیسے ملے؟ اور جہنم سے

کیسے بچیں؟ یہی دو جملے ان کی زندگی کے ہر پہلو میں آپ کو نظر آئیں گے؟ اِس کی ایک مثال ہم پیش کرتے ہیں:

روایت میں ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن عشاء کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کسی مشورے کے لئے تشریف لے گئے، سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے، یہ تینوں حضرات مشورہ کرتے رہے، رات کا کافی حصہ گذر گیا، جب مشورہ ختم ہوا، تو پیغمبر علیہ السلام وہاں سے اٹھ کر اپنے حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لے چلے، تو یہ دونوں حضرات آپ کو چھوڑنے کے لئے ساتھ چلے۔ بیچ میں مسجد نبوی ہے۔ تو اندھیرے میں ایسا لگا کہ جیسے کوئی نماز میں تلاوت کر رہا ہے۔

تو تینوں حضرات کان لگا کر سننے لگے کہ کون تلاوت کر رہا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام نے پہچان لیا کہ یہ تو عبداللہ بن مسعودؓ معلوم ہوتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے ان کے شاندار انداز میں قرآن پڑھنے پر شاباشی دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: ''جس کو ایسا تر وتازہ قرآن پڑھنا پسند ہو، جیسے وہ ابھی نازل ہوا ہے، تو ابن ام عبد (ابن مسعودؓ) کے لہجے میں قرآن پڑھا کرے''۔

سیدنا حضرت ابن مسعودؓ پڑھتے رہے، تا آں کہ جب دعا کا وقت آیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے پیچھے سے فرمایا: ''سَلْ تُعْطَه، سَلْ تُعْطَه'' (یعنی ابن مسعود مانگو! جو مانگو گے وہ ملے گا، ابن مسعود مانگو! جو مانگو گے وہ ملے گا)

دیکھئے! یہ قبولیت کی گھڑی ہے، رات کا کافی حصہ گذر چکا ہے، مسجد نبوی کا متبرک مقام ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے دعا کی قبولیت کی بشارت ہے، آج جو بھی مانگا جائے وہ مل کر رہے گا۔

ہم جیسے دنیا داروں کو اگر ایسا موقع ملتا، تو سیکڑوں بیگھے جائیداد، کروڑوں روپے اور نہ جانے کیا کیا مانگ لیتے۔

مگر وہ صحابی رسول تھے، جن کی حضور نے تربیت فرمائی تھی۔

جن کے ذہن ودماغ میں دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

اِس لئے اُنہوں نے اس وقت کیا شان دار دعا مانگی کہ: **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَنَعِيمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَعْلىٰ جَنَّةِ الْخُلْدِ.** (مسند أحمد رقم: ٤٢٥٥) یعنی اے اللہ! مجھے ایسا ایمان عطا کیجئے، جو مجھ سے کبھی جدا نہ ہو، اور ایسی نعمتیں عطا فرمایئے جو کبھی فنا نہ ہوں، اور ہمیشہ رہنے والی اعلیٰ جنت میں اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرمایئے۔

یعنی میری خواہش یہ ہے کہ ایمان پر مروں اور ایمان پر جیوں، آخری دم تک ایمان پر قائم رہوں، نہ شرک ہو، نہ کفر ہو، نہ ایمان میں کوئی شک وشبہ ہو۔

اور دوسرے یہ کہ وہ نعمتیں مانگتا ہوں جو دائمی ہیں، اس کا مصداق جنت کی نعمتیں ہیں، جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔

اور آخری تمنا یہ ہے کہ جیسے دنیا میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ ملا ہے، ایسے ہی مجھے جنت میں بھی آپ کا ساتھ عطا ہو۔

اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس دعا میں جو مانگا گیا، وہی ہر مؤمن کی آرزو اور منزل مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ جلسے ہمیں فکر دلاتے ہیں کہ پہلے ہم یہ طے کریں کہ ہمیں کدھر جانا ہے؟ پھر جب منزل طے ہوگی تو اب یہ فکر پیدا ہوگی کہ منزل تک کیسے پہنچنا ہے؟

پھر جب ہم جنت کو اپنی منزل بنالیں گے، تو جنت جانے کے تمام راستوں کو ہم اختیار کریں گے، اور جہنم سے بچنے کی ہر تدبیر عمل میں لائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذکر

ہم نے اسی مناسبت سے شروع میں ایک حدیث آپ حضرات کے سامنے پڑھی تھی، جو صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

آپ صحابہ میں بہت بڑے عبادت گذاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک مرتبہ انہیں بلایا، اور فرمایا کہ: ’’عبداللہ ابن عمرو! میں نے سنا ہے کہ تم مسلسل روزے رکھتے ہو اور راتوں میں جاگ کر عبادت کرتے ہو‘‘؟

آپ نے اس کا اقرار کیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’ایسا مت کیا کرو؛ بلکہ روزہ بھی رکھو، اور بے روزہ بھی رہو، اور رات میں عبادت بھی کرو، اور سویا بھی کرو؛ اس لئے کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (اور تمہاری اولاد کا بھی تم پر حق ہے)‘‘۔ (یعنی شریعت یہ نہیں کہتی کہ آدمی اپنے حقوق کو بھول کر کے بس عبادت ہی میں لگا رہے)

پھر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’تمہیں ہر مہینے تین روزے رکھنا کافی ہے؛ کیوں کہ ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے، تو اس طرح تمہیں پوری زندگی روزے کا ثواب مل جائے گا‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ’’میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں‘‘، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’صُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ‘‘ یعنی اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام والا روزہ رکھا کرو، اس سے زیادہ مت رکھو۔

تو عرض کیا گیا کہ ’’حضرت داؤد علیہ السلام والا روزہ کیا ہے‘‘؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ’’نِصْفُ الدَّهْرِ‘‘ (یعنی ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا) (صحیح البخاری، کتاب الصوم/ باب حق الجسم فی الصوم ۱/۲۶۵ حدیث: ۱۹۷۵، سنن ابی داؤد ۱/۳۳۰)

صومِ داؤدی میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر آدمی مسلسل روزے رکھنے لگے تو روزہ کا احساس ہی ختم ہو جائے گا؛ کیوں کہ وہی عادت بن جائے گی، اور روزہ بے روزہ برابر ہو جائے گا۔

لیکن جب ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے، تو پتہ چلے گا کہ روزہ ہے، اسی ترتیب سے روزہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے، مگر اس کی پابندی ہر ایک کے لئے آسان نہیں ہے۔

اسی لئے بعد میں جب بڑھاپے کی وجہ سے اس طرح روزہ رکھنا مشکل ہوا، تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''کاش! میں پیغمبر علیہ السلام کی رخصت قبول کرلیتا''۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم/ باب حق الجسم فی الصوم ۱/۲۶۵ حدیث: ۱۹۷۵، سنن ابی داؤد ۱/۳۳۰)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ: ''میں کتنے دن میں قرآن ختم کیا کروں''؟

تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''ایک مہینے میں ختم کرلیا کرو''۔

توانہوں نے عرض کیا کہ ''میں اورزیادہ پڑھ سکتا ہوں''؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ''بیس دن میں ختم کرلو''۔ پھر اُنہوں نے مزید خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ: ''پندرہ دن میں ختم کرلیا کرو''۔ تا آں کہ آپ نے کم کرتے کرتے پانچ دن کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ: ''لَمْ یَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ''۔ (یعنی جو شخص تین دن سے کم میں قرآن ختم کرے گا وہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں پائے گا) (ترمذی شریف/ ابواب القراءات ۲/۱۲۳)

مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں تین دن سے کم میں قرآن پڑھنے میں قرآنی آیات میں تدبر کا موقع نہیں ملے گا؛ لیکن جو شخص ختم کرلے گا اسے ثواب پورا ملے گا؛ گویا کہ فہم کی نفی ہے، اصل ثواب کی نفی نہیں ہے۔ (مستفاد: تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی ۸/۲۲۱ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

خیر ہم یہ عرض کررہے تھے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بڑے ہی عبادات کے شوقین صحابہ میں سے ہیں۔

آپ قرانِ پاک کے ساتھ ساتھ پرانی کتابوں کا بھی علم رکھتے تھے۔ وَکَانَ فَاضِلاً عَالِمًا قَرَأَ الْقُرْآنَ وَالْکُتُبَ الْمُتَقَدِّمَةَ. (أسد الغابة ۲/٢٤٥)

آپ کے حوالے سے سات سو روایتیں کتبِ احادیث میں مروی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/۸۰، الاعلام للزرکلی ۴/۱۱۱)

آپ نے باقاعدہ احادیث نوٹ کرنے کے لئے ایک کاپی بنارکھی تھی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی احادیث نوٹ فرمایا کرتے تھے۔ (اسد الغابہ ۳/۲۴۵)

آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند دعائیہ کلمات نقل فرمائے ہیں، جو اس قابل ہیں کہ اُنہیں بار بار سمجھ کر پڑھا جائے اور اللہ سے مانگا جائے۔

یہ دعائیں صرف دعا نہیں؛ بلکہ ساتھ میں تعلیم اور تنبیہ کے مضامین بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔

چناں چہ آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ'' (یعنی اے اللہ! میں آپ سے تندرستی، عفت، امانت، خوش اخلاقی اور تقدیر پر رضا مانگتا ہوں)

یہ پانچوں بہت ہی اہمیت والی دعائیں ہیں۔

(۱) اَولاً آپ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ'' (اے اللہ میں آپ سے تندرستی مانگتا ہوں) کیوں کہ اگر آدمی کی صحت ہی ٹھیک نہیں ہے تو نہ دنیا کا کام ہوسکتا ہے اور نہ دین کا، خدا نہ کرے اگر آدمی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مثل مشہور ہے کہ: ''تندرستی ہزار نعمت''۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ''. (صحيح البخاري / كتاب الرقاق ۹۴۹/۲ رقم: ٦٤١٢) (یعنی دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے فائدہ اٹھانے میں اکثر لوگ کوتاہی کرتے ہیں: ایک تندرستی اور دوسرے خالی اوقات۔

یعنی جب صحت ہوتی ہے تو فضولیات میں اڑا دیتے ہیں اور جب خالی اوقات رہتے ہیں تو لغویات میں لگا دیتے ہیں، پھر بعد میں اَفسوس ہوتا ہے۔

اس لئے ہمیشہ تندرستی کی دعا مانگتے رہنا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ جب تندرستی مانگیں گے تو ساتھ میں بیماریوں سے پناہ بھی مانگی جائے گی؛ کیوں کہ تندرستی تو تبھی آئے گی جب بیماری نہ ہوگی۔

اسی لئے ہماری شریعت میں اپنی صحت کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ: ''تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے''۔ وغیرہ

ہماری شریعت میں یہ حکم نہیں ہے کہ سنیاسی بن جاؤ، چلہ کشی کرنے لگ جاؤ، کھانا پینا چھوڑ دو، اور سوکھ کر کانٹا بن جاؤ، یہ سب دین نہیں ہے۔

بلکہ حکم یہ ہے کہ تندرست رہ کر اللہ کا حق بھی ادا کرو، اور بندوں کا حق بھی بجالاؤ۔

پیغمبر علیہ السلام ایک شخص کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، جو سوکھ کر چوزے کے بچہ کی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگیا تھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''کیا تم اللہ سے عافیت کی دعا نہیں کرتے''؟

تو اس نے جواب دیا کہ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ: ''اے اللہ! مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہو، وہ یہیں دنیا میں دے دے''۔

تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''سبحان اللہ! تم اس کا تحمل نہیں کر سکتے؛ بلکہ تمہیں تو یہ دعا مانگنی چاہئے: ''اَللّٰھُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات / باب عقد التسبیح بالید ۱۸۶/۲ رقم: ۳۴۸۷) (یعنی اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی بھلائی سے نوازیئے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچایئے)

لیکن کوئی آدمی یہ نہ سمجھے کہ بس دعا مانگنے سے ساری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ مثلاً کوئی شخص راتوں کو اٹھ کر دعا کرے کہ ''اللہ میری جیب بھر دے، خزانہ بھر دے، بینک کا کھاتہ بھر دے''۔

لیکن کرتا کراتا کچھ نہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوا ہے، تو کیا اس کی مراد پوری ہو جائے گی؟

تو اسی طرح سمجھئے کہ جب ہم اللہ سے صحت مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں صحت عطا فرمایئے، تو اس دعا کے ساتھ ساتھ صحت کو باقی رکھنے کے اسباب اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنا بھی لازم ہے۔

فرض کیجئے کہ شدید ٹھنڈ ہو رہی ہے اور آپ چاہ رہے ہیں کہ آپ کو نزلہ نہ ہو؛ لیکن آپ ٹھنڈ میں گرم لباس پہنے بغیر سڑک پر ٹہل رہے ہیں، اور دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے نزلہ نہ ہو، تو لوگ کہیں گے کہ شاید اس کے دماغ میں کچھ خلل ہے۔ اسے چاہئے کہ اولاً نزلے سے بچاؤ کے اسباب اختیار کرے، پھر اللہ سے دعا مانگے کہ اے اللہ! نزلہ سے محفوظ فرما۔

تو جب ہم صحت کی دعا مانگیں، تو ہر اس کام سے بچنے کا اہتمام بھی کریں جس سے بیماری آتی ہے۔

نشہ کے مہلک اثرات

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کینسر جیسے موذی مرض کے جراثیم پیدا کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر نشے والی چیزیں ہیں۔

نشہ کرنے والے لوگ آج کثرت سے کینسر میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اِسی طرح گٹکا کھانے والے بھی اس میں بہت مبتلا ہیں۔

اور یہ جو ہیروئن کی پڑیا ہوتی ہے یہ نشہ کی نہیں؛ بلکہ زہر کی پڑیا ہے۔

بہرائچ کے قریب ایک قصبہ میں ہمارا جانا ہوا، وہ مسلمانوں کی بستی ہے؛ لیکن وہاں جاتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ اس کے در و دیوار سے وحشت اور ویرانی ٹپک رہی ہے، ہم نے ساتھیوں سے پوچھا کہ اتنی بڑی پچیس ہزار سے زیادہ کی آبادی میں بالکل ویرانی، آخر کیا بات ہے؟

کہنے لگے کہ اس آبادی میں اگرچہ اکثریت مسلمانوں کی ہے؛ لیکن بڑی تعداد میں لوگ نشہ کی پڑیا کے عادی ہیں، اور بتایا کہ بہت سے لوگوں کے بدن میں اتنا زہر سرایت کر چکا ہے کہ اگر ان کو سانپ یا بچھو ہاتھ آجائے، تو پکڑ کر کھا جاتے ہیں، اور کچھ اثر نہیں ہوتا؛ بلکہ اور لذت آتی ہے۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ایسے لوگوں کو پولیس والے اکثر پکڑ کر لے جاتے ہیں اور حوالات میں بند کر دیتے ہیں؛ لیکن جب ان کی پڑیا کھانے کا وقت آتا ہے تو اپنا سر دیواروں سے ٹکرا کر زخمی کر لیتے ہیں، تو پولیس والے یہ سوچ کر کہ کہیں مر نہ جائے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ہم غور کریں تو پتہ چلے گا کہ انسان کو جو بھی مقام حاصل ہے وہ اپنی عقل کی وجہ سے ہے، عقل نہ ہو تو انسان جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

اور یہ شراب، ہیروئن اور دیگر نشہ آور چیزیں عقل ہی کو ماؤف کر دیتی ہیں، اور انسان جانوروں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔

اِس لئے اسلام نے ہر طرح کے نشہ کو حرام قرار دیا ہے؛ تاکہ انسان کی انسانیت برقرار رہے۔

لیکن آج انسانیت کے جھوٹے دعوے دار اوپر سے نیچے تک نشہ خوری میں مبتلا ہیں، اور شراب نوشی کو ایک فیشن بنالیا گیا ہے۔ خاص طور پر فلموں کے ذریعہ نوجوانوں کو شراب نوشی کی ترغیب دی جاتی ہے، اور اسے بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا، العیاذ باللہ۔

ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ محلّہ میں اگر کوئی شراب پیتا، تو کوئی شریف آدمی اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا، ایسے شخص کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو بے عزتی سمجھا جاتا تھا، لیکن اب یہ کوئی عیب ہی نہیں رہا۔ جس کی وجہ سے انسانیت تباہ ہو رہی ہے، اور سنگین بیماریاں عام ہوگئی ہیں۔

موبائل اور انٹرنیٹ کی تباہ کاریاں

اسی طرح آج کل صحت کی بربادی میں انٹرنیٹ کے ذریعہ فواحش میں ابتلاء کا بڑا کردار ہے بہت سے نوجوان راتوں رات جاگ کر اپنے ذہن ودماغ کو پراگندہ کرتے ہیں، جس سے اللہ کی ناراضگی کے ساتھ ساتھ صحت اور وقت کی بڑی بربادی ہوتی ہے، ایسے نوجوانوں کو آپ دیکھیں کہ آنکھیں اندر کو دھنسی جارہی ہیں، چہرہ بے رونق ہے، کمر میں درد ہے، اور دماغ اپنی حالت پر نہیں ہے، یہ ان غلط مشغلوں کی وجہ سے بربادی آرہی ہے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ جب ہم صحت کے لئے دعا کریں تو بد پرہیزیوں سے بھی بچیں اور صحت کو برباد ہونے سے بچائیں، اور اس عظیم نعمت کو اپنے لئے آخرت میں نیکیوں کو اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنائیں؛ کیوں کہ جب صحت ہوگی تو دل میں عبادت کا جوش اٹھے گا، اور آدمی بآسانی اپنا ارادہ پورا کرپائے گا۔

اور اگر خدانہ کرے صحت ہی نہ رہے، تو چاہ کر بھی آدمی خیر سے محروم رہے گا۔

عفت کی طلب

(۲) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دعا یہ مانگی: ”وَالْعِفَّةَ“ (یعنی اے اللہ! میں آپ سے عفت چاہتا ہوں)

اور عفت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

الف:- ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی پاک دامن رہے، دل بھی پاک ہو اور نظر بھی پاک ہو، عورتیں بے پردگی سے بچیں، اور مرد بھی کوئی بے حیائی کا کام نہ کریں۔

قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ: ''مرد بھی نظریں جھکائے رکھیں اور عورتیں بھی نظریں جھکائیں رہیں''۔ (النور:۳۰)

اور حدیث میں فرمایا گیا کہ: ''اجنبی مرد عورت کہیں تنہا نہ رہیں، اور کوئی عورت اجنبی مرد کے ساتھ سفر میں نہ جائے، اور اجنبی مرد وعورت آپس میں بے تکلف آنکھ ملا کر بات نہ کریں''۔ (مشکوٰۃ شریف/ باب النظر الی المخطوبۃ ۲۶۸)

عفت کے تحفظ کے لئے اسلام نے بے احتیاطی کے سارے دروازے بند کردئے ہیں؛ تاکہ آدمی واقعۃً عفت مآبی کے ساتھ زندگی گذار سکے۔

موجودہ دور کا بڑا فتنہ

لیکن آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ یہ ہے کہ آدمی عفت سے دور ہوتا چلا جارہا ہے، خاص طور پر اسکولوں اور کالجوں کا ماحول ایسا بنادیا گیا کہ وہاں آدمی کو عفت مآب رہنا دہکتے ہوئے انگارے کو اپنی ہتھیلی پر رکھنے کے مرادف ہے۔

ہمارے یہاں مرادآباد میں ایک لڑکا کالج میں پڑھتا تھا، کبھی کبھی ہمارے پاس بھی آتا جاتا تھا، ایک دن آکر بہت رونے لگا، ہم نے پوچھا کیا بات ہے؟

اُس نے کہا مفتی صاحب! کیا بتاؤں؟ بس میرے لئے دعا کردیجئے کہ اللہ مجھے بچا کر رکھے، پھر کہنے لگا کہ ہماری کلاس میں بائیس طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، جن میں گیارہ لڑکے ہیں اور گیارہ ہی لڑکیاں ہیں، اب کالج کی طرف سے طے کیا گیا ہے کہ ان میں آپس میں تکرار اور مذاکرے کے لئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا جوڑا بنایا جائے، اور پھر جو جس کے لئے طے کردیا جائے وہ اسی کے ساتھ سبق یاد کرے گا، اور سنے سنائے گا، دوسرے کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ یعنی بے حیائی کی حد ہوگئی کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا الگ الگ جوڑا بنانے کے بجائے لڑکا لڑکی کا جوڑا بنایا گیا۔

پھر اس نے کہا کہ میرے ساتھ ایک ہندو لڑکی کو کر دیا گیا ہے، اب میرے لئے اس کے ساتھ تکرار کرنا بھی مشکل ہے اور کالج چھوڑ بھی نہیں سکتا؛ کیوں کہ آخری سال ہے، ایسی مصیبت میں پڑ گیا ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟

یہ تو اس لڑکے کا حال تھا، جس کے دل میں اللہ کا ڈر تھا، ورنہ تو آج اکثر طلبہ کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

بہر حال اللہ سے عفت مانگی جارہی ہے جس کو یہ نصیب ہو جائے وہ نازک سے نازک ماحول میں بھی اپنا دامن بچا کر لے جائے گا۔

بلاضرورت لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں

ب:- اور عفت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، یہ بڑی ذلت کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

''مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَسْئَلَتُهُ فِيْ وَجْهِهِ خَمُوْشٌ أَوْ خَدُوْشٌ أَوْ كَدُوْحٌ''. (سنن الترمذي، أبواب الزكاة / باب من تحله الزكاة ۱٤۱/۱، مشكاة المصابيح ۱٦۲-۱٦۳) (یعنی جو آدمی بلا شدید ضرورت کے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، قیامت میں وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر کھر ونچ کے نشانات ہوں گے)

نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: **''اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلىٰ''.** (مشكاة المصابيح ۱٦۲) (یعنی اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے افضل ہے)

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''جس کی روزی میں تنگی ہو جائے اور وہ بندوں کے سامنے اس کا اظہار کرے، اس کو کبھی برکت نصیب نہیں ہوگی، اور جس کو تنگی کے حالات پیش آئیں اور وہ اللہ سے درخواست کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور اس کے لئے دروازے کھول دیں گے''۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۶۲-۱۶۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک نوجوان آدمی آیا اور مانگنے لگا، آپ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ کہا: کچھ نہیں، بس ایک چھوٹی سی پرانی چادر ہے اسی کو بچھالیتا ہوں اور اسی کو اوڑھ لیتا ہوں اور ایک کٹورا ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں چیزیں لے کر آؤ؟ چناں چہ وہ لے آیا، حضرت نے حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''اس کو کون خریدنے والا ہے؟''

تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک درہم قیمت لگائی، حضرت نے فرمایا کہ: ''یہ تو بہت کم ہے؟ کوئی اور زیادہ کا خریدار ہو تو بتاؤ؟'' تو دوسرے صاحب نے دو درہم میں وہ دونوں چیزیں خرید لیں، تو آپ نے وہ دونوں درہم لئے اور سائل کو دے کر فرمایا کہ: ''ایک درہم سے تو راشن خرید کر گھر پہنچا دو؟ اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر لے آؤ، چناں چہ وہ بازار سے کلہاڑی لے آئے، حضرت نے خود اپنے دست مبارک سے ایک پیڑ کی ٹہنی توڑ کر اس میں دستہ لگایا، اور ان سے کہا کہ جاؤ جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کر کے ایندھن کا گٹھر بناؤ، اور بازار میں لا کر فروخت کرو، اور پندرہ دن سے پہلے مجھے نظر مت آنا''۔

چناں چہ وہ چلے گئے اور پندرہ دن کے بعد آپ سے ملے، حضرت نے پوچھا کیا حال ہے؟ تو کہا کہ نفع میں دس درہم ملے ہیں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتاؤ! یہ دس درہم اچھے ہیں (جو تمہیں قوتِ بازو سے ملے) یا وہ ایک دو درہم اچھے تھے جو ذلیل ہو کر لوگوں سے لیتے رہے''۔ (ابوداؤد شریف، کتاب الزکوٰۃ/ باب ماتجوز فیہ المسئلۃ ۱/۲۳۲)

اَفسوس ہے کہ آج ہماری قوم میں بیکاری کا ماحول بڑھتا جا رہا ہے۔

لوگ کام کرنا نہیں چاہتے، جس کی وجہ سے دوسروں پر بوجھ بن جاتے ہیں، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ ''اے اللہ! میں آپ سے عفت یعنی پاک دامنی اور خودداری چاہتا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو پوری امت کے حق میں قبول فرمائیں، آمین۔

اَمانت داری

(۳) پھر آپ نے تیسری دعا یہ مانگی کہ: ”وَالْأَمَـــانَةَ“ (یعنی اے اللہ میں آپ سے اَمانت داری چاہتا ہوں۔

اگر دل میں امانت کا جذبہ آجائے تو ان شاء اللہ آدمی سچا مؤمن بھی بن جائے گا۔ کامیاب تاجر بھی ہوگا، اور سب کا حق ادا کرنے والا ہوگا، اللہ کا بھی حق ادا کرے گا اور بندوں کا بھی۔

کیوں کہ ساری خرابی بددیانتی کی وجہ سے ہوتی ہے، اگر امانت آجائے تو آدمی ہر جگہ کامیاب انسان بن جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لَا إِيْـمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ“ (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۱۳۳/۳ رقم: ۱۲۴۱، مشكاة المصابيح ۱۵) (یعنی جس آدمی کے دل میں امانت نہ ہو، وہ گویا مؤمن ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو کامل طور پر امانت داری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

خوش اخلاقی

(۴) اور چوتھی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی: ”وَحُسْـنَ الْخُلُقِ“ (یعنی اے اللہ! میں آپ سے اچھے اخلاق مانگتا ہوں)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”مَا مِـنْ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَأَنَّ صَاحِبَ حُسْـنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ“. (سنن الترمذي / باب ما جاء في حسـن الـخـلـق ۲۰/۲) (یعنی بسا اوقات آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے بڑے بڑے راتوں کو عبادت کرنے والوں اور دنوں کو روزہ رکھنے والوں سے بھی اونچے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے)

اچھے اخلاق میں مہمان نوازی، پڑوسیوں کی خبر گیری، لوگوں کے ساتھ نرم روی جیسی باتیں شامل ہیں، خاص طور پر اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا خوش خلقی کی بڑی علامت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''خَیرُکُمْ خَیرُکُمْ لِأَھْلِہِ، وَأَنَا خَیرُکُمْ لأَھْلِي''. (سنن ابن ماجة / باب حسن معاشرة النساء ۱/۱۴۲) (یعنی تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کی نظر میں اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کی نظر میں سب سے اچھا ہوں)

کیوں کہ باہر والوں کی نظر میں تو سبھی اچھے بن سکتے ہیں؛ لیکن جس آدمی کے اچھے ہونے کی شہادت اس کے گھر والے دیں وہ زیادہ معتبر ہے؛ کیوں کہ وہ چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والے اور آدمی کے مزاج اور عادات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ شریف آدمی کی نشانی یہ ہے کہ عورتوں کی طرف سے اگر کوئی ناگواری کی بات پہنچے تو اسے برداشت کرتا ہے، یہ شرافت کی علامت ہے۔ یہی اصل میں مردانگی ہے۔

عورت بیچاری کمزور ہے، اس سے کوتاہیاں ہوسکتی ہیں، تو مرد کی مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کوتاہیوں پر آگ بگولہ نہ ہو؛ بلکہ خوش اسلوبی سے نباہنے کی کوشش کرے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آدمی کے کمینہ اور رذیل ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم کرتا ہے، مار پٹائی کرتا ہے۔ اور ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ مثلاً کھانے میں تھوڑا سا نمک کم یا زیادہ ہوگیا تو پلیٹیں اٹھا اٹھا کر پھینک دیں، چارپائیاں کھڑی کردیں، اب بیٹے بھی پریشان، بیٹیاں بھی پریشان، بیوی بھی عاجز کہ میاں صاحب کو جلال آگیا ہے، تو ایسا آدمی ہرگز پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جو آدمی ذاتی معاملات میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھے، وہ کبھی اچھے اخلاق والا نہیں بن سکتا۔

پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا کہ حضرت نصیحت فرمادیجئے، اور ذرا مختصر نصیحت فرمائیے؛ تاکہ یاد کرنا آسان ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کئی مرتبہ کہنے پر فرمایا: ''لَا تَغْضَبْ''. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كثرة الغضب ۲/۲۲) (یعنی غصہ مت کیا کرو)

وہ آدمی باہر نکل کر کہنے لگا کہ جب میں نے اس نصیحت پر غور کیا، تو پتہ چلا کہ اس سے بڑی کوئی نصیحت نہیں ہوسکتی۔

معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں اپنے اوپر قابو رکھنا بہت سے فتنوں کو ختم کر دیتا ہے، جب کہ بے قابو ہونے سے سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھتے ہیں، پھر ان کا جھیلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

چناں چہ اکثر طلاق کے واقعات بے جا غصہ کی وجہ سے ہی پیش آتے ہیں کہ کوئی بات ہوگئی تو آپے سے باہر ہوگئے، پھر بعد میں جب اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں، اور رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے۔ تو اگر پہلے ہی سے اپنے اوپر قابو رہے تو یہ نوبت نہ آئے۔

علماء نے لکھا ہے کہ خوش اخلاقی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر مال داروں کو اس کی اہمیت کا پتہ چل جائے تو اچھے اخلاق والوں سے لڑ جھگڑ کر اخلاق لے لیں۔

مگر یہ اخلاق انہیں کو نصیب ہوتے ہیں، جن پر اللہ کا خاص فضل وکرم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے اخلاق سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

تقدیر پر مطمئن رہنا

(۵) اور پانچویں دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مانگی کہ: "وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ". (یعنی اے اللہ میں آپ سے تقدیری فیصلوں پر رضا مندی مانگتا ہوں)

دنیا میں جو بھی بات پیش آئے، اس پر جزع فزع کرنے کے بجائے اللہ کے فیصلے پر دل سے راضی ہونے کی کیفیت ہمیں نصیب ہو جائے تو بڑے سے بڑا غم بھی ہمارے لئے جھیلنا آسان ہو جائے۔

تقدیر پر یقین رکھنا ایمان کا جزو اعظم ہے، اس کے بغیر آدمی کا ایمان ہی معتبر نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ دعا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کامل ایمان نصیب فرمائیں، آمین۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اس دعا میں جو پانچ چیزیں (صحت، عفت، امانت، اچھے اخلاق اور تقدیر پر ایمان) مانگی گئی ہیں، وہ بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

اس لئے یہ دعائیہ کلمات ہمیں یاد رکھنے چاہئیں، اور نمازوں کے بعد اور دیگر مقبول اوقات میں جی لگا کر انہیں مانگنا چاہئے۔ اگر یہ الفاظ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ

وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ'' یاد ہوجائیں تو بہت اچھا ہے۔

اور اگر یاد نہ ہوں تو ان کا ترجمہ ہی اپنی زبان میں مانگ لیا جائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کی بات سنتے ہیں اور ہر زبان میں سنتے ہیں۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ سے دعا مانگنے والے بنیں، جو بھی معاملہ پیش آجائے تو لوگوں کے سامنے کہنے سے پہلے اپنے رب سے کہہ لیا کریں، اور مسلسل مانگتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے خوش ہوتے ہیں جو اس سے مسلسل اور یقین کے ساتھ مانگتے رہتے ہیں، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ کبھی محروم نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے اور پوری اُمت کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائیں۔

اس جلسے کو بھی قبول فرمائیں۔

اس بستی، خطے اور شہر پر رحمتوں کا نزول فرمائیں

جن اولیاء اللہ کی طرف یہ شہر منسوب ہے اُن کے نقش قدم پر ہم سب کو چلائیں۔

اُن سب کی قبروں کو نور سے منور فرمائیں۔

اور اللہ تعالیٰ یہاں کے دینی اِداروں اور مدارس کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کے فیصلے فرمائیں اور طلباء اور علماء سب کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❐❖❐

نــــوٹ:- عزیزم مولانا سید ازہر مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ ناظم ''مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن'' گنگوہ کے ذریعہ یہ معلوم ہوکر مزید مسرت ہوئی کہ قصبہ گنگوہ اور اس کے اطراف میں علماء کی سرپرستی میں جابجا ''اصلاحِ معاشرہ کمیٹیاں'' قائم ہیں، جو معاشرہ میں پھیلے ہوئے منکرات کی اصلاح میں سرگرم ہیں، اَب تک بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے نوجوان اُن کی محنت سے بالخصوص شراب نوشی اور سٹے بازی وغیرہ سے توبہ کرچکے ہیں۔ضرورت ہے کہ اِس طرح کی کمیٹیاں ہر علاقے میں قائم ہوں۔
اللہ تعالیٰ ان محنتوں کو بے حد قبول فرمائیں، اور سبھی معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۹)

خیر وشر میں امتیاز

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

- موضوعِ خطاب : خیر وشر میں امتیاز
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامعہ اسلامیہ شمیم آباد سلہٹ
- تاریخ : ۲۸؍ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ٦؍دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات
- دورانیہ : ۱۷؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

الـحـمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه مـن شـرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هـادي لـهٗ، ونشهـد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسـنـدنـا وشـفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فـعـن أبـي معاوية ابن أبي سفيان رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: اَلْخَيْرُ عَادَةٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (سـنـن ابن ماجة، مقدمة / باب فضل العلماء والحث علىٰ طلب العلم ص: ۲۰ رقم: ۲۲۱، كشف الـخـفـاء ۱/ ۳۵۰ دار الـكـتـب العلمية بيروت، المعجم الكبير للطبراني ۱۹/ ۳۸٦) أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

معزز علماء کرام، اساتذہ کرام اور طلبہ عزیز!

یہ علماء اور طلبہ کا مجمع ہے، اسی مناسبت سے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت ہی قیمتی اور جامع ترین ارشاد آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

ویسے تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات گراں قدر ہوتی ہے اور حرز جان بنانے کے لائق ہوتی ہے۔

لیکن اس روایت میں جو آپ نے حقیقت بیان فرمائی، وہ خصوصا علماء اور طلبہ کے لئے بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔

صحابی رسول سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا: ''اَلْخَيْرُ عَادَةٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ'' (یعنی خیر کا کام عادت بنائے جانے کے قابل ہے، جب کہ شر والا عمل محض مجبوری ہے)

اب ان دونوں جملوں کی تشریح میں حضرات محدثین اور شارحین حدیث نے مختلف تعبیرات ارشادفرمائی ہیں:

پہلی بات یہ فرمائی کہ نیکی کے کام پر مؤمن کا دل منشرح رہتا ہے، اور خیر کے کام سے اُس کو اس قدر دلچسپی ہو جاتی ہے کہ وہ اُس کی عادت بن جاتی ہے۔

مثلاً نماز اگرچہ ایک عبادت ہے؛ لیکن جو مسلمان اللہ کی رضا جوئی کے لئے نماز کی پابندی کرتا ہے، تو رفتہ رفتہ یہ نماز اُس کی زندگی کی سب سے بڑی عادت بن جاتی ہے۔

حتیٰ کہ کھانا نہ ملے تو وہ برداشت کر لیتا ہے۔

پانی نہ ملے تو بھی برداشت کر لیتا ہے۔

لیکن نماز قضا کرنا اُس کے لیے بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے۔

اسی طرح جو آدمی اوراد و وظائف کا پابند ہو، یا کسی اور نیک عمل کا عادی ہو، تو اس کے لئے اس عمل کو چھوڑنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ کسی وجہ سے چھوٹ جاتا ہے، تو دل پر بڑا بوجھ ہوتا ہے کہ آج میرا فلاں کام رہ گیا۔

اِس کے برخلاف شر اور گناہ کے کام پر مؤمن کا دل کبھی مطمئن نہیں ہوتا، اور ہر قلب سلیم رکھنے والا شخص گناہ سے متنفر اور منقبض رہتا ہے۔ اور جب بھی اُس سے گناہ صادر ہوتا ہے تو وہ نفسانی یا شیطانی اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ خود فطری طور پر گناہ کی طرف پیش قدمی نہیں کرتا؛ بلکہ گناہ کی طرف سے ہمیشہ اُس کے دل میں کھٹک رہتی ہے، گویا کہ صرف مجبوری میں ہی برا عمل ہوتا ہے۔

اور اِس حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ خیر سے مراد ''حق'' ہے اور شر سے مراد ''باطل'' ہے، یعنی حق کی طرف مائل ہونا چاہئے، اور باطل سے اگر سابقہ پڑے تو تردد اور انقباض کا اظہار کرنا چاہئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی باطل کی طرف زبردستی پکڑ کرلے جائے، تو اسے پھر توبہ کرکے حق کی طرف واپس آجانا چاہئے۔

اور تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ اس میں ہر مؤمن کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر خیر کے کام کو عادت بنالے، اور شر کے کام سے دور رہے، جیسا کہ کوئی بھی شریف آدمی جیل جانا پسند نہیں کرتا، اور جیل جانے کے اسباب سے بھی پوری طرح پرہیز کرتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان کو ہر برے کام سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (مستفاد: حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ حدیث: ۲۲۱، فیض القدیر ۳/۲۵-۲۶)

اور بعض شارحین نے اِس کی شرح میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم، جزء آیت: ۳۰]

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ''. (صحيح البخاري / كتاب الجنائز رقم: ۱۳۸۵) (یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں)

تو یہی بات اِس حدیث میں دوسرے انداز میں کہی گئی ہے کہ خیر کی چیزیں آدمی کی فطرت اور عادت میں داخل ہیں، اور شر کی باتوں پر اُسے زبردستی مجبور کیا جاتا ہے؛ لہٰذا ہر شر والی بات اِنسان کے لئے دشمنی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''أَعْدىٰ أَعْدَائِكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ''. (رواه البيهقي في الزهد بإسنادٍ ضعيف وله شواهد من حديث أنس،

كشف الخفاء للعجلوني ۱۲۸/۱ دار الكتب العلمية بيروت) (یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے)

بریں بنا ہر شخص کو اس دشمن سے ہوشیار رہنا چاہئے، اور شر کی باتوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ (حاشیۃ انجاح الحاجۃ علیٰ سنن ابن ماجۃ للشیخ عبدالغنی المجد دیؒ ۲۰)

خیر اور شر کا پتہ کیسے چلے گا؟

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: ''وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' (یعنی جس آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں)

حدیث کے اخیر میں اِس جملے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب تک دین کی سمجھ نہ ہو، آدمی کو خیر اور شر کا پتہ چل ہی نہیں سکتا۔

مثلاً ایک برتن میں بہت سے پتھر رکھے ہوئے ہیں، اور وہ سب خلط ملط ہیں، یہ کچھ پتہ نہیں کہ اِن میں کون سا ہیرا ہے؟ اور کون سا کوڑیوں کے دام کا ہے؟ یہ پتہ صرف جوہری کو چلے گا کہ کس پتھر کی کیا قیمت ہے؟ کیوں کہ ہیرا بھی تو پتھر ہی ہوتا ہے اور عام پتھر بھی پتھر ہی ہے؛ لیکن کون سا پتھر قیمتی ہے اور کون سا ردی ہے؟ یہ صرف تجربہ کار اور سمجھ دار آدمی ہی جان سکتا ہے۔

اسی طرح جب حق اور باطل کو خلط ملط کر کے پیش کیا جائے، تو حق کو باطل سے امتیاز کرنے کے لئے ''تفقہ فی الدین'' ضروری ہے۔

یہ نعمت جس کو مل گئی اس کو سب سے بڑی دولت مل گئی۔

پھر ''تفقہ فی الدین'' کے کئی درجات ہیں، ایک ادنیٰ درجہ ہے، جو ہر مسلمان میں پایا جانا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اُسے عبادات اور حلال وحرام کے بارے میں معلوم ہو؛ تاکہ وہ دین پر صحیح طرح عمل کر سکے۔

اور تفقہ کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ آدمی قرآن وسنت اور فقہِ اسلامی پر نظر کر کے اور اُن کا علم حاصل کر کے خود بھی شرحِ صدر سے مالا مال ہو، اور دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے۔ اِس صفت سے متصف افراد کا اُمت میں ہر زمانہ میں پایا جانا لازم ہے۔

اُمت علماء سے مستغنی نہیں ہوسکتی

یاد رکھئے! یہ اُمت مال داروں سے مستغنی ہوسکتی ہے۔

حکمرانوں سے مستغنی ہوسکتی ہے۔

اور دنیوی علوم جاننے والوں سے مستغنی ہوسکتی ہے۔

لیکن ایسے علماء اور فقہاء جو حق و باطل کی پہچان کرنے والے ہوں، اور جائز وناجائز کا علم رکھنے والے ہوں، اُن سے یہ اُمت قیامت تک مستغنی نہیں ہوسکتی۔

اس لئے ہر جگہ اور ہر علاقے میں بطور فرضِ کفایہ ایسے افراد کا وجود ضروری ہے۔

فقیہ الامت حضرت الاستاذ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے کچھ دن کے لئے ہردوئی میں قیام فرمایا تھا؛ کیوں کہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ طویل سفر میں تشریف لے گئے تھے۔

تو ایک مرتبہ اسی قیام کے دوران ہردوئی سے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا گذر ہوا، اسٹیشن پر سب لوگ زیارت کے لئے حاضر ہوئے، تبلیغ سے جڑے ہوئے حضرات کا بڑا مجمع تھا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے، تو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر فرمایا: ''مجھے مفتی صاحب سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں'' اور پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر مجمع سے الگ لے گئے، اور نمبر وار سب مسئلے پوچھنے لگے، اور حضرت مفتی صاحبؒ ہر مسئلے کا جواب دیتے رہے۔ اور جب گاڑی ہارن دے کر چلنے لگی، تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: ''مفتی جی چلہ کب دے رہے ہو'' تو حضرت مفتی صاحبؒ نے مسکرا کر جواب دیا: ''اگر میں بھی چلے میں چلا جاؤں گا تو آپ کو مسئلہ کون بتائے گا''؟

یعنی سبھی لوگ چلّے میں چلے جائیں، تو پھر مسائل کی تحقیق کون کرے گا؟

اِس لئے کہ علم میں رسوخ تو یکسوئی سے آتا ہے۔

اس کے لئے راتوں کی نیند کو اور دن کے آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

اَب اگر سب دوسرے کام میں لگ جائیں گے تو علمی رسوخ کیسے پیدا ہوگا؟

اِس ایک جملے میں حضرت مفتی صاحبؒ نے واقعۃً بہت بڑی رہنمائی فرما دی، ایسا نہیں تھا کہ حضرت نے چلہ نہ لگایا ہو؛ بلکہ آپ نے متعدد تبلیغی اسفار فرمائے، اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہے۔

لیکن آپ نے اشارہ فرمایا کہ کام تقسیم کار کے اُصول پر ہوتا ہے، یعنی دین کے ہر شعبے کو الگ الگ افراد اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں؛ لیکن ایک دوسرے کے اکرام واحترام اور تعاون میں دریغ نہ کریں۔

بڑی بشارت

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد: ”مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ“ میں خصوصاً ہم سب وابستگانِ مدارس کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

کیوں کہ تمام ہی مدارس میں اس خیر کو حاصل کرنے کی محنت ہورہی ہے۔

جو اُستاذ پڑھارہا ہے، وہ بھی خیر حاصل کررہا ہے۔

اور جو طالب علم پڑھ رہا ہے، وہ بھی اسی خیر کو حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم الشان خیر سے مالا مال فرمائیں۔

اِس کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔

اور ہر قسم کے داخلی وخارجی شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❐❖❐

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۰)

اہل اللہ سے تعلق

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:
(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : اہل اللہ سے تعلق
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مدنی مسجد کڈرمنسٹر برطانیہ (یوکے)
- تاریخ : ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات
- دورانیہ : ۱۷/منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. [التوبة: ۱۱۹] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

حبِ رسول ﷺ اور اُس کی برکات

محترم بھائیو اور بزرگو، اور جہاں تک یہ آواز پہنچ رہی ہے ہماری مائیں اور بہنیں!

ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے، اورعرض کیا: ’’یَا رَسُولَ اللّٰہِ! مَتٰی قِیَامُ السَّاعَۃِ؟‘‘ (حضور! یہ بتلایئے کہ قیامت کب آئے گی)

یہ بڑا اہم سوال تھا؛ لیکن چوں کہ نماز تیار تھی، اس لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اولاً نماز اَدا فرمائی، اس کے بعد اِرشاد فرمایا کہ: ’’وہ قیامت سے متعلق سوال کرنے والے صاحب کہاں ہیں؟‘‘

تو اُنہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یہاں ہوں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا: ’’مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟‘‘ (یعنی پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کررکھی ہے؟)

گویا کہ قیامت کا وقت پوچھنے کے مقابلے میں اس بات کی اہمیت زیادہ ہے کہ یہ فکر کی جائے کہ اُس دن کے لئے ہم نے کیا توشہ تیار کررکھا ہے؟

تو اُن صاحب نے بہت ہی عاجزی کے ساتھ عرض کیا: ’’یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيْرَ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ، إِلَّا أَنِّيْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ‘‘۔

(یعنی میرے پاس زیادہ نمازیں اور روزے وغیرہ تو کچھ نہیں ہیں؛ بس لے دے کر میرا کل سرمایہ یہ ہے کہ مجھے اللہ اور اُس کے رسول سے سچی محبت ہے)

تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یہ بشارت سنائی: ’’اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ‘‘ (یعنی آدمی کا حشر اُنہیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اُس سے دنیا میں محبت کی، اورتم بھی اپنے محبوب (پیغمبر علیہ السلام) کے ساتھ ہوگے)

تو گویا کہ یہ جملہ فرما کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن صاحب کوتسلی دی کہ جب تمہیں رسول سے محبت ہے تو ان شاء اللہ تمہارا حشر بھی آخرت میں رسول کے ساتھ ہوگا۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو اِس روایت کے راوی ہیں وہ) فرماتے ہیں کہ: ’’فَمَا رَأَيْتُ فَرِحَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهٰذَا‘‘۔ (یعنی اِسلام لانے کے بعد مسلمانوں کوکسی بات سے اتنی زیادہ خوشی نہیں ہوئی جتنی پیغمبر علیہ السلام کے اِس اِرشاد: (اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ) سے مسرت ہوئی۔ (ترمذی شریف/ باب المرء مع من احب ۲/۶۴)

اِس لئے جو لوگ بزرگوں اور نیک لوگوں سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں، اُمید ہے کہ اُن کو آخرت میں اُنہی بزرگوں کا ساتھ نصیب ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِنسانی طبعیت پر ماحول کا اَثر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی فطرت اس طرح کی بنائی ہے کہ یہ جیسے ماحول میں رہتا ہے، اسی میں رنگ جاتا ہے۔

اچھے ماحول میں ہے تو اُس پر اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور (خدا نہ کرے) برے ماحول میں پہنچ جائے تو بروں میں شامل ہو جاتا ہے، یہ دنیا کا تجربہ ہے۔

اِس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے لوگوں کے ساتھ تعلق اور محبت رکھنے اور اچھے ماحول میں رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

چناں چہ شریعت میں مردوں پر لازم ہے کہ وہ پنج وقتہ نماز مسجد میں جا کر باجماعت اَدا کیا کریں۔

ذرا غور فرمایئے! ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ یہ کہہ دیا جاتا کہ پانچ نمازیں فلاں فلاں وقت میں فرض ہیں، اور جس کو جب موقع ہو، گھر میں یا دوکان میں یا جنگل میں پڑھ لیا کرے؛ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ’’جو شخص اذان سنے اور پھر بلا عذر نماز کے لئے نہ آئے، تو اُس کی نماز قبول نہ ہوگی‘‘۔ (ابوداؤد شریف ۱/۱۱)

نیز فرمایا کہ ’’مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ رگنا زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے‘‘۔ (بخاری شریف ۱/۸۹)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی مسجد میں جائے گا تو اُسے اچھا ماحول ملے گا۔

ظاہر ہے کہ مسجد میں نیک اور نمازی ہی لوگ آئیں گے، تو ان کے ساتھ جو بھی وقت گذرے گا وہ اچھے ماحول میں ہی گذرے گا۔ اور پانچ مرتبہ دن میں جسے یہ ماحول ملے گا، تو اُس کے دل میں ایمانی نور میں ضرور اِضافہ ہوگا۔

اور مساجد میں ہر وقت بڑی تعداد میں فرشتے موجود رہتے ہیں۔

اور فرشتے اللہ کی وہ مخلوق ہیں، جن کے اندر سراپا خیر ہی خیر ہے، شر کا سوال ہی نہیں۔

اِسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم ''آمین'' کہو؛ اس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے گی، اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے''۔ (بخاری شریف حدیث نمبر: ۷۸۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''جب اِمام ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہے تو تم ''رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' کہو؛ اِس لئے کہ جس کی تحمید فرشتوں کی تحمید کے ساتھ مل جائے تو اس کے بھی سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔ (بخاری شریف حدیث نمبر: ۷۹۶)

تو یہ جماعت کی نماز کی برکات ہیں جو نمازیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اور مسجد میں آمد و رفت کا جو حکم ہے وہ اسی وجہ سے ہے؛ تاکہ لوگوں کو ایک بہترین دینی ماحول نصیب ہو۔

اور آپ یہ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ جس شخص کا تعلق مسجد سے قائم ہو، اتنا ہی اس کے گھر میں دین مضبوط ہوگا، اور جو آدمی مسجد سے جتنا دور ہوتا جائے گا، اتنا ہی وہ دین سے دور ہوتا جائے گا۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے یہاں کھانے سے فراغت پر یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے: ''أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ''. (سنن أبي داؤد ۵۳۸/۲) (یعنی روزے دار تمہارے یہاں افطار کریں، نیک لوگ تمہارے دسترخوان پر کھانا کھائیں اور فرشتے دعائے رحمت کریں)

ظاہر ہے کہ روزے داروں کا افطار کرنا یہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ ہمارا جوڑ نیک لوگوں سے ہے۔ اور نیک لوگ جب ہی کھانا کھائیں گے جب اُن سے تعلق مضبوط ہوگا۔

اسی طرح جب ہم اچھے کام کریں گے تو فرشتے ہمارے لئے دعاء کریں گے۔

تو گویا اِن دعائیہ کلمات میں نیک لوگوں سے تعلق کی نصیحت اور تلقین کی گئی ہے۔

لہٰذا ہماری ہمیشہ یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا، ہمارے روابط اور ہماری محبتیں

ہمیشہ اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں، تو اِن شاء اللہ کمی کوتاہی کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں گے۔

اچھے لوگوں سے تعلق کے تقاضے

لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ محبت کا تعلق صرف زبان سے نہیں ہے؛ بلکہ ساتھ میں محبت کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا جب ہمارا اچھے لوگوں سے تعلق ہو تو ہمارا طور طریقہ بھی اُنہی کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر زبانی طور پر ہم اچھے لوگوں سے تعلق کا دعویٰ کریں؛ لیکن اُن کے خلاف طریقہ اپنائیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تعلق سچا نہیں ؛ بلکہ جھوٹا ہے۔

پس اِس تعلق کا وہ نتیجہ نہیں نکلے گا جس کی بشارت حدیث بالا میں سنائی گئی ہے؛ کیوں کہ اِس بشارت کا تعلق صرف سچی محبت سے ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام ہمارے سب سے بڑے محبوب ہیں

ہر مسلمان کے لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محبت کے لائق ہے، جس کے بغیر ایمان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم ۷/۱ رقم: ۱۵) (یعنی تم میں سے کوئی آدمی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری ذات اُس کی نظر میں اُس کے والدین، اس کی اَولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے)

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم زبان سے دعویٰ کریں کہ حضور ہمارے محبوب ہیں، اور بلا شبہ یہ دعویٰ ہونا بھی چاہئے؛ لیکن ضرورت ہے کہ اِس سے آگے بڑھ کر ہم حضور سے محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یعنی:

حضور جیسا لباس ہمیں پسند ہو۔

حضور جیسا چہرہ ہمیں پسند ہو۔

حضور جیسا لوگوں کے ساتھ معاملہ ہمیں پسند ہو۔

حضور کی سنتیں ہمیں پسند ہوں۔ وغیرہ

ان باتوں کا جائزہ لے کر ہم زندگی گزاریں تبھی ہم سچے عاشق اور محبّ کہلائیں گے۔

اور اگر ہم حضور کا نام تو لیں؛ لیکن ہمارے اَعمال، ہمارے اَخلاق اور ہماری زندگی حضور کے طریقے سے ہٹ کر ہو تو ہم ہرگز سچی محبت کرنے والے نہیں کہلائے جاسکتے۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو ہمارے اکابر و مشائخ ہیں، جن سے ہم تعلق رکھتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہمارا یہی رویہ ہونا چاہئے کہ اُن سے محض زبانی تعلق نہ ہو؛ بلکہ اُن جیسی زندگی اپنانے کی اور اُن جیسی صفات اختیار کرنے کی ہمیں فکر ہو؛ کیوں کہ اُن اکابر سے ہمارے تعلق کی بنیاد دراصل اُن کا جذبہ اتباعِ سنت ہی ہے، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حضرات پیغمبر علیہ السلام کے طریقے پر اپنے دور میں سب سے زیادہ چلنے والے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا سنتوں کا اہتمام

مثلاً آج ہم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا نام محض اِس وجہ سے نہیں لیتے کہ آپ کا نام ''حسین احمد'' تھا، یا آپ سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

بلکہ آپ سے عقیدت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی کو سنت نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا، آپ کی محبوبیت کی سب سے بڑی بنیاد یہی بات ہے۔

مثال کے طور پر حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کرتے وقت اُس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچتے تھے، جب تک کہ خود مصافحہ کرنے والا اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح/ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ۵۲۰)

تو کسی صاحب کو یہ خیال آیا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہر سنت پر عمل کرتے ہیں تو ذرا دیکھیں کہ مصافحے کی اِس سنت پر بھی آپ کا عمل ہے یا نہیں؟

چناں چہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، حضرت نے ہاتھ آگے کر دیا، اب یہ خود ہاتھ پیچھے نہیں ہٹا رہے ہیں تو حضرت نے بھی دیر تک اپنا ہاتھ پیچھے نہیں کھینچا، تو اُنہیں یقین ہو گیا کہ ہاں یہ وہ ذات ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی کو سنت کے قالب میں پوری طرح ڈھال لیا ہے۔

اِسی طرح ایک صاحب نے جانچنے کی کوشش کی کہ مسجد سے باہر نکلتے وقت بایاں پیر نکالنا مسنون ہے۔ (بخاری شریف/ باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ ۱/۶۱)

اور جوتا پہنتے وقت پہلے دایاں پیر جوتے میں ڈالنا مسنون ہے۔ (ترمذی شریف/ باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۴، ابوداؤد شریف/ باب فی الانتعال ۲/۵۷۱)

اَب دیکھیں کہ حضرت کیا عمل کرتے ہیں؟ کیوں کہ بظاہر یہ دونوں باتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں (کہ جب بایاں پیر مسجد سے باہر نکالیں گے، تو عموماً بائیں جوتے میں پیر ڈالا جائے گا، اور جوتا پہننے کی سنت ترک ہو جائے گی۔ اور اگر مسجد سے پہلے دایاں پیر نکالیں تو مسجد سے نکلنے کی سنت ترک ہو جائے گی)

لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو اِس طرح جمع کیا کہ مسجد سے بایاں پیر نکال کر پہلے بائیں جوتے کے اوپر رکھ لیا، یعنی جوتے میں داخل نہیں کیا، پھر دایاں پیر نکالنے کے بعد جوتا پہنا، اس طرح دونوں سنتیں جمع ہو گئیں۔

عنداللہ محبوبیت کی بنیاد

واقعہ یہ ہے کہ اتباعِ سنت ہی سے آدمی کو عنداللہ محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔

جو آدمی جس قدر سنت کے سانچے میں ڈھل جائے گا، اُتنا ہی اللہ کی نظر میں محبوب بن جائے گا۔

اور جو اللہ کی نظر میں محبوب ہو جائے گا وہ اِن شاء اللہ بندوں کی نظر میں بھی مقبول ہو جائے گا۔

یاد رکھئے! مقبولیت زمین سے نہیں اُٹھتی؛ بلکہ اصل میں آسمان سے نازل ہوتی ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ [مريم: ٩٦]

(یعنی جولوگ ایمان لائے اور نیک اَعمال کئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبتیں ڈال دیتے ہیں)

اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

"إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادٰی جِبْرَئِیْلَ إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فَلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَیُحِبُّهُ جِبْرَئِیْلُ، فَیُنَادِيْ جِبْرَئِیْلُ فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ، إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فَلَانًا فَأَحِبُّوْهُ، فَیُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِيْ الْأَرْضِ". (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق / باب ذكر الملائكة ٤٥٦/١ رقم: ٢١٠٥)

(یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندہ کو محبوب بنالیا ہے، تم بھی اُس سے محبت کرو؛ چناں چہ جبرائیل علیہ السلام اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندہ کو محبوب بنایا ہے تم سب بھی اُس سے محبت کرو، پس تمام آسمان والے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اُس کے بعد اُس بندہ کے لئے پورے عالم میں قبولیت اُتار دی جاتی ہے)

خلاصہ یہ کہ جب آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سانچے میں ڈھلے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب بن جائے گا اور بندوں کا بھی محبوب بن جائے گا۔

ہمارے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کی بنیاد بھی یہی ہے کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں ڈھالا، تو وہ سارے عالم کے محبوب بن گئے۔

اُن کے ایسے شاگرد اور فیض یافتگان سے ملاقات ہوئی کہ جہاں اُن کے سامنے حضرت کا نام آیا، بس اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ حضرت کو تو اللہ تعالیٰ نے اِسی لئے پیدا کیا تھا کہ جو اُن کی زیارت کرلے وہ جنتی بن جائے۔

ابھی چند ماہ پہلے مدینہ منورہ میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو بنگال کے رہنے والے تھے، اُن کے والد حضرت کے خلیفہ اور شاگرد تھے، اُنہوں نے بتایا کہ میرا بچپن تھا، جب حضرت کی وفات کی خبر ملی تو میرے والد پر ایسا اثر ہوا کہ زمین پر لوٹے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ”ہائے ہمارے شیخ چلے گئے، ہائے ہمارے شیخ چلے گئے“۔ میں نے کبھی کسی کو ایسے روتے ہوئے نہیں دیکھا جیسے والد صاحب کو حضرت کی وفات پر دیکھا۔

ظاہر ہے کہ یہ کیفیت بغیر دلی محبت کے پیدا نہیں ہوسکتی۔

محترم بھائیو! آج ہم جن بزرگوں کا نام لیتے ہیں، اور اُن سے عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں، تو ہمیں اُن کے طریقوں پر بھی چلنا چاہئے۔

وہی کیفیات، وہی صفات اور وہی دلی جذبات ہمارے اندر ہونے چاہئیں۔

پھر ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر اچھے لوگوں سے ہمارا تعلق ہوگا تو اِن شاء اللہ ہماری نسلوں میں دین باقی رہے گا۔

اللہ والوں سے تعلق کی برکات

ہم نے یہ تجربہ کیا ہے کہ جن گھرانوں کے اندر نیک لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے، تو اللہ تعالیٰ آگے چل کر اُن گھرانوں میں علماء اور حفاظ پیدا کرتے ہیں۔

گویا کہ علماء اور مشائخ کی آمد ورفت سے یہ برکت ظاہر ہوتی ہے کہ پورا گھرانا دین کی طرف راغب ہوجاتا ہے۔

اِسی لئے قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ [التوبة: ۱۱۹] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو)

اس سے یہ نصیحت ملی کہ ہمارا تعلق ہمیشہ نیک لوگوں سے ہونا چاہئے، اور غلط کار اور بدکار لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اسی لئے قرآنِ کریم میں یہ دعا سکھلائی گئی: ﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۳] (یعنی نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیے)

اور حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا مانگی، جو ہم سب کے لئے بہترین نصیحت ہے:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ [یوسف: ۱۰۱] (اے اللہ! آپ ہی آسمان اور زمین کو بے مثال انداز میں بنانے والے ہیں، اور آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں، پس اِسلام کی حالت میں مجھے وفات دیجئے، اور پھر نیک لوگوں کے ساتھ مجھے ملحق اور شامل فرمائیے)

اِن دعاؤں کو اپنے معمولات میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی نیک لوگوں میں شامل فرمائیں۔

نیک لوگوں سے تعلق رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اور نیک لوگوں کے ہی ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۱)

فضائلِ قرآنِ کریم

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○ موضوعِ خطاب : فضائلِ قرآنِ کریم

○ خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ مقام : دارالعلوم کنتھاریہ بھڑوچ، گجرات

○ تاریخ : ۲۸/۱۰/۲۰۱۸ء بروز اتوار

○ دورانیہ : ۴۳/ منٹ

○ جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ. [الحجر: ۸۷] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَرَأَ طٰهٰ ويٰسٓ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ، فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِكَةُ قَالُوْا: طُوْبىٰ لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا، وَطُوْبىٰ لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا، وَطُوْبىٰ لِأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ هٰذَا.

(أخرجه الدارمي ۴۵٦/۲ رقم: ۳۲۹، وابن عدي ۲۱٦/۱، تفسير ابن كثير مكمل [طٰهٰ] ص: ۸۴۷ رياض)

حضرات علماء کرام، اَساتذۂ گرامی قدر، طالبانِ علومِ نبوت، قریب اور دور سے تشریف لانے والے معزز حاضرین!

یہ مجلس بہت ہی بابرکت ہے؛ اِس لئے کہ اِس مجلس میں دو چار نہیں؛ بلکہ ۹۲؍ حفاظِ کرام نے بیک وقت حفظ قرآنِ کریم کی تکمیل کی سعادت حاصل کی ہے۔

اگر ایک آدمی بھی کسی مجلس میں قرآنِ پاک مکمل کرلے وہ بھی بڑی بابرکت مجلس ہوتی ہے، جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ خادم رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآنِ پاک ختم کرتے، تو سب گھر والوں کو جمع فرماتے اور پھرمل کر دعا فرماتے تھے۔

(عن ثابت البناني عن أنس رضي اللّٰه عنه أنه كان إذا ختم القرآن جمع أهله و دعا). (الأذكار للنووي ١٤١، مجمع الزوائد ١٧٥/٧)

اور یہی معمول بعض دیگر سلف صالحین سے بھی منقول ہے۔ (شعب الایمان ۲/۳۶۸ رقم: ۲۰۷۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

تو جب ایک آدمی کے ختم پر دعاؤں کی قبولیت کی اُمید ہے تو یہاں تو ماشاء اللہ اتنی بڑی تعداد میں قرآنِ کریم ختم ہوئے ہیں، تو یقین ہے کہ اِن کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا مانگی جائے گی وہ قبول ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ اِن حفاظ کو اِس نعمت کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں اور تازندگی اِس کی بکثرت تلاوت کی سعادت سے بہرہ ور فرمائیں۔

اور اِن حفاظ کے والدین کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں، اور دارین کی عزت وعافیت سے نوازیں۔

نیز اِن حفاظ کو ان کے سبھی اَعزہ واقرباء کے لئے مغفرت، نجات اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

اِسی طرح اِس مدرسہ کے تمام منتظمین اور وہ تمام معاونین جن کی نگرانی، توجہ اور تعاون سے اِن حفاظ کو اِس نعمت کا شرف حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اُنہیں بھی دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔

قرآنِ کریم؛ عظیم نعمت

میرے بھائیو! اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ نے جو اِنعامات فرمائے، اُن میں ایک عظیم الشان اِنعام یہ قرآنِ کریم ہے، جو ہماری ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

یہ ایسی نعمت ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب بنا کر اپنا احسان جتلایا ہے۔

چناں چہ ہم نے شروع میں آپ کے سامنے ایک آیت کا ٹکڑا پڑھا تھا، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ [الحجر: ۸۷] یعنی ہم نے آپ کو سات باتیں عطا فرمائی جو بڑی قابلِ تعریف ہیں، اور ساتھ میں قرآنِ عظیم عطا کیا۔

یہ سات باتیں کیا ہیں؟

تو حضراتِ مفسرین نے اِس کی متعدد تفسیریں فرمائی ہیں، جن میں سے دو تفسیریں زیادہ مشہور ہیں:

(۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اِس سے وہ سات لمبی سورتیں مراد ہیں جنہیں ''سبعِ طوال'' کہا جاتا ہے۔ یعنی: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف، سورۂ انفال وسورۂ توبہ۔

اِن سورتوں میں بے شمار ہدایات، تعلیمات اور اَحکامات بیان کئے گئے ہیں، جو بجائے خود ''قرآنِ عظیم'' کا مصداق ہیں۔

(۲) اور دوسری رائے یہ ہے کہ اِن سات باتوں سے مراد ''سورۂ فاتحہ'' ہے، جو سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور یہ سات آیتیں قرآنِ پاک میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی آیات ہیں، اِس اعتبار سے مثانی کا ترجمہ ''مکرر پڑھی جانے والی آیتیں'' ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ قرآنِ پاک کا کوئی حصہ اُتنا زیادہ نہیں پڑھا جاتا جتنا سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اِسی لئے اِس کو ''اُم الکتاب'' کہا گیا۔

تو گویا کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآنِ پاک کی روح ہے، بایں طور کہ اِس میں قرآنِ پاک کے تمام بنیادی مضامین (توحید، رسالت اور آخرت) کا اِجمالی ذکر کردیا گیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آپ کو یہ سات آیتیں عطا کی ہیں جو قرآنِ عظیم ہیں، یعنی پورے قرآن کا خلاصہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۷۳۵-۷۳۶، بیان القرآن ۸۳۹/۱)

قرآن پڑھنے والوں کے لئے فرشتوں کی طرف سے مبارک باد

اِسی طرح ایک حدیث ہم نے آپ کے سامنے پڑھی تھی، جس میں صحابیِ رسول سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے ''سورۂ طٰہٰ'' اور ''سورۂ یٰس'' کی تلاوت فرمائی۔

ظاہر ہے کہ جب آسمان وزمین کچھ بھی موجود نہ تھے، تو اِنسانوں کا کیا تصور ہوسکتا ہے؟ وہاں تو صرف فرشتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی اِس تلاوت کو سن رہے تھے، اُنہیں یہ سورتیں بڑی اچھی لگیں، اور جب اُنہوں نے سنا تو اُن کی زبان پر مبارک بادی کے تین جملے صادر ہوئے۔

اور واضح ہو کہ اُس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہاں تشریف فرما نہیں تھے؛ لیکن آپ کو بذریعہ وحی خبر دی گئی؛ تاکہ اُمتِ محمدیہ کے اَفراد کا سر فخر سے بلند ہو جائے کہ اُس زمانہ میں جب کہ ہمارا کوئی وجود بھی نہ تھا، نہ سورج نہ چاند اور نہ زمین وآسمان کچھ نہیں تھا۔ اُس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن سورتوں کو پڑھا اور فرشتوں نے سنا، اور پھر فرشتوں نے مبارک بادی۔

فرشتوں نے پہلا جملہ یہ فرمایا: ''طُوْبیٰ لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا'' یعنی بڑی بشارت اور مبارک بادی ہے اُس اُمت کے لئے جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی۔

اِس اُمت کا مصداق ''اُمتِ محمدیہ'' ہے، گویا کہ ہم سب کو فرشتوں کی طرف سے مطلق مبارک بادی ملی کہ ہم میں سے کوئی اگر اِن سورتوں کو پڑھے یا نہ پڑھے تو بھی اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے وہ اِس مبارک بادی کا مستحق ہے۔

پھر فرمایا: ''وَطُوْبیٰ لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا'' یعنی بشارت اور کامیابی ہے اُن سینوں کے لئے جو اِن سورتوں کو محفوظ رکھیں گے۔

یہ حفاظِ کرام کے سینے ہیں، جو پورا قرآنِ پاک یاد کریں، ساتھ میں ''سورۂ طٰہٰ'' اور ''سورۂ یٰس'' بھی یاد کریں۔

تو اِن سورتوں کا یاد رکھنا اور اُن کی تلاوت کرنا فرشتوں کی طرف سے باعثِ مبارک بادی ہے۔

اور فرشتوں نے تیسرے نمبر پر فرمایا: ''وَطُوْبٰی لِاَلْسِنَةٍ تَتَکَلَّمَ هٰذَا'' یعنی بہت ہی مبارک ہیں وہ زبانیں جن زبانوں سے یہ سورتیں پڑھی جائیں گی۔

معلوم ہوا کہ وہ زبانیں بھی بڑی بابرکت اور قابلِ مبارک باد ہیں جن سے قرآنِ پاک کی آیات، قرآنِ پاک کے معانی اور اُس کے مضامین صادر ہوتے ہیں۔

حفظِ قرآن کی دولت

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم اور اِنعام ہے کہ یہ قرآنِ پاک اَہلِ اِیمان کے سینوں میں محفوظ ہو جاتا ہے، دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اِس طرح حفظ کی جاتی ہو اور اِس طرح پڑھی جاتی ہو۔

ساری دنیا کے مذاہب اور اُن کی کتابوں کا آپ جائزہ لے لیں، گیتا ہو، رامائن ہو، بائبل ہو یا انجیل اور تورات ہو، اِن کو دیکھ کر پڑھنے والے بھی بہت کم ہیں، حفظ کرنا تو دور کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اِمتیاز صرف قرآنِ پاک کو عطا فرمایا ہے، اِسے پڑھا بھی جاتا ہے اور یاد بھی کیا جاتا ہے۔

اور جو یاد رکھنے والے ہیں وہ بہت زیادہ فضیلت کے حامل اور بشارت کے مستحق ہیں۔

اِس لئے خاص طور پر ہمیں شکر بجالانا چاہئے کہ ہمارے اِن مدارس میں جو قرآنی علوم پڑھنے اور پڑھانے والے ہیں، وہ فرشتوں کی اِن مبارک بادیوں کے اَولین مستحق ہیں۔

اللہ نے یہ سعادت ہمیں عطا فرمائی ہے، اِس کی قدر کرنی چاہئے۔

قرآنِ کریم کے ذریعہ آدمی بے حدوحساب نیکیوں کو جمع کرسکتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ''قرآنِ کریم پڑھنے سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں''۔

(ترمذی شریف/ ابواب فضائل القرآن حدیث: ۲۹۱۰)

اور بعض سورتیں ایسی ہیں کہ جن کے اَجر وثواب کو الگ سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران

چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو لوگ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو یاد کر کے پڑھنے والے اور اُن پر عمل کرنے والے ہوں گے، تو میدانِ حشر میں اِس حالت میں آئیں گے کہ اُن کی رہنمائی اور قیادت یہ دونوں سورتیں کر رہی ہوں گی۔

اور فرمایا کہ اِس کی تین مثالیں ہیں، جیسے کوئی سائبان ہو، یا جیسے کوئی بادل کا ٹکڑا ہو، یا فضا کے اندر صف بستہ اُڑنے والے پرندے ہوں، جن کا سایہ زمین پر پڑتا ہو، اِسی طرح یہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر سائبان بن کر چلیں گی۔ (صحیح مسلم ۸۰۴، سنن الترمذی/ باب ماجاء فی سورۃ آل عمران ۱۱۶/۲ اشرفیہ دیوبند، مصنف عبدالرزاق رقم: ۵۹۱۱، المسند للامام احمد ۲۴۹/۵-۲۵۴ بحوالۃ: تفسیر ابن کثیر ۴۳/۱ از کریا)

یہ ایک بڑا اَعزاز واِکرام ہوگا کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لشکر بھیجنے کا اِرادہ فرمایا، اور لشکر کے اَمیر کے انتخاب کے لئے آپ نے حاضرین کا جائزہ لینا شروع کیا، آپ ہر ایک کو بلا کر یہ پوچھنے لگے کہ تمہیں قرانِ پاک کی کون کون سی سورتیں یاد ہیں؟

کسی نے دو سورتیں، کسی نے تین سورتیں بتلائیں۔

اِسی دوران ایک نوجوان لڑکا جو حاضرین میں شامل تھا، حضرت نے اُس سے پوچھا، ''تمہیں کیا یاد ہے؟''

اُس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے، اور سورۂ بقرہ بھی یاد ہے۔

حضور نے فرمایا کہ: ''اچھا! تمہیں پوری سورۂ بقرہ یاد ہے؟

لہٰذا تم ہی امیر ہو، جھنڈا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔

اُس نوجوان کو جب یہ جھنڈا مل گیا، تو اُس جماعت میں ایک عمر دراز اور برادری کے باوقار آدمی بھی تھے (اُن کو ذرا احساس ہوا کہ ہم پیچھے رہ گئے، اور اِس نوجوان کو جھنڈا مل گیا) تو اُنہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی کہ ہم نے تو ''سورۂ بقرہ'' اِس

خطرہ سے یاد نہیں کی کہ بعد میں کہیں ہم بھول نہ جائیں۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

''قرآن پڑھو اور قرآن پڑھاؤ، جو پڑھے گا اور سیکھے گا اور اُس کے بعد تلاوت کرے گا، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک سے بھری ہوئی ڈبیا کو کھول دیا جائے، اور سارے مجمع میں خوشبو پھیل جائے اور جو پڑھ لے گا مگر زیادہ تلاوت اور یاد کرنے کا اہتمام نہ رکھے گا تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک کی ڈبیا ہو مگر بند ہو''۔ (سنن الترمذی/ باب ماجاء فی فضل سورۃ البقرۃ ۱۱۹/۲ المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

تو معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم پڑھنا کسی بھی حال میں فائدہ سے خالی نہیں ہے؛ لٰہذا یہ سوچ کر کہ بعد میں کہیں بھول نہ جائیں، قرآن سیکھنے میں سستی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اِس واقعہ سے حضرات علماء کرام اور مفسرین نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ قوم کی قیادت وامارت کے لئے سب سے زیادہ مستحق وہ آدمی ہے جس کے پاس قرآنِ پاک کا علم سب سے زیادہ ہو، اِسی لئے آپ نے اُس نوجوان کو اَمیر بنایا تھا۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی وہاں عبادت اور تلاوت کا سلسلہ جاری رکھو، اور وہاں قبرستانوں کی طرح سناٹا نہیں ہونا چاہئے) اور جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، وہاں شیاطین اور آسیب وغیرہ کا اثر نہیں ہوتا''۔ (ترمذی شریف، ابواب فضائل القرآن/ باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی ۱۱۵/۲)

سورۂ یٰس شریف کی فضیلت

اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو آدمی صبح کے وقت ''سورۂ یٰس شریف'' کی تلاوت کرے تو اُس کی ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں گی۔ (سنن الدارمی/ کتاب فضائل القرآن حدیث: ۳۴۶۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ ''اگر کوئی شخص خلوص کے ساتھ رات میں ''سورۂ یٰس'' پڑھ لے، تو اُس رات اُس کی مغفرت کردی جاتی ہے''۔ (سنن الدارمی/ کتاب فضائل القرآن حدیث: ۳۴۶۰)

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے، اور قرآنِ کریم کا دل سورۂ یٰس ہے، جو شخص یہ سورت پڑھے اُس کو دس مرتبہ مکمل قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب ملتا ہے''۔

ومن قرأ یٰسٓ کتب اللّٰہ لہ بقراء تھا قراء ۃ القرآن عشر مراتٍ. (سنن الترمذي ۱۱۶/۲ المکتبة الأشرفية ديوبند، سنن الدارمي رقم: ۳۴۶۹)

لہٰذا کوئی باقاعدہ حافظ ہو یا نہ ہو، اُسے بہرحال ہر دن کم سے کم ایک مرتبہ سورۂ یٰس شریف پڑھنے کا اہتمام رکھنا چاہئے، اِن شاء اللہ اُس کی برکتیں حاصل ہوں گی۔

سورۂ اِخلاص کی فضیلت

اِسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو آدمی سورۂ اِخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھے، تو اُسے تہائی قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن صحابہؓ سے فرمایا کہ:

''کیا میں تمہیں تہائی قرآن پڑھ کر نہ سناؤں؟''

صحابہؓ نے فرمایا کہ حضرت ضرور سنایئے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی، اور پڑھ کر کمرے میں تشریف لے گئے۔

صحابہ کرامؓ سمجھے کہ کوئی ضرورت پیش آگئی ہے، ابھی واپس آکر بقیہ قرآن سنائیں گے، اِس لئے سب وہیں بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر میں جب آپ تشریف لائے، تو دیکھا کہ سب بیٹھے ہوئے ہیں۔

پوچھا کیا بات ہے، سب یہیں جمع ہو؟

صحابۂ کرامؓ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے فرمایا تھا کہ تہائی قرآن پڑھیں گے، ابھی تو صرف سورۂ اِخلاص پڑھی ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہی تو تہائی قرآن ہے''۔ (سنن الترمذی ۲/۱۱۷-۱۱۸ مکتبہ اَشرفیہ دیوبند)

اور صحیح حدیث میں ایک انصاری صحابی کا ذکر ہے کہ وہ مسجد قبا کے اِمام تھے، اور وہ جب بھی نماز پڑھاتے تو قرأت کی ابتداء ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے کرتے، اُس کے بعد دوسری سورت ملاتے تھے، اور ہر رکعت میں اُن کا یہی عمل تھا، تو نمازیوں نے اُن سے کہا کہ:

''آپ ''سورۂ اِخلاص'' پڑھتے ہیں؟ پھر آپ اُسے کافی نہیں سمجھتے اور بعد میں دوسری سورت ملاتے ہیں؟ یا تو آپ صرف ''سورۂ اِخلاص'' پڑھا کریں، یا اِسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھا کریں''۔

تو اُن صحابی نے جواب دیا کہ ''میں تو سورۂ اِخلاص'' چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر تمہیں میری اِمامت اِسی طرح منظور ہے تو فبہا، اور اگر پسند نہ ہو تو میں اِمامت چھوڑنے کو تیار ہوں''۔

لیکن لوگ اُنہیں اپنے میں سب سے اَفضل سمجھتے تھے، اور اُن کے بجائے دوسرے کو اِمام بنانا پسند نہ کرتے تھے (اِس لئے نماز پڑھتے رہے)

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن قبا تشریف لائے تو لوگوں نے اُن اِمام صاحب کی پوری بات آپ ﷺ کو بتادی۔

تو آپ ﷺ نے اِمام صاحب سے بلاکر پوچھا کہ: ''آخر کیا بات ہے؟ تم اپنے مقتدیوں کی بات نہیں مانتے، اور تمہیں ہر رکعت میں اِس سورت کو پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کر رکھا ہے؟''

تو اُنہوں نے عرض کیا کہ: ''مجھے یہ سورت بہت پسند ہے''۔

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو بشارت سنائی کہ: ''حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ''۔ یعنی تمہارا سورۂ اِخلاص سے محبت رکھنا تمہیں جنت تک پہنچائے گا۔ (بخاری شریف/ باب الجمع بین السورتین فی الرکعۃ حدیث: ۷۷۴)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صاحب کو اَمیر بنا کر بھیجا، اُن کا یہ معمول تھا کہ جب نماز پڑھاتے تو جب بھی کوئی سورت پڑھتے، تو آخیر میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ضرور پڑھتے تھے۔

مثلاً: ﴿وَالضُّحٰی﴾ پڑھی، پھر اخیر میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی، اِس طرح اُن کی کوئی رکعت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو پیغمبر علیہ السلام کے دربار میں تذکرہ ہوا کہ اَمیر صاحب نے ایسا ایسا کیا ہے؟

تو حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اُن سے پوچھو کہ اُنہوں نے کس وجہ سے ایسا کیا؟'' چناں چہ لوگوں نے اُن سے پوچھا، تو اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''چوں کہ اِس سورت میں رحمٰن کی صفات بیان ہوئی ہیں، اِس لئے مجھے اُس سورت سے بہت محبت ہے؟''

تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''انہیں بشارت سنادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے محبت رکھتے ہیں''۔ (بخاری شریف/ کتاب التوحید حدیث: ۷۳۷۵، مسلم شریف/ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ حدیث: ۸۱۳، سنن النسائی/ کتاب الافتتاح حدیث: ۹۹۳)

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو آدمی ہر نماز کے بعد ۱۰ر مرتبہ سورۂ اِخلاص پڑھ لے تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوگا، اور جس حور سے چاہے اُس کا نکاح کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۴۷۲ دار السلام ریاض)

سورۂ ملک کی فضیلت

اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ایک سورت ایسی ہے جو تیس آیتوں پر مشتمل ہے، وہ اپنے پڑھنے والے کے لئے سفارش کرے گی، یہاں تک کہ اُس کی بخشش ہوجائے، اور وہ ''سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک'' ہے''۔ (ترمذی شریف، ابواب فضائل القرآن/ باب ما جاء فی سورۃ الملک ۲/ ۱۱۷)

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سورۂ ملک'' کو ''المنجیة'' کا لقب دیا، یعنی وہ عذابِ قبر سے نجات دلانے والی سورت ہے۔ (ترمذی شریف، ابواب فضائل القرآن/ باب ما جاء فی سورۃ الملک ۲/ ۱۱۷)

سورۂ واقعہ کی فضیلت

اورسیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص ہر رات ''سورۂ واقعہ'' پڑھے، تو کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا''۔ (شعب الایمان للبیہقی ۲/۴۹۱ رقم: ۲۴۹۸-۲۴۹۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ اُسے روزی میں تنگی سے محفوظ رکھیں گے اور وسعت والی روزی عطا فرمائیں گے۔

سورۂ کہف کی خاصیت

اورایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے وہ آٹھ دن تک ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رہے گا؛ حتیٰ کہ اِس درمیان اگر دجال ظاہر ہوجائے تو اُس کے فتنے سے بھی حفظ واَمان میں رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۸۰۳ دارالسلام ریاض، ۴/۱۹۴ زکریا)

اورآج کل فتنوں کا زمانہ ہے، جیسے جیسے قیامت قریب آرہی ہے، فتنے بڑھتے چلے جارہے ہیں، اُن فتنوں سے حفاظت کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص جمعہ کے دن ''سورۂ کہف'' پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اُس دن سے لے کر اگلے جمعہ تک اُس کے لئے روشنی ہی روشنی کردیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۸۰۳ دارالسلام ریاض، ۴/۱۹۴ زکریا)

تو یہ چند سورتوں کے بارے میں ہم نے عرض کیا؛ تاکہ ہم اپنے معمولات میں انہیں داخل کریں۔

حفاظ کرام کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، اگر وہ تھوڑی توجہ کریں تو بآسانی پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن جو حفاظ نہیں ہیں انہیں بھی اِس کا اہتمام کرنا چاہئے، اگر زبانی یاد ہوجائے تو کیا کہنے؟ اوراگر یہ نہ ہوسکے تو دیکھ کر ہی پڑھ لیا کریں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف حفظ پڑھنے پر ہی ثواب نہیں؛ بلکہ ناظرہ پڑھنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔

حفاظِ کرام سے خصوصی درخواست

حفاظِ کرام کی خدمت میں یہ بات عرض کرنی ہے کہ اُنہیں اوروں سے زیادہ تلاوت کی فکر کرنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ یہ سمجھیں کہ ہم تو حافظ ہیں، ہمیں روزانہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

ہمارا کام تو خالی رمضان کا ہے، تراویح سن لیں یا سنا دیں، باقی اَوقات میں چھٹی ہے۔

یہ نظریہ ٹھیک نہیں ہے۔

بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو دولت دی ہے سال بھر اُس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

اپنی نفلوں میں، سنتوں میں اور خالی اَوقات میں قرآنِ پاک کی تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

آپ اگر قرآنِ کریم سے اپنا رابطہ جوڑیں گے تو اُتنا ہی اللہ کا کرم آپ کے اُوپر ہوگا، اور اُس تک پہنچنے کے راستے آسان ہو جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس آدمی کے سینے میں قرآن محفوظ ہے، وہ کہیں بھی اکیلا نہیں ہے۔

بلکہ قرآن اُس کا رفیق ہے۔

قرآن اُس کا مونس ہے۔

قرآن اُس کا دوست ہے۔

یہ ایسا رفیق ہے کہ اِس سے بہتر کوئی رفیق نہیں ہوسکتا۔

دنیا کے رفیق تو بس یہیں کام آئیں گے۔

قرآن ایسا رفیق ہے کہ قبر میں بھی کام آئے گا، وہاں عذاب سے حفاظت کرے گا۔ (اخرجہ الطبرانی، شرح الصدور ۱۸۹ دار ابن کثیر)

اور میدانِ حشر میں اپنے حافظ کو لے کر آئے گا، اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کرے گا کہ الٰہ العالمین! اِس کی آپ عزت اَفزائی فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ اُس حافظِ قرآن کو عزت کا تاج پہنائیں گے۔

قرآنِ کریم کہے گا: ’’اَللّٰھُمَّ زِدْہُ‘‘ (الٰہ العالمین! اور عطا کیجئے)

تو اللہ تعالیٰ اُسے عزت کا جوڑا عطا فرمائیں گے۔ (سنن الترمذی/ باب ما جاء فی فضل تعلیم القرآن ۲/۱۱۹)

حافظِ قرآن کے والدین کا اعزاز

باعمل حافظِ قرآن کے والدین کے لئے بھی یہ قرآن موجبِ سعادت ہے، اُنہیں ایسا تاج

پہنایا جائے گا، جس کی روشنی ایسی زبردست ہوگی گویا کہ گھر میں سورج اُتر آیا ہو۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ/ باب فی ثواب قراءۃ القرآن ۱/۲۰۵ حدیث:۱۴۵۳، مشکوٰۃ شریف ۱۸۶)

آج دنیا میں حافظ کے والدین کو طعنے سننے پڑتے ہیں؛ لیکن قیامت کے دن اُن کی عظیم عزت اَفزائی پر لوگ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ اور اُن کو طعنہ دینے والے حسرت کریں گے۔

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا تذکرہ

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ جماعت دعوت وتبلیغ کے بہت بڑے مبلغ تھے، اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ اُن کے بچپن کے اُستاذ مولانا عبدالحفیظ صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ہمارے حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، ہم نے بھی اُنہیں دیکھا ہے، وہ بڑے ہی سادہ بزرگ تھے، اور بہت ہی تنگی کے ساتھ گذر بسر کرتے تھے، حتی کہ اگر چشمے کی کمانی ٹوٹ جاتی تو اُس میں دھاگا باندھ کر کان پر لپیٹ لیتے تھے، گول سا چشمہ پہنتے تھے، چپل کی پٹی ٹوٹ جاتی تو اُس میں کوئی چیز باندھ لیتے تھے، مولانا موصوف پالن پور گجرات کے ایک گاؤں ''گھٹامن'' میں مکتب پڑھایا کرتے تھے، جو حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کا وطن تھا۔ مولانا محمد عمر صاحبؒ اُن کے پاس مکتب میں پڑھتے تھے۔

ایک عرصہ کے بعد مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ نے وہاں کی اِقامت چھوڑ کر اپنے وطن بلند شہر آنے کا اِرادہ فرمایا، تو حضرت مولانا محمد عمر صاحب کی والدہ بہت غریب تھیں، اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا بچہ کچھ دین پڑھے۔

تو مولانا عبدالحفیظ صاحب نے کہا کہ میں تو یہاں سے جا رہا ہوں، اَب ایک ہی شکل ہے کہ تم ''عمر'' کو میرے ساتھ بھیج دو؟ میں اپنے پاس رکھ کر پڑھاؤں گا۔

تو والدہ نے قرض اُدھار کرکے اُس زمانے میں پچاس روپئے دئے کہ یہ بچہ آپ کے حوالے ہے، آپ اسے علم دین سکھائیں۔

جب مولانا عبدالحفیظ صاحب اُس بچے کو لے کر بلند شہر آگئے تو خاندان کے لوگ والدہ کے پاس پہنچے، اور کہنا شروع کیا کہ:

’’بچہ اگر اسکول پڑھتا تو ڈگری ملتی، اور فلاں مقام ملتا، اور ملازمت ملتی، گھر کے حالات درست ہوتے، اور تم نے تو مولوی کے سپرد کردیا، وہ بے چارہ کیا پڑھے گا؟ تم نے اُس پر بڑا ظلم کیا؟‘‘

والدہ سنتی رہیں، جب بہت سے لوگوں نے کہا تو ایک دن جوش میں آگئیں اور فرمایا کہ:

’’کیا دنیا دنیا کی رٹ لگا رکھی ہے، میں یقین سے کہتی ہوں کہ ایک دن آئے گا کہ ’’میرے پیارے عمرؒ‘‘ کی ٹھوکروں میں دنیا ہوگی‘‘۔

مولانا فرماتے تھے کہ والدہ کی زبان سے نکلی ہوئی یہ بات ایسی سچی ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے غیب سے روزی کے دروازے کھول دئے۔

اس لئے جو اللہ پر یقین کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو محروم نہیں فرمائیں گے؛ کیوں کہ روزی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہے جتنا چاہے عطا کرے۔

علم پڑھنا پڑھانا صرف اللہ کی رضا جوئی اور دین کی نشرواشاعت کے مقصد سے ہونا چاہئے۔

آپ اللہ کے لئے کام کریں گے تو اللہ آپ کے لئے راستے کھول دیں گے۔

خاص طور پر حفاظِ کرام تلاوت کا اہتمام رکھیں، اِن شاءاللہ دنیا میں بھی عافیت والی زندگی ملے گی، اور آخرت میں بھی عزت نصیب ہوگی۔

جن بانیان ومعاونین مدرسہ کا آج تذکرہ کیا گیا، اِن شاءاللہ اُن کی اَرواح کو بھی خوشی حاصل ہورہی ہوگی، اِن بچوں کے اَجر وثواب میں اُن کا بھی حصہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اِن اِداروں کو اُن سب کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں، اور اِس گلشن کو آباد رکھیں، آمین۔

اور دنیا میں جہاں جہاں بھی قرآنی اور دینی اِدارے قائم ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سب کی حفاظت فرمائیں، دین کو سربلندی عطا فرمائیں، نسلوں میں دین واِیمان کی بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۲)

ظاہر و باطن کی اِصلاح

(طلبہ اور علماء سے گفتگو)

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:
(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری
مدرسہ دارالتوحید بنگلور

- موضوعِ خطاب : ظاہر و باطن کی اِصلاح (طلبہ اور علماء سے گفتگو)
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامعہ مسیح العلوم بنگلور
- تاریخ : ۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۷؍اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ
- دورانیہ : ایک گھنٹہ ۸؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

○

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارك وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارك وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. [حم السجدة: ۳۳] صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم.

معزز علماء کرام، دانشورانِ قوم وملت اور طالبانِ علومِ نبوت!

اِس وقت جس اہم اصلاحی موضوع (علماء اور طلبہ کی ذمہ داریاں) پر گفتگو کرنے کا اِس ناکارہ کو حکم دیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت اہم موضوع ہے، جس کو ہر موڑ پر پیشِ نظر رکھنا

چاہئے؛ اور اپنی ظاہری وباطنی اِصلاح سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے، اس کے بغیر ہماری زندگی ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم اور اِنعام ہے کہ اُس نے لاکھوں کروڑوں لوگوں میں سے ہمیں منتخب کر کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

دین کی خدمت کے بہت سے شعبے اور بہت سی صورتیں ہیں، جس شعبہ سے بھی ہم وابستہ ہوں اُس کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھیں، اور اپنی ذمہ داری کما حقہٗ اَدا کرنے کی کوشش کریں۔

تدریسی خدمت

اگر اللہ تعالیٰ نے تدریس کی خدمت عطا کی ہے تو اُس کا بھی حق اَدا کرنا چاہئے، اور اُس کا حق یہ ہے کہ کامل توجہ اور محنت کے ساتھ ہم اپنی ذمہ داری انجام دیں، درس گاہ میں مطالعہ اور پوری تیاری کر کے حاضر ہوں، اور طلبہ کے ساتھ اس طرح شفقت اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں جیسے کوئی مشفق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ علم میں اصل اِضافہ طالبِ علمی کے دور میں نہیں؛ بلکہ تدریسی زندگی میں ہوتا ہے؛ کیوں کہ طالبِ علم جب تک طالبِ علم رہتا ہے، تو اکثر اُس کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ میں کسی طرح اِمتحان میں پاس ہوجاؤں یا اعلیٰ نمبرات حاصل ہوجائیں۔

لیکن جب اُستاذ درجہ میں پڑھانے کے لئے آتا ہے، تو اَب اُس کی فکر یہ ہوتی ہے کہ میں خود بھی سمجھوں، اور طلبہ کو بھی سمجھاؤں، اس سے علم میں ترقی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کا تدریسی مشغلہ

اِسی لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ جب دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے والدِ ماجدؒ کے ساتھ مدینہ منورہ جانے لگے، تو آپ کے مشفق ترین اُستاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ آپ کو رخصت کرنے کے لئے بذاتِ خود

دیوبند کے اسٹیشن تک پیدل تشریف لائے، اور راستہ میں اپنے محبوب شاگرد کو پرزور طور پر نصیحت فرمائی: ''پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا، چاہے ایک دو ہی طالبِ علم ہوں''۔(نقش حیات ۶۹ دارالاشاعت کراچی)

چناں چہ حضرتِ مدنیؒ نے اپنے جلیل القدر استاذ کی اِس نصیحت کو ایسا گرہ سے باندھا کہ مدینہ منورہ جاکر مسجد نبوی میں تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اور اِس قدر محنت کی کہ ہم اور آپ اُس کا تصور ہی نہیں کرسکتے۔

حضرتؒ نے ''نقشِ حیات'' میں لکھا ہے کہ: ''وہاں کا طریقہ یہ تھا کہ اَساتذہ شروحات کو سامنے رکھ کر درس دیتے تھے اور میں نے یہ طریقہ اپنایا کہ اَصل کتاب کو بھی سامنے نہیں رکھتا تھا، شرح تو دور رہی، صبح کو جو سبق پڑھانا ہوتا تھا، اُس کی پوری تیاری کرکے جاتا تھا، اور دن رات میں چودہ اسباق پڑھایا کرتا تھا، اور رات میں بہت کم سونے کا وقت ملتا تھا''۔(ملخصاً: نقش حیات ۶۹-۱۱۵-۱۱۶ کراچی)

تو حضرت مدنیؒ ویسے ہی ''شیخ الاسلام'' نہیں بن گئے؛ بلکہ اتنی محنت، مجاہدے اور کامل یکسوئی کے ساتھ تقریباً ساڑھے چودہ سال خالص درس وتدریس کے مشغلے میں گذارے ہیں، تب اللہ نے اُنہیں ''شیخ الاسلام'' بنایا۔

تو پتہ چلا کہ تدریس سے علم میں ترقی ہوتی ہے، اور یہ طلبہ جو ہم سے پڑھنے کے لئے آرہے ہیں، یہ ہمارے محسن ہیں، اُن کی قدر دل میں ہونی لازم ہے۔

حضرت محی السنہؒ کا قیمتی ملفوظ

ہمیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کی خدمت میں ''ہردوئی'' حاضر ہوئے، تو حضرت نے بہت ہی اہتمام کے ساتھ گفتگو فرمائی، اَساتذہ کا مجمع تھا، خاص طور پر یہ فرمایا کہ ''اِن طلبہ کو اپنے لئے محسن سمجھو، یہ تمہارے لئے تین طرح کے محسن ہیں:

(۱) یہ محسنِ علم ہیں۔

(۲) یہ محسن معاش ہیں۔

(۳) یہ محسن معاد ہیں''۔

حضرتؒ کا ارشاد بالکل بجا ہے؛ کیوں کہ اگر طلبہ نہ ہوں تو استاذ کس کو پڑھائے گا؟ استاذ کا علم اسی سے تازہ رہتا ہے کہ اس کے سامنے طلبہ آتے ہیں اور اپنا ذہن اس کے علم کی تخم ریزی کے لئے پیش کرتے ہیں، اس سے استاذ کے علم میں اِضافہ ہوتا ہے۔

اَساتذہ کو یہ تجربہ ہوگا کہ بسا اوقات ذہین اور محنتی طلبہ؛ ایک اُستاذ کو اچھا اُستاذ بننے پر مجبور کردیتے ہیں۔ اگر درس گاہ میں سمجھ دار اور اچھے طلبہ ہوتے ہیں تو اُستاد کو ان طلبہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ علمی نفع پہنچاتے ہیں، تو طلبہ کے ''محسنِ علم'' ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اسی طرح حضرتؒ کا یہ فرمانا کہ: ''یہ طلبہ محسنِ معاش ہیں'' اس میں بھی کوئی شک نہیں: کیوں کہ جتنے زیادہ طلبہ آئیں گے اسی اعتبار سے مدارس میں اَساتذہ کے لئے ملازمت کی جگہیں زیادہ نکلیں گی۔

اور اگر طلبہ نہ رہیں تو پہلے سے جو اَساتذہ پڑھا رہے ہیں اُن سے بھی مدرسہ والے معذرت چاہ لیں گے کہ جب طلبہ نہیں رہے تو اساتذہ کا کیا کام؟ اِس اعتبار سے بلا شبہ یہ طلبہ ''محسنِ معاش'' بھی ہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ طلبہ ''محسنِ معاذ'' ہیں، یعنی استاذ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، اور آخرت میں رفع درجات کا سبب ہیں۔

ذرا غور فرمایئے کہ ایک آدمی کی حقیقی صلبی اَولاد آخر کتنی ہوسکتی ہے؟ تو زیادہ سے زیادہ دس بیس ہو جائے گی؛ لیکن جس طالبِ علم نے آپ سے پڑھ لیا، وہ آپ کی روحانی اَولاد بن گیا، اور ایسے طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہوسکتی ہے۔

اور یہ طلبہ استاذ کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی اس کے لئے دعائیں کریں گے، اور اُن کے ذریعہ جو آگے علم پہنچے گا، اُس میں بھی استاذ کے لئے ثواب کا حصہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس لئے اِن طلبہ سے اُستاذ کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ بسا اَوقات صلبی اَولاد سے بھی نہیں پہنچ سکتا، اسی بنا پر اچھا مدرس اپنے طلبہ کی قدر کرتا ہے، اور اُن کی خیر خواہی کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھتا ہے، اور اُن کا شکر گذار رہتا ہے کہ اُنہوں نے اپنا سینہ ہمارے علم کے لئے کھول رکھا ہے۔

فتویٰ نویسی کی خدمت

میرے دوستو اور بزرگو! اِسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے فتویٰ نویسی کی خدمت میں لگا رکھا ہے، اسے بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر گذار رہنا چاہیے، یہ بڑی عظیم الشان دینی خدمت ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ: ’’وہ علم جس کا یقینی اور نقد فائدہ آدمی کو ملتا ہے وہ فتویٰ دینے کا علم ہے‘‘۔

پھر حضرت نے اس کی وضاحت فرمائی کہ مثلاً آپ مدرس ہیں، تو ممکن ہے کہ آپ پوری تیاری کریں، مگر طلبہ نا اہل ہوں، وہ اُس سے فائدہ نہ اُٹھا پائیں۔

اسی طرح آپ مقرر اور واعظ ہیں، تو ممکن ہے کہ آپ شاندار بیان کریں؛ لیکن لوگ اُس سے کوئی اَثر نہ لیں۔

اسی طرح آپ اچھے مصنف، مضمون نگار اور اِنشاء پرداز ہیں؛ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی تحریریں نہ پڑھی جائیں، یا پڑھی جائیں؛ لیکن لوگ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

لیکن اس کے برخلاف جب ایک مستفتی سوال لے کر مفتی کے پاس آتا ہے تو اِس بات کا غالب گمان ہوتا ہے کہ وہ آپ کے فتویٰ پر عمل کرے گا۔ (مستفاد: فتویٰ: تعارف، اُصول وآداب ۴۳۶)

اس لئے یہ بڑی عظیم نعمت ہے، اِس کے حق کی ادائیگی کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔

مفتی کو کامل اعتماد اور شرحِ صدر کے بغیر کسی بھی مسئلہ کے بارے میں نہ زبان چلانی چاہیے اور نہ قلم ہلانا چاہیے؛ کیوں کہ مفتی کی حیثیت ایک عام عالم کی نہیں؛ بلکہ اُس کا قول، اس کی تحریر اور اس کا عمل سب لوگوں کی نظر میں حجت سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کو اوروں سے زیادہ احتیاط والی زندگی گذارنی چاہیے۔

وعظ وخطابت کی بے احتیاطیاں

اِسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو قوتِ بیان کی دولت سے نوازا ہو، تو اُس پر بھی شکر گذاری لازم ہے، اور اس کو اپنی یہ صلاحیت دین پر لگانے کی فکر کرنی چاہیے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [حم السجدة: ۳۳] (یعنی اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں)

اس لئے واعظ اور خطیب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ محنت اور تیاری کر کے ضرورت اور تقاضے کے مطابق آسان اور دل نشیں انداز میں دینی مضامین امت تک پہنچائے، اور اِس میں بے احتیاطی نہ کرے۔

وعظ وخطابت کے میدان میں دو طرح کی بے احتیاطیوں سے خاص طور پر بچنا چاہئے:

(۱) اولاً یہ کہ تقریریں اپنی ناموری اور شہرت کے لئے نہ کی جائیں؛ کیوں کہ یہ وعظ وتقریر کا سب سے بڑا فساد ہے۔ دنیوی مقاصد سے کی جانے والی تقریروں سے عموماً کوئی دینی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) اور وعظ وخطابت کی دوسری بے احتیاطی یہ ہے کہ آدمی نئی بات بیان کرنے کے شوق میں بے سند باتیں بیان کرے، یا ایسے واقعات ذکر کرے جن کی کوئی اصل نہ ہو، یا آیات واَحادیث کی ایسی تشریح کرے جن کا سلفِ صالحین سے کوئی ثبوت نہ ہو۔ تو یہ خطابت کی دوسری بڑی بے احتیاطی ہے، جس سے بچنا لازم ہے۔

آج کل تقریروں کی بہت سی کتابیں بازاروں میں دستیاب ہیں، تو جب تک اُن باتوں کی معتبر حوالوں سے تحقیق نہ ہو جائے، تو آپ اُس پر یقین نہ کریں اور نہ اسے آگے بیان کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرآنِ کریم اور اَحادیثِ شریفہ کی صورت میں عظیم الشان مواد عطا کر دیا ہے، اگر ہم اُسی کو بیان کرتے رہیں تو مضامین ختم نہ ہوں گے، اس لئے خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی باتیں بیان کرنے کے بجائے لوگوں کو قرآن وحدیث کی مستند باتیں سننے سنانے کا عادی بنانا چاہئے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک تعلیمات میں جو اَثر ہے، وہ ہماری اور آپ کی باتوں میں ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔

اس لئے جو حضرات وعظ وخطابت کی خدمت میں مشغول ہیں، اُنہیں معتبر اور مستند مواد ہی امت تک منتقل کرنے کا اہتمام رکھنا چاہئے، اور بے سند اور مرجوح باتوں سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہئے۔

تصنیف وتالیف کی خدمت

اِسی طریقہ پر اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں لکھنے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے، تو اس کا بھی صحیح استعمال ہونا چاہئے، اِس میں دو باتیں بطور خاص پیش نظر رکھیں:

(۱) اول یہ کہ محض اللہ کی رضا کے لئے لکھیں، مخلوق کے سامنے اچھا بننا مقصود نہ ہو؛ کیوں کہ اگر اللہ راضی نہ ہو تو محض لوگوں کے اچھا کہہ دینے سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کوئی مضمون یا کتاب خواہ مخواہ اور بلا ضرورت نہ لکھیں؛ بلکہ صرف ایسی ضرورت کی چیزیں لکھیں، جن سے امت کو فائدہ ہو؛ تاکہ ہمارا علم علمِ نافع اور متعدی بن جائے۔

آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ ہمارے وہ اکابر واسلاف رحمہم اللہ جنہوں نے تصنیفی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں، اور آج ہم اُن کے علوم سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اُنہوں نے اِنہی دونوں باتوں یعنی اِخلاص اور ضرورت کو پیشِ نظر رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اُن کی کتابیں ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔

مؤطا امام مالکؒ کی قبولیت

اس کی مثال یہ ہے کہ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے "المؤطا" مرتب فرمائی، یہ احادیث وآثار کی کتابوں میں سب سے پہلی مدوّن کتاب ہے۔

حضرت کی کتاب سامنے آنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اِسی نام سے احادیث کے مجموعے تیار کئے، تو بعض لوگوں نے حضرت اِمام مالکؒ سے عرض کیا کہ "حضرت! اور بھی مؤطا نام کی کتابیں لکھیں گئی ہیں"۔

تو حضرت امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا کہ: مَا كَانَ لِلّٰهِ بَقِيَ. (یعنی جو کام اللہ کے لئے کیا گیا ہے وہ باقی رہے گا اور اُمت اُس سے فائدہ اُٹھاتی رہے گی)

چناں چہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ کی ''الموطا'' کو جو قبولیت حاصل ہوئی، وہ کسی اور موطا کو حاصل نہیں ہوسکی، یہ آپ کے اخلاص کی برکت ہے۔ (تدریب الراوی للسیوطی وغیرہ)

تعلیم الاسلام کی اِفادیت

اسی طرح مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے بچوں کی تعلیم کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بڑے خلوص کے ساتھ ''تعلیم الاسلام'' کی تالیف فرمائی، یہ بالکل چھوٹی سی کتاب ہے، جو چار پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ اور بہت ہی آسان زبان میں سوال جواب کی شکل میں ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ آج مسائل وفتاویٰ میں اس کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو حضرات تصنیف وتالیف کی خدمت میں مشغول ہیں وہ دو باتوں کو ضرور مدنظر رکھیں:

(۱) اول یہ کہ جو بھی لکھیں اللہ کے لئے لکھیں۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ جب بھی قلم اُٹھائیں تو ضرورت اور تقاضوں کے مطابق اُٹھائیں، بے فائدہ نہ لکھیں۔

الغرض ہم دینی خدمت کے جس شعبہ سے بھی وابستہ ہوں، ہمیں ہر وقت چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گذار رہنا چاہئے۔

اور اپنی عاجزی کے احساس کے ساتھ یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ ''الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے اپنے فضل سے ہمیں منتخب فرمایا ہے، اسی طرح آپ ہی ہمیں ہر ہر قدم پر توفیق سے بھی سرفراز فرمایئے؛ کیوں کہ آپ کی توفیق کے بغیر نہ کچھ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے''۔

ہم جتنا شکر ادا کریں گے، اور اپنی عاجزی کا اظہار کریں گے، ویسے ہی قدم قدم پر اللہ کی نصرت ہمیں نصیب ہوگی، اور راستے کھلتے چلے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلیں

تمام دینی خدام کو چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ اور ان جیسی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

''مشکوٰۃ شریف'' میں صحابیِ رسول فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ'' (یعنی جس کو رہنمائی چاہیئے وہ اُن لوگوں کو رہنما بنائے جو دنیا سے جا چکے)

اب وہ لوگ کون ہیں جو دنیا سے چلے گئے؟ ان کے بارے میں فرمایا: ''أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَإِقَامَةِ دِيْنِهٖ'' (یعنی وہ پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام عالم کے لوگوں میں سے اپنے حبیب کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کی اِشاعت واِقامت کے لئے منتخب فرمایا تھا)

پھر فرمایا کہ: ''كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا''. (مشکاۃ المصابیح / باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۳۲) (یعنی یہ حضرات صحابہ اِس اُمت کے سب سے اَفضل ترین لوگ ہیں، اور ان کی تین صفات نمایاں ہیں:

(۱) وہ دلوں کے بہت نیک ہیں۔

(۲) وہ علم میں بہت گہرے ہیں۔

(۳) اور ان کی زندگی تکلفات سے خالی ہے)

اخلاصِ کامل

دلوں کی نیکی کا اَولین مصداق یہ ہے کہ وہ کامل مخلص ہیں، ان کا ہر کام اِخلاص پر مبنی ہے، اور ان کی ہر نقل وحرکت دین کی ترقی کے لئے ہے، تقابل وتنافس اور شہرت وریا ونمود سے وہ کوسوں دور ہیں۔

دلوں کی صفائی

اور ''أَبَـرَّهَا قُلُوْبًا'' کا دوسرا مصداق یہ ہے کہ اُن کے دل کینہ کپٹ اور بغض وعداوت سے پاک وصاف ہیں۔

اور یہ بات جن اَفراد، جس قوم اور جن لوگوں میں پیدا ہوجائے کہ اُن کے دل باہم ملے ہوئے ہوں، اور کینہ کپٹ سے پاک ہوں، تو اُن کو کامیابی سے کوئی نہیں روک سکتا۔

اس کے برخلاف جن لوگوں کے دل آپس میں ملے ہوئے نہ ہوں، اور بغض وعداوت عام ہو، تو اُن کو ناکامی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

تو معلوم ہوا کہ دلوں کی صفائی مخلص اہلِ ایمان کی عظیم الشان صفت ہے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے خادم سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''يَـا بُنَيَّ! إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَـدٍ فَافْعَلْ''. (یعنی پیارے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے کہ تمہاری صبح اور شام اِس حالت میں ہو کہ تمہارے دل میں کسی مؤمن کی طرف سے کینہ نہ ہو تو ایسا ضرور کرلینا)

پھر آپ نے فرمایا: ''وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ، وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِيْ الْجَنَّةِ''. (سنن الترمذي، أبواب العلم / باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة ۹٦/۲ رقم: ۲٦۷۸) (اور یہ (یعنی دل صاف رکھنا) میری سنت ہے، اور جو میری سنت کو زندہ کرے وہ مجھ سے محبت کرے گا، اور جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)

تو دیکھئے کتنی بڑی بشارت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس سنت کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایک قابلِ رشک واقعہ

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اسی دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

’’عنقریب اس دروازے سے ایک جنتی شخص آنے والے ہیں‘‘۔

تھوڑی ہی دیر میں اس جانب سے ایک انصاری صحابی اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور انہوں نے بائیں ہاتھ میں اپنے چپل اٹھا رکھے تھے، انہوں نے حاضر ہوکر سلام عرض کیا اور بیٹھ گئے۔

اتفاق یہ کہ اگلے دن بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرح کا جملہ ارشاد فرمایا اور پھر وہی صحابی حاضر ہوئے، اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔

چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اس حالت پر بہت رشک آیا، اور ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ ان صاحب کے خصوصی اعمال کا ضرور مشاہدہ کرنا چاہئے، جس کی بنیاد پر انہیں بارگاہِ نبوت سے بار بار جنت کی بشارت مل رہی ہے۔

چناں چہ انہوں نے کچھ بہانہ بناکر مذکورہ صحابی کے گھر تین راتیں گذاریں، اور ان کے ہر ہر عمل کا بخوبی جائزہ لیا، تو کوئی بہت خاص بات انہوں نے نہیں دیکھی۔

البتہ اتنا ضرور تھا کہ جب ان صحابی کی رات میں کسی وقت آنکھ کھلتی یا وہ کروٹ لیتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کرتے تھے، اور اخیر شب میں ۱۲/رکعت تہجد پڑھتے تھے، جن میں درمیانی درجہ کی سورتوں کی قرأت کرتے تھے، اور ہر دو رکعت کے بعد یہ تین دعائیں کیا کرتے تھے:

(۱) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.
(اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی بھلائی سے نوازیئے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھئے)

(۲) اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا مَا أَهَمَّنَا مِنْ أَمْرِ آخِرَتِنَا وَدُنْيَانَا۔ (اے اللہ! ہمارے دنیا وآخرت کے تمام وہ امور جن کی ہمیں فکر ہے، ان کی طرف سے آپ ہماری کفایت فرمایئے)

(۳) اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ. (اے اللہ!

ہم آپ سے ہر طرح کی خیر کے طالب ہیں، اور ہر طرح کے شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں)

بہر حال مذکورہ باتوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو ان صحابی کے اندر کوئی اور خاص بات نظر نہیں آئی۔

تو انہوں نے چلتے وقت معذرت کرتے ہوئے ان صحابی سے کہا کہ: ’’آپ کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت سنائی تھی، اور میں چاہتا تھا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر اس کی پیروی کروں؛ لیکن مجھے کوئی بڑا عمل نظر نہیں آیا، تو آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کو یہ مقام ملا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی‘‘؟

تو ان صحابی نے فرمایا کہ ’’میرے اعمال تو تم دیکھ ہی رہے ہو؛ البتہ ایک بات میں اپنے اندر ضرور پاتا ہوں کہ میرے دل میں کسی بھی مسلمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہیں ہے، اور میں کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی بھی نعمت پر بالکل حسد نہیں کرتا‘‘۔

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ: ’’میں بستر پر اس حالت میں لیٹتا ہوں کہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی کینہ نہیں ہوتا‘‘۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بے اختیار بول اٹھے کہ: ’’هٰذِهِ الَّتِي بَلَغَتْ بِكَ وَهِيَ الَّتِيْ لَا تُطَاقُ‘‘ ۔(یعنی یہی اصل میں وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ مقام عطا کیا ہے، جس کا ہم جیسوں سے حق ادا کرنا دشوار ہے) (شعب الایمان للبیہقی ۵/۲۶۴-۲۶۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/۹۰-۹۱)

جنت میں داخلہ سے پہلے دلوں کی صفائی

دلوں کی صفائی کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی جنتی اس وقت تک جنت میں نہیں جائے گا، جب تک کہ اس کے دل کو ہر طرح کے کینہ سے پاک اور صاف نہ کرلیا جائے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ﴾ [الحجر: ٤٧] (یعنی ہم جنتیوں کے سینوں سے ہر طرح کی کینہ کپٹ نکال دیں گے)

کیوں کہ اگر جنت میں جانے کے بعد بھی کینہ کپٹ باقی رہتی تو جنت بھی جنت نہ رہتی، اور وہاں بھی آپس میں اُٹھا پٹخ ہو جاتی۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو سکون اور عافیت رکھی ہے، اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سب جنتیوں کے دل بالکل صاف ہوں گے، اور کسی کو کسی سے کوئی کدورت نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ: ”قُلُوْبُهُمْ قَلْبُ وَاحِدٍ“. (صحیح البخاري / باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة ٤٦٠/١ رقم: ٣٢٤٥) (یعنی سب جنتیوں کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح ہوں گے)

گویا کہ ہر درجہ کا جنتی اپنی جگہ پر مطمئن اور خوش ہوگا، اور سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم شاندار زندگی میں ہیں، اور اعلیٰ درجہ کی عافیت ہمیں نصیب ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل کی نیکی کی جو صفت بیان کی ہے، اس کا اَولین مصداق اخلاص اور دوسرا مصداق آپس میں دل کی صفائی، اور ایک دوسرے کی قدر دانی اور خیر خواہی ہے۔

اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ہمارے کام میں کوئی دوسرا شخص آگے بڑھ جائے اور اُسے ترقی نصیب ہو جائے، تو ہمارا دل تنگ نہ ہو؛ بلکہ ایک گونہ خوشی ہو کہ ماشاء اللہ اَب دین کو اور ترقی ہوگی۔

مثلاً ہمارے مدرسے میں ہم سے اچھا اُستاد آجائے تو ہم دل سے اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ نے ایک بہترین معاون بھیج دیا، پھر ہم اس کی حوصلہ اَفزائی اور قدر دانی کرنے والے بن جائیں۔ اَساتذہ بھی اِس کا لحاظ رکھیں اور منتظمین بھی۔

خاص طور پر منتظمین کو چاہئے کہ وہ باصلاحیت اساتذہ کی ہمت افزائی کریں، اور انہیں آگے بڑھنے کا موقع اور ماحول فراہم کریں؛ کیوں کہ اچھے اساتذہ کے بغیر کوئی مدرسہ ترقی نہیں کرسکتا۔

اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ باصلاحیت اَفراد کے جوہر اسی وقت کھلتے ہیں جب کہ انہیں کام کرنے کا مناسب موقع ملے، اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

گویا کہ اَفراد سازی کے لئے ہمت افزائی بہت ضروری ہے۔

اس کے برخلاف اگر ناقدری اور دل شکنی کا ماحول ہو اور راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں، تو اس کی وجہ سے بڑے بڑے اچھی صلاحیت رکھنے والے بھی بے چارے اپنی جگہ پر گھٹ گھٹ کر زندگی گذار دیتے ہیں، اور اُمت اُن کی صلاحیت سے کما حقہ فائدہ نہیں اُٹھا پاتی۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس سے کام لینا چاہتے ہیں، اُس کے لئے کوئی رکاوٹ رکاوٹ نہیں رہتی، اس لئے باصلاحیت افراد کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ اور ناموافق ماحول میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔

اپنے کو برتر نہ سمجھیں

دلوں کی نیکی کا ایک مصداق یہ بھی ہے کہ وہ تمام رذائل جن سے دل بیمار ہو جاتا ہے اُن سے دل کو صاف رکھا جائے۔

اُن رذائل میں سب سے بڑا رذیلہ جو آدمی کو کہیں کا نہیں چھوڑتا اور دنیا آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے وہ ’’دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو برتر سمجھنا ہے‘‘۔ یہ سب سے بڑا رذیلہ ہے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ’’تین باتیں آدمی کو ہلاکت میں ڈالتی ہیں: (۱) لالچ (۲) خواہشات (۳) اور فرمایا: ’’وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ‘‘ (اور آدمی کا اپنے کو اچھا سمجھنا)

پھر اس آخری بات کے بارے میں فرمایا کہ: ’’وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ‘‘. (شعب الإيمان للبيهقي ۵/۴۵۲-۴۵۳) (یعنی اِن تینوں میں سب سے زیادہ خطرناک بات اپنے کو اچھا سمجھنا ہے)

جس کے دل میں بھی یہ خمار پیدا ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ کبر وغرور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے۔

عام طور پر اِداروں اور اِجتماعی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اُس کا سبب یہی صفت بنتی ہے۔

بزرگوں کا مقولہ ہے: ''کبر وغرور لڑائی کی جڑ ہے اور تواضع اتفاق کی بنیاد ہے''۔

جہاں کبر وغرور ہوگا وہاں توڑ پیدا ہونا لازمی ہے، اور جہاں متواضعین کی جماعت ہوگی وہاں دلوں میں جوڑ پیدا ہونے کا منظر نظر آئے گا، اس لئے ایسے رذائل سے ہمیں اپنے کو بچانا چاہئے۔

دل کو خیانت سے بچائیں

اِسی طرح ایک بڑا رذیلہ ''خیانت'' ہے۔

خیانت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو اَمانت ہمیں عطا کی ہے اُس کی اَدائیگی میں کوتاہی ہو اور پھر بھی دل مطمئن رہے، یہ ہے خیانت!!

مثلاً ہمارے قبضہ میں کوئی شخصی یا قومی امانت (مثلاً: مسجد، مدرسہ یا تنظیم کا مال) موجود ہے، اور ہم اس میں بلا استحقاق تصرف کرلیں؛ لیکن پھر بھی ہمیں کوئی احساس نہ ہو، اور نہ آخرت میں جواب دہی کا ڈر ہو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دل خائن ہو چکا ہے۔

اسی طرح اَعضاء وجوارح سے گناہ ہو رہے ہیں، زبان غلط قسم کی باتیں کر رہی ہے، آنکھوں سے غلط چیزیں دیکھی جا رہی ہیں، کانوں کو گناہوں سے لذت پہنچائی جا رہی ہے، پھر بھی مطمئن ہیں، اور توبہ کا کوئی خیال دل میں نہیں آ رہا ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل کے اندر سے دیانت نکل چکی ہے۔

ایسا دل ''أَبَرُّهَا قُلُوْبًا'' کا کبھی مصداق نہیں بن سکتا۔

بہر حال اِس جملہ کے اندر بڑی وسعت ہے، اِس کے ذیل میں ہر قسم کی اصلاح آ جاتی ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت ہے، جو ہمیں ضرور اپنانی چاہئے۔

علمی گیرائی

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا'' (یعنی علم کے اعتبار سے وہ بڑے گہرے ہیں)

اور اس میں کیا شک کی گنجائش ہے؟ صحابہؓ کو جب کہ اِمام المعلمین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کا شرف حاصل ہے، تو اُن میں علمی گیرائی نہ ہوگی تو کس میں ہوگی؟

قرآنی آیات کے معانی ومفاہیم اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِرشادات کی تشریح وتفسیر کا علم جتنا صحابہ کو ہے وہ مجموعی اعتبار سے کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسی اعلیٰ علمی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہوئے بعد میں آنے والے اساطین امت نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ جس مسئلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے متفق ہوگئی ہو، اس سے صرفِ نظر کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً گمراہ قرار پائے گا۔

اور جس مسئلہ میں صحابہ کی آراء اخیر تک مختلف رہی ہیں، اب اس اختلاف سے ہٹ کر اس مسئلہ میں کسی اور موقف کو اپنانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: توضیح وتلویح ۳۴۹، خلاصۃ التحقیق ۱۷)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فقہی منشور

منقول ہے کہ اِمامِ اعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں؟ بظاہر حدیث کچھ ہوتی ہے اور آپ کا فتویٰ کچھ ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”سنو! میں اپنا منشور اور طریقۂ کار تمہیں بتلاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جب میرے سامنے کوئی سوال آتا ہے، تو میں سب سے پہلے قرآنِ پاک کو دیکھتا ہوں۔

اگر قرآنِ پاک میں مسئلہ کا حل موجود ہے تو اُسی کی روشنی میں جواب دیتا ہوں۔

اور اگر قرآنِ پاک میں جواب نہ ملے تو سنتِ رسول اللہ میں حکم تلاش کرتا ہوں، اس میں اگر واضح حکم مل جائے تو اُسی پر فتویٰ دیتا ہوں۔

اور اگر مسئلہ کا جواب نہ کتاب اللہ میں ملے، اور نہ سنتِ رسول اللہ میں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی متفقہ رائے مل جائے، تو آنکھ بند کرکے اس پر فتویٰ دیتا ہوں۔

اور اگر صحابہ کی متفقہ رائے نہ ملے؛ لیکن ان کے اَقوال مل جائیں، تو اُنہیں میں سے ایک کو منتخب کرتا ہوں، اُس سے الگ کوئی راہ نہیں لیتا۔

گویا کہ میری فقہ کا مدار کتاب اللہ، یا سنتِ رسول اللہ، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اَقوال پر ہے۔

اگر صحابی کا کوئی بھی قول موجود ہو تو میں اُس سے باہر نہیں جاتا''۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ''اگر صحابہ کا قول بھی نہ ملے، اور بات تابعین یعنی ابراہیم نخعی، امام شعبی، ابن سیرینؒ وغیرہ تک پہنچ جائے تو پھر ''هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ'' (یعنی پھر ہمارا اور اُن کا معاملہ برابر ہے، ہم بھی اجتہاد کریں گے اور وہ بھی اجتہاد کریں گے''۔ (تاریخ بغداد بحوالہ: فقہ حنفی ۲۲/۱)

اور بعینہٖ اِسی طرح کے اَقوال حضرت اِمام مالک، حضرت اِمام شافعی، حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہیں۔

کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''اَعمق العلماء'' ہیں، ان کے پاس جو گیرائی ملے گی وہ اُمت میں کسی فرد میں نہیں مل پائے گی۔

حسب استطاعت یہ گیرائی ہمیں بھی پیدا کرنی ہے۔

اپنے آپ کو سرسری نہیں؛ بلکہ گہرے مطالعہ کا عادی بنانا ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اَکابر کی تصنیفات اور ان کے علوم ومعارف اور شروحات کو پیشِ نظر رکھیں، اور اپنے علم کے اندر اختصاص پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اختصاص کی ضرورت

آج کل تخصصات کا دور دورہ ہے، ہر فن کے الگ ماہرین و متخصصین ہیں۔ اسی طرح ہمارے طبقہ میں بھی ماہرین ہونے چاہیئں۔

کوئی نحو کا متخصص ہو؛ تاکہ اگر کسی نحوی قاعدہ کی تحقیق مطلوب ہو تو اُس سے رجوع کیا جائے۔

کسی کو علمِ بلاغت اور اَدب واشتقاق میں مہارت ہو۔

کسی کو تفسیر میں سند کا مقام حاصل ہو۔

کسی کو علوم حدیث میں معیار قرار دیا جائے۔

کوئی علم فقہ کے اندر مہارتِ تامہ حاصل کرے کہ جدید وقدیم مسائل میں امت کے لئے مرجع بن جائے۔

ان تمام مقامات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، بس ہمت اور توفیق کی ضرورت ہے۔

احقر بار بار عرض کرتا ہے کہ نبوت اور صحابیت کا دروازہ تو بند ہے؛ لیکن علمی تعمق اور ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے، یہ آخر تک بند نہ ہوگا۔

البتہ طلب وہمت ضروری ہے ''ہمتِ مرداں مددِ خدا''۔

تکلفات سے پرہیز

اور مذکورہ اثر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی: ''وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا'' (یعنی وہ اُمت میں سب سے کم تکلفات میں پڑنے والے ہیں)

اُن کی زندگی سادہ اور ٹیپ ٹاپ سے دور تھی۔

کہاں بیٹھیں؟ کہاں سوئیں؟ کیا کھائیں؟ کیا پئیں؟ اور کیسا مکان بنائیں؟ اِس کی پرواہ نہیں تھی؛ بلکہ ہر وقت دین پر چلنے کی فکر تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گفتگو، رہن سہن، معاشرت اور زندگی کا ہر گوشہ تکلفات سے پاک تھا، اور دنیوی رسومات سے انہوں نے حیرت انگیز طور پر بے زاری اختیار کر رکھی تھی۔

اور بلا شبہ یہ کیفیت انہیں پیغمبر علیہ السلام کی مبارک صحبت سے حاصل ہوئی تھی۔ سادگی اور قناعت کا جو سبق انہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے حاصل کیا تھا وہ ان کی زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔

ظاہری ٹیپ ٹاپ اور غیر ضروری زیبائش وآرائش سے ان کی زندگی خالی تھی، عام طور پر سادہ لباس استعمال کرتے اور بلا کسی خاص اہتمام کے جو کھانا بھی بروقت میسر آتا اس کو شکر کے ساتھ تناول کر لیتے۔

اور مال ودولت یا منصب وحکومت ان کی سادہ زندگی پر کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہو پاتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاشرہ میں یہ امتیاز دشوار ہوتا کہ کون امیر ہے کون مامور؟ کون حاکم ہے اور کون محکوم؟ بلکہ سب آپس میں بے تکلف دوستوں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔

تو یہ صحابہ کی روشن صفات ہیں، جنہیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

شیخ کامل کی ضرورت

میرے بھائیو! عام طور پر ہمارا یہ حال ہے کہ اپنا مرض ہمیں خود نظر نہیں آتا۔

ہمارے ملنے والے ایک بڑے ڈاکٹر صاحب بیمار ہوئے تو اُنہوں نے علاج دوسرے ڈاکٹر صاحب سے کرایا، ہم نے ان سے پوچھا کہ ''ڈاکٹر صاحب! آپ تو خود ہی ڈاکٹر ہیں؟ تو اپنا علاج خود کیوں نہیں کیا؟''

اُنہوں نے جواب دیا کہ ''ڈاکٹر کے لئے اپنا علاج خود کرنا مشکل ہوتا ہے''۔

ایسے ہی ہمیں بھی اپنی روحانی اصلاح کے لئے اپنا ہاتھ دوسرے کو دینا پڑے گا۔

کیوں کہ آدمی کو اپنی کوتاہیاں خود نظر نہیں آتیں، مثلاً ہمارے چہرے کے ایسے حصہ پر کوئی چیز لگ جائے جہاں تک ہماری نظر نہ پہنچتی ہو، تو وہ چیز ہمیں نظر نہیں آئے گی؛ لیکن سامنے والا اسے دیکھ لے گا۔ اسی طرح جتنے بھی نفسانی اَمراض اور رذائل ہیں، اُن کی نشان دہی اور اِصلاح کے لئے ہمیں ایک رہبر اور شیخِ کامل سے رابطہ کرنا ضروری ہے۔

نسبتِ باطنی

حکیم الملت، مجدد الملت حضرتِ اَقدس مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک ملفوظ میں اِرشاد فرمایا کہ ''علم ظاہری کے ساتھ اگر علم باطنی نہ ہو، تو تجربہ یہ ہے کہ وہ علم ظاہری اُمت کے لئے نافع نہیں بنتا''۔

اور فرمایا کہ ''علم ظاہری کے ساتھ نسبتِ باطنی ضروری ہے''۔

اور نسبتِ باطنی کی دو علامتیں ہیں:

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ایسا دھیان ہو کہ تھوڑی سی توجہ کرنے سے اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ مثلاً مجمع میں بیٹھے ہیں؛ لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی تو فوراً دل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بظاہر لوگ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہمارے درمیان ہے؛ لیکن وہ درحقیقت اللہ کی یاد میں مشغول ہے، یہ نسبتِ باطنی کا پہلا اثر ہے۔

(۲) اور دوسرا اَثر یہ ہے کہ شریعت کی اتباع کی سو فیصد کوشش کرے، اور اس کی طرف ایسی رغبت ہو جیسے کہ کھانے پینے کی طرف ہوتی ہے۔ اور منکرات ومنہیات سے ایسی نفرت ہو جیسی ناپسندیدہ چیزوں سے ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو جب تک توبہ نہ کرلے چین نہ آئے، اور دنیا کی حرص دل سے نکل جائے، یہ نسبتِ باطنی کا اثر ہے۔ (رسالہ: قصد السبیل در اصلاحی نصاب ۵۳۲ ھ)

اور یہ نسبت صاحبِ نسبت لوگوں سے اپنا تعلق جوڑنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرتِ نانوتوی قدس سرہ اور اِمامِ ربانی قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ جن سے بے شمار خلق خدا نے فیض اُٹھایا۔ اُن حضرات نے اپنی جلالت شان کے باوجود سید الطائفہ حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور روحانی کمالات سے بہرہ ور ہوئے۔

کسی نے حضرتِ نانوتویؒ سے پوچھا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آپ نے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنا ہاتھ ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیا، جو روایتی اعتبار سے کامل عالم بھی نہیں ہے؟

تو آپ نے فرمایا کہ ”اللہ کی ذات پاک نے آپ (حضرت حاجی صاحبؒ) کو عالم گر بنایا ہے“۔ (امداد المشتاق ۱۰۱، بیس بڑے مسلمان ۹۷)

یعنی اُن کی صحبت حاصل کرنے سے عالم اصل میں عالم بنتا ہے، ورنہ تو وہ محض صورت کا عالم ہے، حقیقت میں عالم نہیں ہے۔

اور میرے بھائیو! اپنے اکابر پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے وہ اکابر واسلاف جو

اپنے زمانہ میں آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے اور اُن کی خدمات میں اللہ تعالیٰ نے بے مثال برکتیں عطا فرمائیں، اُنھوں نے کسی نہ کسی صاحبِ نسبت شیخ سے اپنا تعلق قائم کیا، اور اُس کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت فقیہ الامت رحؒ کی مجلسوں کا فیض

ہم لوگوں نے اللہ کے فضل سے فقیہ الامت شیخِ طریقت، ماہر شریعت، حضرت اَقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا زمانہ دیکھا ہے۔

دارالعلوم میں حضرت کا قیام ''چھتہ مسجد'' سے ملحق کمرے میں رہتا تھا۔

وہاں عصر اور عشاء کے بعد آپ کی عمومی مجلس ہوتی تھی، طلبہ واساتذہ آکر بیٹھتے تھے، بظاہر چٹکلے اور ہنسی کی باتیں بھی ہوتی تھیں؛ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی نظر جس شخص پر جم گئی، اور جس طالب علم پر پڑ گئی، وہ ہیرا اور موتی بن گیا۔

ہمارا ایک ساتھی بڑا اشریر تھا، اُس کی شرارت اتنی مشہور تھی کہ وہ درس گاہ میں جہاں بیٹھ جاتا، تو طلبہ اس کے قریب سے ہٹ جاتے تھے۔

کیوں کہ وہ کچھ نہ کچھ حرکت کیا کرتا تھا، کبھی ساتھی کا کرتا دوسرے کے کرتے سے باندھ دیتا۔ سردی میں ہمارے یہاں درس گاہوں میں پرال رکھی جاتی تھی، تو چپکے سے اُس کا گولہ بنا کر لٹکا دیتا تھا، اس طرح کی حرکتیں کیا کرتا تھا۔

لیکن اللہ کی توفیق کہ اُس کا حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں آنا جانا شروع ہوگیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا ایسا رنگ بدلا کہ جو ''شریر'' کے نام سے مشہور تھا، وہ ''صوفی'' کے نام سے مشہور ہوگیا، اور بعد میں ماشاء اللہ حضرت کا خلیفہ بھی بنا۔

تو یہ بزرگوں کی صحبت اور نظر کا اَثر ہے، جس کی برکت سے آدمی کو اپنی اصلاح کی توفیق میسر آتی ہے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اچھی صفات کو حاصل کرنے کے لئے وقت کے اَکابر ومشائخ سے

اپنا تعلق قائم کریں، اُن سے ربط وضبط رکھیں، اور اِطلاع واتباع کا اہتمام کریں۔

اور اتنی بات تو آج ہی سے شروع کردیں کہ ۲۴ رگھنٹوں میں کسی بھی وقت چند منٹ کے لئے اپنا محاسبہ کیا کریں کہ ہم سے گذشتہ ۲۴ رگھنٹوں میں کیا اچھا ہوا اور کیا برا ہوا؟ اچھے عمل پر شکر بجالائیں اور برائی سے سچی توبہ کریں۔

دوسرے یہ کہ اپنی تمام دینی ودنیوی ضرورتیں صرف اُس ذات سے مانگنے کا اہتمام کریں جو ہماری ہر ضرورت پوری کرنے پر ہمیشہ سے قادر ہے۔ اور مخلوق کے بجائے خالق سے امید وابستہ کریں۔

تو یہ چند منٹ کا محاسبہ اور دعا کا اہتمام اِن شاء اللہ ہماری زندگی میں انقلاب کا ذریعہ بنے گا، اور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہمیں میسر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

اپنی کامل رضا اور خوشنودی سے نوازیں۔

اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۳)

اَولاد کے اِیمان کی فکر کیجئے!

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : اَولاد کے اِیمان کی فکر کیجئے!
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامع مسجد لوٹن (برطانیہ)
- تاریخ : ۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۶؍نومبر ۲۰۱۳ء بروز منگل
- دورانیہ : ۱۳؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. [التحريم: ٦]

صدق الله مولانا العلي العظيم.

محترم بھائیو اور بزرگو! یہ اِس علاقہ کے لئے بہت سعادت کی بات ہے کہ آپ کے شہر میں ہمارے مخدوم اور بزرگ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ جیسے حضرات موجود ہیں۔

کسی بستی میں اچھے عالم ربانی کا وجوداُس بستی کے لئے اللہ کی بہت بڑی رحمت ہوتی ہے، اس لئے حضرت مولانا سے استفادہ کی شکلیں برابراختیار کرتے رہنا چاہیئے، ہماری بھی یہاں پر حاضری حضرت مولانا کی زیارت اور ملاقات کے لئے ہوئی اور حضرت کی موجودگی میں کوئی بات عرض کرنا یہ دراصل زیادتی کی بات ہے۔

لیکن آج کل مہمان کے اِکرام اوراس کی عزت افزائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کرسی پر بٹھا کراُس سے کچھ بات کہلوادی جائے۔

تو اِسی حکم کی تعمیل میں چندمنٹ آپ کے سامنے کچھ عرض کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

نسلوں کے اِیمان کی حفاظت کی فکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں تمام ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کوخود بھی اپنے کو جہنم سے بچانے کی فکر کرنی چاہیئے اور ساتھ میں اپنے گھر والوں اور اپنی اولاد اور اپنی نسلوں کے دین کی حفاظت کی بھی فکر ہونی چاہیئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے اس بات کی فکر رکھی کہ ہم جس طرح ایمان پر قائم رہے ہیں، اِسی طرح ہماری نسلیں بھی ایمان پر زندہ رہیں۔

چناں چہ آپ قرآنِ پاک پڑھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے گھر والوں (حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو اُس جگہ چھوڑ کر جارہے تھے، جو آج مکہ معظّمہ کہلاتی ہے تو اُس وقت اُنہوں نے چند دعائیں فرمائیں، اُن دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ [ابراهيم، جزء آيت: ٤٠] (میرے رب مجھے بھی نمازی بنایئے اور میری ذریت کو بھی نمازی بنایئے، اور میری دعا قبول فرمایئے)

اِسی طریقہ پر جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی، اوراس عظیم کام سے فارغ ہوئے تو اس وقت یہ دعا فرمائی: ﴿رَبَّـنَـا

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِن ذُرِّیَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَکَ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۱۲۸] (ہمیں اپنا تابع دار بنایئے اور ہماری نسلوں کو بھی اپنا تابع دار بنایئے)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو حضرت ابراہیم کے پوتے ہیں، اُنہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت فرمائی: ﴿یَا بَنِیَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنتُمْ مُّسْلِمُونَ﴾ [البقرة: ۱۳۲] کہ میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین منتخب کرلیا؛ لہٰذا تمہاری موت صرف اسلام پر آنی چاہیئے۔

تو قرآن ہم سے یہ کہتا ہے کہ ہم اپنی بھی فکر کریں اور اپنی نسلوں کی بھی فکر کریں کہ ان میں دین وایمان ہے یا نہیں؟

اِسی بات کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: ﴿یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْآ اَنفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا﴾ اے ایمان والو! بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے۔

جہنم کی آگ

آگے فرمایا: ﴿وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ یعنی اُس آگ کو دہکانے کے لئے لکڑیاں نہیں ہیں، گھاس پھوس نہیں ہیں، کوئلہ نہیں ہے، جو جلدی بجھ جاتا ہے؛ بلکہ اُس کو دہکانے کے لئے پتھر اور انسان ہیں، جن کی تپش کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ”نَارُکُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ لِکُلِّ جُزْءٍ مِنهَا حَرُّهَا“. (سنن الترمذي، أبواب صفة جهنم / باب ما جاء أن نارکم هٰذه جزء من سبعین جزء جهنم ۸۶/۲) (یعنی یہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے، اس کے ہر حصہ میں ایسی ہی گرمی اور تپش ہے)

لہٰذا جب آدمی ستر میں سے ایک جزو کا متحمل نہیں ہوسکتا تو اس سے ستر گنا آگ کا تحمل کیسے کرپائے گا؟ الامان والحفیظ۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ ثُمَّ

أُوقِدَ عَلَيهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ". (سنن الترمذي، أبواب صفة جهنم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ۸٦/۲)

(یعنی یہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک دہکائی گئی؛ تا آں کہ جلتے جلتے سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکائی گئی پھر دہکتے دہکتے سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکائی گئی تو دہکتے دہکتے سیاہ ہوگئی، اب اسی سیاہ حالت میں دہک رہی ہے)

لہٰذا آدمی کو اس آگ سے بچنے کی خود بھی فکر کرنی ہے اور اپنے گھر والوں کو اور اپنی نسلوں کو اس آگ سے بچانے کی فکر کرنی ہے۔

اِیمان کی مضبوطی

اور اس آگ سے بچاؤ کیسے ہوگا؟

جب کہ ایمان مضبوط ہو اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں۔

فرشتوں کے بارے میں۔

اللہ کی کتابوں کے بارے میں۔

اللہ کے پیغمبروں کے بارے میں۔

مرنے اور مرنے کے بعد کے حالات کے بارے میں۔

اور تقدیر کے بارے میں پکا عقیدہ ہو، اس میں ذرہ برابر بھی شک شبہ نہ ہو۔

اسی طرح وہ عقائد جو متواتر طور پر امت میں ثابت ہیں، مثلاً پیغمبر علیہ السلام کا آخری نبی ہونا اور آپ کا تمام انبیاء سے افضل ہونا وغیرہ۔

اِسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ حق ہونا، اور جن باتوں پر صحابہ کرام نے اجماع کرلیا ہے اُن کا حق اور واجب التعمیل ہونا۔

ان سب چیزوں کے بارے میں ہمارا پختہ یقین ہونا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی اس سے واقف کرانا چاہئے؛ تاکہ جو گمراہ فرقے اور طاقتیں ہیں وہ ان کا ذہن خراب نہ کرسکیں، جبھی وہ آگ

سے بچ پائیں گے؛ اِس لئے کہ عقائد کا صحیح ہونا نجات کے لئے لازم ہے، اگر عقیدہ درست نہ ہوتو محض اعمال کی بنیاد پر آدمی آگ سے نہیں بچ پائے گا۔

اَعمال کی درستگی

اِسی طرح اَعمال کی درستگی کی بھی فکر ہو، ہمارا کوئی بچہ ایسا نہ رہے جو پکا نمازی نہ ہو۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ: ”**مُرُوْا صِبْيَانَكُم بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْهُم عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا**“. (مسند احمد رقم: ٦٦٨٩) جب بچہ سات سال کا ہوتو اسے نماز سکھاؤ اپنے ساتھ نماز پڑھواؤ اور دس سال کا ہو جائے، اور نماز نہ پڑھے تو تنبیہ کرو کہ کیوں نہیں پڑھتا۔

گھر کا ماحول نماز والا ہونا چاہئے، جس کا واضح اثر یہ ہو کہ اگر بالفرض گھر کے اندر کوئی بے نمازی ہوتو وہ اپنے کو الگ تھلگ محسوس کرے۔

یہ نہ ہو کہ پورا گھرانہ بے نمازی بن جائے، اور حال یہ ہو کہ جو کوئی نماز کی پابندی کرے وہ نکّو بنا دیا جائے؛ بلکہ گھر کے سب افراد نمازی ہوں، اور جو نہ پڑھے وہ معتوب ہو جائے۔

ایسا ماحول گھر کا بنانا ہے۔

اسی طرح گھر کے اندر سے فواحش کو نکالنا ہے، اپنے کو بے حیائی کی باتوں، لغویات، فضولیات اور گندے جذبات سے بچانا ہے، تب ہم آگ سے بچیں گے۔

اور فرمایا کہ: ﴿**عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ**﴾ یعنی یہ جہنم اللہ کی جیل ہے، اس جیل کی نگرانی کے لئے فرشتے مقرر ہیں، جو بڑے ترش رو ہیں، اور بڑے طاقتور ہیں۔

یعنی یہ نہیں ہے کہ کوئی ان سے خوش آمد کر کے اپنے کو عذاب سے بچالے۔

اور ایسا نہیں ہوگا کہ انہیں کسی پر ترس آجائے اور اللہ کی مرضی کے بغیر وہ عذاب دینا چھوڑ دیں۔

اسی طرح یہ بھی نہیں ہوگا کہ سارے جہنمی مل کر کے ان فرشتوں کو گھیر لیں، اور ان فرشتوں کی پٹائی کر کے دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں جیسا کہ دنیا کی جیلوں میں اس طرح ہوتا رہتا ہے، کہ سارے قیدی اکھٹے ہو گئے، اور جلوس نکال دیا، جیلر کی پٹائی کر دی، اس کو کمرے میں بند کر دیا، اور

خود دروازہ کھول کر سب باہر آ گئے۔

فرمایا کہ یہ تصور مت کرنا وہ فرشتے بڑے طاقتور ہیں، تمہاری ان کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ سارے جہنمی بھی مل جائیں تو ایک فرشتے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

آگے مزید تفصیل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں وہ فرشتے اُس سے سرمونا فرمانی نہیں کر سکتے، وہ صرف اللہ کا حکم ماننے والے ہیں۔

قرآنِ کریم میں دوسری جگہ یہ مضمون ہے کہ جہنمی چلاّئیں گے اور عذاب والے فرشتوں سے کہیں گے کہ کسی دن تو عذاب موقوف کر دیا جائے؛ (تاکہ کچھ ستالیں) تو جواب دیا جائے گا کہ آج یہ کہہ رہے ہو، کل جب پیغمبر تمہیں سمجھاتے تھے تو اُن کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی؛ لہٰذا اَب تمہاری فریاد نہیں سنی جائے گی، بس چیختے رہو کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

اور فرمایا: ﴿وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ یعنی وہ فرشتے تو بس وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم اور آرڈر ہوتا ہے۔

اِس لئے ایسی جہنم سے بچنے کے لئے یہیں سے انتظام کر کے جانا پڑے گا، کل کوئی سوچے کہ وہاں جا کر انتظام کر لیں گے، یا کوئی تدبیر اپنا لیں گے، تو کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی؛ بلکہ یہیں سے سب انتظامات کرنے پڑیں گے، اور وہ انتظام یہ ہے کہ ہمارا اِیمان بھی کامل ہو درست ہو اور اَعمال بھی صحیح ہوں، اللہ کی اطاعت میں وقت گذرے، معاصی، منکرات، فواحش اور لغویات سے زندگی خالی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری اُمت کو اور ہماری نسلوں کو دین پر استقامت عطا فرمائیں، ہر طرح کے شرور سے، فتن سے اور منکرات سے پوری طرح محفوظ رکھیں، ظاہر اور باطن میں یکسانیت اور قول وعمل میں موافقت نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۴)

ایک کامیاب خاتون

(حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا)

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : ایک کامیاب خاتون (حضرت آسیہؓ)
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : الاشرف فاؤنڈیشن گلوسٹر (یو کے)
- تاریخ : ۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات
- دورانیہ : ۱۴؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدر آبادی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. [التحريم: ۱۱] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

مرد اور عورت کی تخلیق اور ذمہ داریوں میں فرق

عزیز طالبات علومِ نبوت! اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم اور اِنعام ہے کہ اُس نے اِس دیار

غیر یعنی غیر مسلم ملک اور غیر اسلامی ماحول میں قرآنی تعلیمات اور نبوی ہدایات حاصل کرنے کے اَسباب فراہم فرمائے، جس پر جتنا بھی شکر اَدا کیا جائے کم ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسانیت کی بقا کے لئے اِنسانوں کی دو صنفیں بنائی ہیں:

ایک صنف کو ''مرد'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسری صنف کو ''عورت'' کہا جاتا ہے۔

اور اِن دونوں کا ایک خاص تناسب سے وجود دنیا کی بقا کے لئے لازم ہے۔

کیوں کہ اگر اِس دنیا میں سب مرد ہی مرد ہو جائیں تو جلد ہی دنیا کی آبادی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورتیں ہی عورتیں ہو جائیں، اور مرد بالکل باقی نہ رہیں تب بھی دنیا فنا ہو جائے گی۔

لہٰذا دنیا میں مردوں اور عورتوں دونوں کا وجود لازم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں صنفوں کی ساخت الگ الگ بنائی ہے۔

مرد کی بناوٹ الگ ہے اور عورت کی بناوٹ الگ ہے

اور اُن کی کیفیات، صفات اور طبعی عادات میں کافی فرق رکھا ہے، جو بالکل واضح ہے۔

پھر ہماری شریعت میں اِنہی فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے دونوں کی ذمہ داریاں بھی الگ کردی گئی ہیں۔

مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر کے باہری کام کاج کو دیکھے اور ساتھ میں گھر والوں کی نگرانی رکھے، جب کہ عورتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھریلو ماحول پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔

تو دونوں کی ذمہ داریاں اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے شریعت نے تقسیم کردی ہیں، جو فطرت کے عین مطابق ہیں۔

اَب اگر یہ کہا جائے کہ جو کام مرد کر رہے ہیں وہ عورتیں بھی کریں، تو جواب میں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ جو کام عورتیں کرتی ہیں وہ مرد بھی انجام دیں۔

تو یہ بات تو آسان ہے کہ مردوں والے کام عورتیں کریں؛ لیکن عورتوں والے کام اگر

مردوں کے ذمہ کردئے جائیں، تو کسی مرد میں یہ طاقت نہیں ہے کہ عورتوں کے مخصوص کاموں (مثلاً: بچوں کی پیدائش اور پرورش) کو وہ انجام دے، تو پھر برابری کہاں رہی؟

اگر برابری اِسی کا نام ہے کہ عورت سے مردوں والے بھی کام لئے جائیں، یعنی عورت اپنا کام بھی کرے اور مرد کا کام بھی کرے، تو اُس پر دوہری ذمہ داری آجائے گی جو سراسر ظلم ہے۔

اِس لئے اِسلام اِس ظلم کی قطعاً حمایت نہیں کرتا۔ اور یہ کہتا ہے کہ مرد اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور عورتیں اپنا فرض منصبی بجالائیں، یہی انصاف کا راستہ ہے۔

اَجر وثواب میں مرد وعورت کی تفریق نہیں

یہ تو دنیا کے اعتبار سے فرق ہے؛ لیکن آخرت کے اعتبار سے یعنی مرنے کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے، اُس میں سکون، عافیت، راحت اور کامیابی محض اِس بنیاد پر نہیں ہے کہ کون مرد ہے؟ یا کون عورت ہے؟

یا کون طاقتور ہے؟ اور کون کمزور ہے؟

یا کون حسین وجمیل ہے؟ اور کون بدصورت ہے؟

بلکہ وہاں کے لئے دونوں کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی معیار رکھا ہے۔

اور وہ معیار ”ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ والی زندگی“ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل:] (یعنی جو شخص مرد ہو یا عورت ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا، تو ہم اُس کو (آخرت میں) بہترین زندگی عطا کریں گے، اور اُن کے اچھے اعمال کا انہیں پورا بدلہ دیں گے)

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے: ﴿اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات، جزء آیت: ۱۳] (یعنی تم میں سب سے زیادہ قابلِ تکریم اور عزت کے لائق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے)

مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہی اُصول متعین فرمایا اور دونوں کے لئے بشارتیں سنائیں ہیں۔

خاص طور پر جن خواتین نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ممتاز کردار پیش کیا، اُن کا قرآن وحدیث میں بہت اچھے انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایسی عورتوں کی فہرست میں ایک صاحبہ وہ بھی ہیں جن کا تذکرہ قرآنِ پاک کی اُس آیت میں کیا گیا ہے جو ہم نے شروع میں آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے۔

جن کا نام ''حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہے، جو فرعون کی بیوی تھیں۔

فرعون اتنا بڑا کافر تھا کہ اپنے کو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [النّٰزعٰت: ۲۳] (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہتا تھا۔

اور اتنا بڑا ظالم تھا کہ اُس نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو محض اِس خطرہ سے قتل کرا دیا کہ کہیں اُن میں وہ بچہ نہ ہو کہ جس کے بارے میں اُسے اندیشہ تھا کہ وہ اُس کی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنے گا۔

اتنے بڑے ظالم اور کافر کے گھر میں رہنے والی یہ پاک باز اور دین دار عورت ہیں، جن کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا تذکرہ قرآنِ پاک میں بہترین عورتوں کے ضمن میں فرمایا ہے۔

حضرت آسیہؓ اُمت کی خواتین کے لئے بہترین نمونہ

چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَاَةَ فِرْعَوْنَ﴾ [التحریم، جزء آیت: ۱۱] (یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی حالت بیان کی)

اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ: ﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ [التحریم، جزء آیت: ۱۱] (اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک محل تعمیر فرمایئے)

اِس کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ حضرت آسیہ ایمان لا چکی ہیں، تو پہلے تو اُس نے اُنہیں ایمان سے پھیرنے کی پوری کوشش کی؛ لیکن وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

بعض تفسیری روایات میں ہے کہ عاجز آ کر فرعون نے حکم دیا کہ اُنہیں دیوار پر کھڑا کر کے اُن کے بدن میں کیلیں اور میخیں ٹھونک دی جائیں۔ (تفسیر قرطبی ۹/۲۰۳، تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۳۶۲)

ظاہر ہے کہ یہ کتنی تکلیف کی بات ہے جس کے تصور سے ہی آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں؛ لیکن حضرت آسیہ کی استقامت کا حال یہ تھا کہ جب اُن پر یہ ظلم کیا جارہا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر زبانِ حال سے یہ فریاد کررہی تھیں کہ ''اِلٰہ العالمین! آپ پر ایمان لانے کی وجہ سے میرا دنیا کا عیش وعشرت چھوٹ رہا ہے؛ لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، بس آپ مجھے اپنی جنت میں اعلیٰ درجہ کا محل عطا فرمائیے''۔

نیز آپ کی زبان پر یہ دعا بھی جاری تھی: ﴿وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [التحریم، جزء آیت: ۱۱] (یعنی فرعون اور اُس کے عمل سے مجھے نجات عطا فرمائیے)

تو دیکھئے! کیسے نازک اور ناموافق ہوش ربا ماحول میں اللہ کی اِس برگزیدہ بندی نے دین پر تصلب اور جمے رہنے کا کیسا ثبوت دیا؟

چناں چہ اللہ تعالیٰ کو اُن کا یہ کردار ایسا پسند آیا کہ رہتی دنیا تک کے لئے اُن کا نام روشن کردیا، اور آخرت میں اُنہیں جو مقام ملے گا وہ الگ ہے۔

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: ''مردوں میں سے تو بہت سے لوگ درجۂ کمال کو پہنچے؛ لیکن عورتوں میں چند ہی خواتین با کمال کہلائے جانے کے لائق ہیں، اُن میں سرفہرست حضرت آسیہؓ ہیں''۔ (بخاری شریف/ کتاب الانبیاء حدیث: ۳۴۱۱)

تو ہماری مسلم خواتین بالخصوص طالباتِ علوم نبوت کے لئے قابل تقلید نمونہ وہ خواتین ہیں جن کا تذکرہ قرآنِ پاک اور اَحادیثِ شریفہ میں ہے۔

یعنی حضرت آسیہ، اَزواجِ مطہرات، بناتِ طیبات اور صحابیات رضی اللہ عنہن۔

جنہوں نے پاکیزگی والی زندگی گزاری۔

جنہوں نے اپنی نسوانیت کی بھی حفاظت کی اور اِنسانیت کی بھی حفاظت کی۔

اور اپنے اِسلام کو بھی اپنے سینے سے لگائے رکھا۔

چناں چہ ایسی عورتوں کی گودوں میں جو بچے پلے اور پل کر بڑے ہوئے اور اُن کی تربیت میں جوان ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو مقامِ ولایت پر فائز فرمایا۔

آپ تمام اَولیاء اللہ کی زندگی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ اُن کو بنانے اور سنوارنے میں اور دینی اعتبار سے مضبوط بنانے میں اُن کی ماؤں کا بڑا کردار رہا ہے۔

اِس لئے ہمیں زمانہ کے حالات سے مرعوب ہوئے بغیر دین پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

طالبات کے مدارس اور مکاتب کے قیام میں ہمارے اکابر کے پیشِ نظر یہی منشا رہا ہے کہ اُن کے ذریعہ ہماری آنے والی نسلیں دین پر قائم رہیں۔ اور فواحش ومنکرات اور معاصی سے اور زمانہ کی مسموم فضاؤں سے ہمارا معاشرہ محفوظ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر استقامت نصیب فرمائیں، اور ہر طرح کے غلط اثرات سے اور زہریلے ماحول سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۵)

عالمہ بننے کی لاج رکھیں!

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جمع وضبط:

اُم محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصور پوری)

ذاکر نگر نئی دہلی

- موضوعِ خطاب : عالمہ بننے کی لاج رکھیں!
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : افتتاحِ بخاری شریف ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ'' گلاسگو (اسکاٹ لینڈ برطانیہ)
- تاریخ : ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۴۱/منٹ
- جمع وضبط : اُم محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصور پوری) ذاکرنگر نئی دہلی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد الأنبياء والمرسلين، وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ أجمعين. أما بعد! فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي سيدنا ومولانا محمد صلى اللّٰه عليه وسلم، وخير الأمور عوازمها، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثةٍ بدعةٍ، وكل بدعةٍ ضلالةٍ.

وبالسند المتصل منا إلى الشيخ الإمام الهمام الحافظ الحجة أمير المؤمنين في الحديث أبي عبد اللّٰه محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن بردزبة الجعفي البخاري، رحمه اللّٰه تعالىٰ، ونفعنا بعلومهٖ آمين. أنه قال:

باب كيف كان بدء الوحي إلىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وقولهٖ تعالىٰ: **اِنَّـآ اَوْحَيْنَـآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ.** [النساء: ١٦٣] وبهٖ قال حدثنا الحميدي قال حدثنا سفيان قال حدثنا يحيىٰ بن سعيدٍ الأنصاري قال أخبرني محمد بن إبراهيم التيمي أنه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه على المنبر يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى

اللّٰـہ علیہ وسلم یقول: ’’**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوىٰ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلىٰ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.** (أو كما قال عليه الصلاة و السلام) (صحيح البخاري حديث: ١)

محترم بھائیو، بزرگو اور پس پردہ مائیں اور بہنیں!

ماشاء اللہ بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ کے اس ’’مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا‘‘ میں بخاری شریف کا آغاز ہورہا ہے، اور متعدد طالبات اپنا تعلیمی سفر پورا کرنے جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ سبھی طالبات کو علم نافع عطا فرمائیں، اور تازندگی اس علم کو تازہ رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

بخاری شریف کا مختصر تعارف

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اس طرح آپ نے تقریباً ۶۲ رسال کی عمر پائی۔ (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ۶۸۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

آپ نے ایک ہزار سے زیادہ اَساتذۂ حدیث سے ملکوں ملکوں اور شہر در شہر جاکر علم حدیث حاصل کیا، اور تقریباً چھ لاکھ حدیثیں محفوظ کیں۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری/ الفصل الاول ۷-۶۶۴)

اور اُن میں سے منتخب کرکے بخاری شریف (**الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه**) مرتب فرمائی، جس کی ترتیب میں تقریباً سولہ سال صرف ہوئے۔ (مقدمہ صحیح البخاری للسہارنپوری ۴)

اور یہ بھی مشہور ہے کہ آپ نے اس کتاب میں ہر حدیث درج کرنے سے پہلے باقاعدہ غسل فرمایا، اور دو رکعت نماز اَدا فرمائی، اُس کے بعد اِس کتاب کی ترتیب میں آگے قدم بڑھایا۔

(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے نوعمری میں خواب دیکھا کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پنکھا جھل رہے ہیں، (جیسے کوئی خادم اپنے بڑے کو پنکھا جھلتا ہے کہ

کہیں مکھی نہ بیٹھ جائے) آپ نے جب علماء وقت سے اس خواب کا ذکر کیا، تو اُنھوں نے یہ تعبیر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے صحیح اور من گھڑت اَحادیث میں امتیاز کا کام لیں گے۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری/ الفصل الاول ۷)

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اِس خواب کی تعبیر اس مبارک کتاب کی شکل میں پوری فرمائی کہ ایسے زمانے میں جب کہ دشمنانِ دین اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے سیکڑوں موضوع اور ضعیف روایتیں عوام میں جاری کردی تھیں۔تو حضرت امام بخاریؒ نے پوری توجہ اور اَمانت ودیانت کے ساتھ صرف صحیح سندوں والی روایتوں سے اس کتاب کو مزین فرمایا،اور احادیث صحیحہ کا ایک بہترین مجموعہ اُمت کے سامنے پیش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پوری اُمت کی طرف سے آپ کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم فرما کر اس کے ذیل میں احادیث درج فرمائی ہیں، اور ترجمۃ الباب کا احادیث سے انطباق اس کتاب کے امتیازات میں شمار ہوتا ہے۔ اِسی لئے علماء کا مقولہ ہے کہ ’’فِقْهُ الْبُخَارِيْ فِيْ تَرَاجِمِهٖ‘‘ یعنی امام بخاریؒ کی فقہ اگر دیکھنی ہے تو اُن کی کتاب کے تراجم ابواب (عنوانات) کا گہرائی سے مطالعہ کرو۔

حسنِ آغاز

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کا آغاز ایک اچھوتے انداز میں کیا ہے۔

آپ نے سب سے پہلے ’’بَابٌ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ‘‘ قائم فرمایا، یعنی اس عنوان سے کتاب شروع کی کہ وحی خداوندی کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ اور پھر اسی کے ساتھ سورۂ نساء کی درج ذیل آیت بھی ذکر فرمائی: ﴿اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ﴾ (النساء، جزء آیت: ۱۶۳) (کہ اے پیغمبر (علیہ السلام)! ہم نے آپ پر اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف وحی بھیجی تھی)

تو سوال یہ ہے کہ اس عنوان سے کتاب کو شروع کرنے میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس کائنات میں تمام ہی خیر کا سرچشمہ یعنی جہاں سے یہ ساری خیر نمودار ہوئی، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی ہے۔

اور اس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ جب ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اُتارا، تو یہ کہہ کر بھیجا: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى، فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ، جزء آیت: ۳۸) (جب تمہارے پاس میری جانب سے ہدایتیں آئیں گی، تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اُس کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

گویا کہ دنیا میں بھیجتے وقت حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ذریت سے یہ کہا گیا کہ تم دنیا میں جا تو رہے ہو؛ لیکن وہاں جا کر زندگی کیسے گذاری جائے؟ اور کیا کیا جائے؟ اور کیا نہ کیا جائے؟ اِس کے بارے میں میری طرف سے ہدایتیں آئیں گی۔ تو جو میری ہدایتوں کی پیروی کرے گا، وہ دوبارہ جنت کی طرف لوٹ آئے گا۔ اُس کے لئے یہ بشارت سنائی گئی کہ: ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یعنی نہ اُنہیں ڈر ہوگا نہ غم) اور یہ بات کامل طور پر سوائے جنت کے اور کہیں نہیں پائی جاسکتی۔

تو پتہ چلا کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی کا مدار اُن ہدایات پر ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعہ سے انسانیت کو عطا فرمائی ہیں، اِسی کو ہم ''وحی'' کہتے ہیں۔

تو جب ساری کامیابی کی بنیاد ''وحی'' ہے، تو کتاب کا آغاز ''بدء الوحی'' سے کرنا عین مصلحت اور حکمت کے مطابق ہے۔

وحی پر اِیمان ویقین

اور اس میں ہمارے لئے یہ پیغام بھی ہے کہ ہم سب کی زندگی وحی پر عمل کرتے ہوئے گذرنی چاہئے، اور اُسی پر موت آنی چاہئے۔

نیز ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی، وہ بالکل برحق ہے، اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

وہ اگر سمجھ میں آ جائے تو بھی قبول ہے، اور اگر بالفرض کسی کی عقل میں نہ آئے تو بھی قبول کیئے جانے کے لائق ہے۔

جب ہم نے کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ'' پڑھ لیا، تو اب ہم نے گویا تسلیم کرلیا کہ جو بھی ہدایت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہے، ہمیں اسے بہرحال تسلیم کرنا ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔

دنیا کے اندر بہت سے نظریات اور افکار پائے جاتے ہیں۔ اور آج کل تو میڈیا کا دور ہے، جو چاہتا ہے گوگل (Google) پر اور فیس بک (Facebook) وغیرہ پر جا کر معلومات حاصل کرلیتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ بس مجھے تو سب کچھ پتہ چل گیا، ایسے موقع پر گمراہی کے خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

اَب اگر ہمارے پاس صحیح علم اور نیک لوگوں کی صحبت نہ ہو، اور معتبر علماء سے ہمارا رابطہ اور ربط وضبط نہ ہو، اور صحیح تعلیم ہمارے گھروں تک نہ پہنچے، تو ہدایت پر قائم رہنا بہت مشکل ہے۔

بچیوں کی تعلیم

اس لئے ایسے ماحول میں خاص طور پر بچوں کے ساتھ بچیوں کو بھی علم صحیح سے آراستہ کرنا اور صحیح معلومات اُن تک پہنچانا اور اُن کے اندر صحیح فکر پیدا کرنا اُمت کی بنیادی ضروریات میں داخل ہے، اسی لئے تربیتی ماحول میں طالبات کے دینی اِداروں کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دین پر عمل کرنے کے لئے عالم ہونا شرط نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ کامل دین پر عمل کرنا صرف عالم کی ذمہ داری ہے، اور غیر عالم کے لئے کوئی چھوٹ ہے؛ بلکہ ہر مسلمان کے لئے قرآن اور احادیث کے احکام پر عمل کرنا بہرحال ضروری اور لازم ہے۔

قرآنِ پاک میں اِرشاد فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾ (البقرۃ، جزء آیت: ۲۰۸) (یعنی اے ایمان والو! اِسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو)

گویا کہ مسلمان کا کوئی بھی عمل دین اور شریعت کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔

بالخصوص جس کے ساتھ علم کا لیبل لگ جائے، یا وہ طالبات جن کو عالمہ کہا جانے لگے، تو اُن کو اوروں سے زیادہ اپنے علم پر عمل کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اور یہ اہتمام زندگی کے ہر شعبے میں ہونا ضروری ہے۔

علم پر عمل

اَولاً ہم ذاتی طور پر علم پر عمل کرنے والے بنیں۔ مثلاً بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ میں بہت سے ابواب کا تعلق اخلاقیات سے ہے، اِس لئے جب ہم یہ کتابیں پڑھیں، تو اپنا جائزہ بھی لیں کہ اخلاقی اعتبار سے ہمارے اندر کوئی کمی تو نہیں پائی جارہی ہے؟

جیسا کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں دوسروں کی برائی کرنے اور غیبت سے منع کیا گیا ہے۔

اَب ہم اپنا جائزہ لیں کہ کہیں اس مرض میں تو مبتلا نہیں ہیں؟ ہم کسی کی ٹوہ میں تو نہیں رہتے؟

اگر نہیں ہیں تو اللہ کا شکر بجالائیں۔

اور اگر اس طرح کی خصلت ہم میں پائی جاتی ہے، تو اُس سے بچنے کی کوشش کریں؛ تاکہ اس علم کا نفع ہمیں نصیب ہو۔

اسی طرح شریعت میں بے جا غصہ سے منع کیا گیا ہے۔

اور جو لوگ غصہ پی جائیں اُن کی تعریف کی گئی ہے، اور اُن کو اچھے مسلمانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (سورۂ آل عمران: ۱۳۴)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے بلاوجہ کے غصہ کو شیطانی اثر قرار دیا ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۱۴۰/۴)

اَب ہم اپنا جائزہ لیں کہ ایسا تو نہیں ہے کہ ہم ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آپے سے باہر ہوجاتے ہیں، یا ہماری زبان بے قابو ہوجاتی ہے، اگر ایسا ہو تو اس سے ضرور بچنے کی کوشش کریں۔

دو خرابیوں سے بچیں!

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید

کی نماز پڑھائی، اور خطبہ کے بعد عورتوں کے مجمع میں تشریف لائے، اور فرمایا: ''يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ''. (کہ اے عورتوں کی جماعت! صدقہ خیرات کیا کرو، اور بکثرت استغفار کیا کرو؛ اِس لئے کہ میں نے تمہیں جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں دیکھا ہے)

پیغمبر علیہ السلام کا یہ اِرشاد سن کر ایک سمجھ دار صاحبہ کھڑی ہوگئیں اور عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! ہمارا کیا قصور ہے کہ آپ نے ہمیں جہنم میں سب سے زیادہ دیکھا؟''

تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اندر دو برائیاں بہت پائی جاتی ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ تم آپس میں لعن طعن بہت کرتی ہو، یعنی تمہاری زبان ایک دوسرے کی برائی میں بہت چلتی ہے۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ تم شوہروں کی بڑی ناقدری کرتی ہو۔ (مسلم شریف/کتاب الایمان ۱/۶۰ حدیث: ۱۳۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بعض مرتبہ شوہر بیوی کے ساتھ ایک عرصہ تک حسن سلوک کرتا ہے؛ لیکن پھر بھی اگر کوئی ناگواری کی بات پیش آجائے، تو بیوی کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے: ''مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ'' (یعنی آج تک آپ کی طرف سے مجھے خوشی نصیب نہیں ہوئی) (بخاری شریف، کتاب الایمان/ باب کفران العشیر ۱/۹ حدیث: ۲۹)

گویا کہ ایک منٹ میں سبھی احسانات پر پانی پھیر دیا۔

اس لئے نبی اکرم علیہ السلام نے عورتوں کو صدقہ خیرات اور استغفار کی تلقین فرمائی؛ تاکہ زبان وغیرہ کی بے احتیاطی سے اجر وثواب میں جو کمی ہوتی ہے، اُس کی کچھ تلافی ہوجائے۔

مرد حضرات بھی اپنی اصلاح کریں!

لیکن عورتوں سے اِس خطاب کو دیکھ کر مرد حضرات یہ نہ سمجھیں کہ یہ برائیاں صرف عورتوں ہی میں قابل مذمت ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ وہاں عورتوں کا مجمع سامنے تھا، اس لئے آپ نے خاص طور پر عورتوں کو متوجہ فرمایا، ورنہ یہ برائیاں اگر مردوں میں پائی جائیں تو وہ بھی قابل مذمت ہیں۔

لہٰذا مردوں کو بھی اپنی زبان پر قابو رکھنا اور اپنی بیویوں کی قدردانی کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔

آپ اُن کی قدردانی کریں گے تو ادھر سے بھی قدردانی ہوگی۔

اچھی بیوی وہ ہے جو شوہر کی نظر میں اچھی ہو، اور اچھا شوہر وہ ہے جو بیوی کی نظر میں اچھا ہو۔

اور یہ اچھائی تب ہوگی جب دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو بجالائیں گے۔

طالبات و عالمات کی ذمہ داری

تو جو طالبات عالمہ بن رہی ہیں، وہ اگلی زندگی کے اندر اس کا ضرور اہتمام رکھیں کہ وہ معاشرے کے لئے ایک بہترین نمونہ بن جائیں۔

اور لوگوں میں یہ بات شہرت پا جائے کہ جو عورت عالمہ ہوتی ہے اُس کے ساتھ اِزدواجی زندگی خوش گوار گذرتی ہے۔

ایسا ہرگز نہ ہو کہ عالمہ بن کر یہ خیال دل میں آجائے کہ میں تو بس عالمہ بن گئی، اب میں سب سے برتر ہوں۔

پھر اگر اس کا رشتہ کسی عالم سے ہو جائے تو اُس سے خواہ مخواہ بحث ومباحثہ کرنے لگے، اور تکرار کی نوبت آجائے۔

اور اگر کسی غیر عالم سے جوڑ بیٹھ جائے تو اُس پر ہر وقت اپنے عالمہ ہونے کی دھونس جماتی رہے۔

ایسی ناگوار صورت ہرگز نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ عالمہ کو غیر عالمہ سے زیادہ شوہر کی قدردانی اور اطاعت کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ اور اپنے علم کی روشنی میں بہت ہی حسن تدبیر کے ساتھ زندگی گذارنی چاہئے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھی عورت کونسی

ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''اَلَّتِيْ تَسُرُّهٗ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيْعُهٗ إِذَا أَمَرَ، وَلاَ تُخَالِفُهٗ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ بِمَا يَكْرَهُ''. (سنن النسائي، كتاب النكاح / أي النساء خير؟ حديث: ٣٢٣١) (یعنی وہ عورت سب سے اچھی ہے کہ جب شوہر کی اُس پر نظر پڑے تو وہ اسے (اپنے اچھے اخلاق سے) خوش کر دے، اور جب شوہر اُسے کوئی حکم دے تو اُس کی اطاعت کرے، اور اپنی ذات اور شوہر کے مال میں کوئی ایسا عمل نہ کرے جو شوہر کی مرضی کے خلاف ہو)

اِس حدیث میں اچھی عورت کا جو معیار بتایا گیا ہے، ہماری ماؤں بہنوں کو اُس پر پورا اُترنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

واضح ہو کہ گھریلو ماحول کو سدھارنے میں عورت کے بہترین کردار کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

اس لئے عالمات کی بالخصوص ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں اور نسلوں کے اندر دین وایمان کی بقا کے لئے محنتیں کریں۔

اگر ان کے گھر میں کوئی منکر پایا جائے، تو اس پر حکمتِ عملی کے ساتھ روک ٹوک کریں۔

اور خود بھی منکرات سے بچنے کا اہتمام رکھیں۔

خاص طور پر بے حیائی کی باتوں، اور فواحش سے دور رہیں۔

اور اجنبی ماحول میں بے پردگی سے خود بھی بچیں، اور بچوں اور بچیوں کو بھی بچائیں۔

نیز موبائل اور انٹرنیٹ کی خرابیوں سے دور رکھنے کے لئے اُن کی مسلسل نگرانی کرتی رہیں۔

خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عفت مآبی

دنیا والے یہ سمجھتے ہیں کہ بہترین عورت وہ ہے جو حسن و جمال والی ہو۔

زیب وزینت اور میک اَپ کی دل دادہ ہو۔

محفلوں، بازاروں اور تفریح گاہوں میں آنے جانے میں اسے کوئی عار نہ ہو۔

ایسی ہی عورتوں کو آج پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اور اس معاملہ میں خواتین ایک دوسرے پر سبقت کرتی نظر آتی ہیں۔

لیکن ایک مسلمان عورت کو اِس معاملہ میں دیگر عورتوں کے بجائے خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے روشن کردار کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

عورتوں کی عفت مآبی اور پردہ وغیرہ کے بارے میں آپ کے نظریہ کا کچھ اندازہ اِس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ ''عورت کے لئے کون سی بات سب سے اچھی ہے؟'' اہلِ مجلس خاموش رہے، بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھر تشریف لے گئے اور جا کر سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آج مجلسِ نبوت میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ عورت کی کون سی صفت سب سے اچھی ہے؟ اِس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

اِس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

''عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ اُس پر کسی غیر مرد کی نظر نہ پڑے''۔

یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نبی اکرم علیہ السلام سے جا کر نقل کر دی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ''إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ'' یعنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو میرے بدن کا ٹکڑا ہیں۔ (مجمع الزوائد للہیثمی ۹/۲۰۵، نساء فی ظل رسول اللہ ﷺ عن البزار وغیرہ ۳۳۶، معارف القرآن ۷/۲۱۶، حیاء اور پاکدامنی ۹۵) (یعنی اُنہوں نے جو کہا وہ گویا شریعت کی عین ترجمانی ہے)

گھر کے کام کاج کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کا طرزِ عمل

اسی طرح آج کل کی بہت سی خواتین کی دلچسپیاں گھریلو کام کاج کے بجائے گھر کے باہر کے کاموں میں زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔

اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوئی نظر آئیں۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں الگ الگ رکھی ہیں۔

اگر خواتین اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر مردوں والی ذمہ داریاں اُٹھانے کی کوشش کریں گی، تو پورا خاندانی اور معاشرتی نظام تباہ ہو جائے گا، اور خوش گوار زندگی نصیب نہ ہوگی۔

اِس لئے ہماری ماؤں بہنوں کو چاہیے کہ وہ زمانے کے دھوکے میں نہ آئیں؛ بلکہ اِس معاملہ میں بھی اَزواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات رضی اللہ عنہن کے طریقے پر چلیں۔

اُن کا طریقہ یہی تھا کہ وہ تمام تر عبادات انجام دینے کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریاں بھی بحسن وخوبی ادا کرتی تھیں، اور اِس میں کوئی عار محسوس نہ کرتی تھیں۔

چناں چہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا— جو اہل بیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی تھیں — میرے نکاح میں تھیں۔

چکی سے آٹا پیسنے سے اُن کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔

اور مشکیزہ سے پانی نکالنے سے اُن کے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے۔

اور گھر کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے کپڑے گرد آلود اور مٹیالے ہو گئے تھے۔

اور چولہے پر کھانا پکانے کی وجہ سے کپڑے عیب دار ہو گئے تھے۔

الغرض آپ پر گھریلو کاموں کا بڑا بوجھ تھا۔

ایک مرتبہ ہمیں پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام باندیاں آئی ہیں، تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آمادہ کیا کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس جا کر اپنے لئے کسی خادم کی درخواست کریں، جو اُن کے کام کاج میں معاون بن سکے۔

چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی غرض سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مگر وہاں کچھ اور حضرات بیٹھے تھے، اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرما کر واپس آ گئیں۔

پیغمبر علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ آپؓ آئی تھیں اور واپس چلی گئیں، تو خود شام کو ہمارے گھر تشریف لائے، جب کہ ہم دونوں (حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہما) لحاف اوڑھ کر لیٹ

چکے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے سرہانے آکر تشریف فرما ہوگئے، حضرت فاطمہؓ نے مارے شرم کے اپنا چہرہ لحاف میں چھپالیا۔

پھر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''تم ہمارے گھر کس ضرورت سے آئی تھیں''؟

دو مرتبہ پوچھنے کے بعد بھی حضرت فاطمہؓ نے جواب نہ دیا۔

تو میں نے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے عرض کیا کہ حضرت! میں بتاتا ہوں! بات یہ ہے کہ چکی پیسنے اور مشکیزہ سے پانی لانے سے اُن کے بدن پر نشان پڑ گئے ہیں، اور گھر کی صفائی ستھرائی اور چولہا جلانے سے کپڑے خراب ہوگئے ہیں، ہمیں پتہ چلا تھا کہ آپؐ کے پاس کچھ خادم آئے ہوئے ہیں، تو میں نے ہی انہیں آمادہ کیا تھا کہ وہ آپؐ کے پاس جاکر خادم کی درخواست کریں؛ اس لئے وہ آپؐ کی خدمت میں گئی تھیں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہاری درخواست سے بہتر بات کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ وہ یہ ہے کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر لیٹو تو ۳۳/مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ''، ۳۳/مرتبہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''، اور ۳۴/مرتبہ ''اَللّٰہُ أَکْبَرُ'' پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہوگا۔ (ابوداؤد شریف ۵۰۶۲-۵۰۶۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے خادم مانگنے پر فرمایا کہ ''قسم بخدا! یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں خادم دے دوں اور صفہ میں مقیم فقراء صحابہ بھوکے پڑے رہیں، میں اُن غلاموں کو فروخت کرکے ان کی قیمت اہلِ صفہ پر خرچ کروں گا''، پھر آپ ﷺ نے تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا، جیسا کہ اوپر گذرا۔ (نساء فی ظل رسول اللہ ۳۲۷)

دیکھئے! یہ کردار اور عمل ہے اس ذات عالی کا جو سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد ﷺ کی سب سے چہیتی بیٹی ہیں، اور جن کو دنیا ہی میں خاتونِ جنت ہونے کی بشارت ملی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان عورت کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عزت وعافیت اس جھوٹی آزادی سے ہرگز حاصل نہ ہوگی جس کا آج دنیا میں پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔

بلکہ مسلمان عورت کو عزت انہی اخلاق وکردار پاکیزگی اور پاک دامنی سے ملے گی، جنہیں اپنا کر سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عزت ملی، اَزواجِ مطہرات کو عظمت کا مقام ملا، اور حضرات صحابیاتؓ کا نام دنیا اور آخرت میں روشن ہوا۔

صرف یہی پاکیزہ کردار عورت کی عزت کا سبب ہے، اِس کے علاوہ کسی راستہ میں عورت کو نہ عزت ملی ہے اور نہ مل سکتی ہے۔

بہر حال ہم عرض کر رہے تھے کہ کسی بھی معاشرہ کو سدھارنے میں ماؤں بہنوں اور گھر کی عورتوں کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

بیوی اگر اِصلاح کی ہمت کر لے تو بگڑا ہوا شوہر بھی سدھر جاتا ہے۔

اور ماں اگر ہمت کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کی نسلوں میں اولیاء اللہ پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ دنیا کے اسباب ہیں، جن کو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔

حسنِ نیت کا اہتمام

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً ''بدء الوحی'' کا باب قائم کیا؛ لیکن سب سے پہلے جو حدیث لائے ہیں اُس کا تعلق نیت کی درستگی سے ہے۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی جارہی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (تمام اعمال کے اجر وثواب کا مدار نیتوں کی درستگی پر ہے) نیت ٹھیک ہے تو عمل نافع ہے، اور اگر نیت خراب ہے تو عمل بے فائدہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے اِرشاد فرمایا: ''إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى'' (یعنی ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اُس نے نیت کی ہے)

اُس کے بعد اِرشاد فرمایا کہ: ''فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلىٰ دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِلىٰ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ'' (یعنی (جس نے اللہ اور رسول کی خوشنودی کے لئے

ہجرت کی ہے تو فبہا، اور) اگر دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی ہے، تو اُس کی ہجرت اُسی غرض کے لئے ہے جو اُس کے پیشِ نظر ہے، اُس پر اجر وثواب نہیں ملے گا)

مثلاً کسی شخص نے اس لئے ہجرت کی کہ وہاں کاروبار نہیں چل رہا تھا، دوسری جگہ جا کر کاروبار کریں گے تو وہ اچھا چلے گا، یا کسی عورت سے شادی کرنے کا اِرادہ تھا، وہ عورت ہجرت کر گئی، تو یہ آدمی بھی شادی کی غرض سے اُس کے پیچھے پیچھے چلا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کی چیزیں تو مل سکتی ہیں؛ لیکن بدنیتی کی وجہ سے اس عمل کا اجر وثواب کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں تبرکاً اور تنبیہاً نقل کیا ہے؛ کیوں کہ علم بڑے سے بڑا ہو یا چھوٹے سے چھوٹا، نیت کا استحضار ضرور ہونا چاہئے؛ کیوں کہ ہر خیر کے کام میں نیت کی درستگی کا اہتمام ضروری ہے۔

خاص طور پر طلبہ اور طالبات اور معلمین اور معلمات ہمیشہ اپنی نیتیں درست رکھیں کہ اس تعلیم سے ہمارا مقصد دنیا کمانا یا دنیاوی شہرت حاصل کرنا نہیں ہے؛ بلکہ ہمارا مقصد اللہ کی رضا اور شریعت کی اتباع اور دین کی نشر واشاعت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اس مدرسہ کو مزید برکات اور ترقیات سے مالا مال فرمائیں، ہر قسم کے داخلی خارجی شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، طالبات ومعلمات کو علم نافع عطا فرمائیں، اس ادارہ کے تمام معاونین اور منتظمین کو اجر جزیل سے نوازیں، اور جہاں جہاں بھی دنیا میں دین کے لئے جس جس انداز میں محنتیں ہو رہی ہیں، ان سب کو قبول فرمائیں، اور اُن کی حفاظت اور بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱٦)

دو عظیم نعمتیں

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○ موضوعِ خطاب	:	دو عظیم نعمتیں
○ خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
○ مقام	:	شاہی مسجد مرادآباد (بعد نماز ظہر)
○ تاریخ	:	۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۶؍جون ۲۰۱۸ء بروز بدھ
○ دورانیہ	:	۲۳؍منٹ
○ جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فقد قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: نِعمَتَانِ مَغبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ. (صحيح البخاري / كتاب الرقاق ٩٤٩/٢ رقم: ٦١٦٥) أو كما قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

یہ بخاری شریف کی روایت ہے، سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس اِرشادِ عالی میں پوری اُمت کو آگاہ فرمایا ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد وحساب ہیں؛ لیکن خاص طور پر دو نعمتیں بہت ہی قابلِ قدر ہیں؛ مگر اُن سے لوگوں کو جیسا فائدہ اُٹھانا چاہئے وہ نہیں اُٹھاتے؛ بلکہ اس میں کوتاہیاں کرتے ہیں۔

حالاں کہ اگر اُن نعمتوں کا صحیح استعمال کیا جائے اور اُن سے فائدہ اُٹھایا جائے، تو آخرت میں آدمی کا مقام ومرتبہ بلند سے بلند تر ہوسکتا ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ وہ دو نعمتیں کیا ہیں؟

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ وہ دو نعمتیں یہ ہیں:

(۱) صحت وتندرستی۔

(۲) خالی اَوقات۔

واقعی یہ دونوں ہی نعمتیں بہت عظیم الشان ہیں۔

کیوں کہ تندرستی آدمی کو نصیب ہے تو دنیا کی بے شمار نعمتوں سے وہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

اِس لئے کہ جب صحت اچھی ہوگی تبھی تو اچھا کھانا کھائے گا۔

جب ہی تو مشروبات پیئے گا۔

جب ہی تو اُسے سکون کے ساتھ نیند آئے گی۔

تندرستی کے بغیر آدمی کو آرام وراحت کہاں نصیب ہوسکتا ہے؟

دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں؛ لیکن اُن کے ساتھ ایسے امراض لگے ہوئے ہیں کہ وہ دنیا کی ہزاروں نعمتوں سے محروم ہیں۔

مثلاً دل کے مریض ہیں تو چکنائی اور تلی ہوئی چیزیں نہیں کھا سکتے۔

اُنہیں اُبلے ہوئے کھانے اور بے ذائقہ سبزیوں پہ گذارا کرنا پڑتا ہے۔

بڑے بڑے اَرب پتی ہیں؛ مگر خالی سبزیوں کا سوپ پیتے ہیں۔

اِس کے مقابلے میں بہت سے غریب اور کم آمدنی والے صحت مند لوگ مرغ کباب اُڑاتے ہیں، اور طرح طرح کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

گویا کہ اُنہیں تندرستی نصیب ہے تو بے شمار نعمتیں مہیا ہیں۔

اور اگر خدانخواستہ تندرستی میسر نہ ہو تو محض مال ودولت سے سکون حاصل نہیں ہوسکتا۔

جیسا کہ کسی نے بڑا عالی شان ائیر کنڈیشن کمرہ بنوایا؛ لیکن بیماری کی وجہ سے نیند نہیں آرہی، رات بھر کروٹیں بدل رہا ہے، اور نیند کی گولی کھا کھا کر پریشان ہے۔

تو ایسے کمرہ سے کیا فائدہ؟

ایک واقعہ

ہمارے ایک عزیز اچھے سرمایے دار اور بہت زمین جائیداد والے تھے؛ لیکن (اللہ محفوظ رکھے) اُنہیں سانس کا مرض ہوگیا، جس کی وجہ سے جب اُن پر مرض کا حملہ ہوتا، تو نہ لیٹے چین آتا نہ بیٹھے، پوری پوری رات سینے پر تکیہ رکھتے ہوئے گذر جاتی تھی۔

ایک مرتبہ ہم ان سے ملنے گئے، اُس زمانے میں چابی والی دیوار گھڑیاں چلا کرتی تھیں، جن میں ہر گھنٹے پر وقت کے اعتبار سے گھنٹیاں بجتی تھیں، مثلاً ایک بجنے پر ایک گھنٹی، دو پر دو، تین پر تین الخ، تو لیٹے ہوئے آدمی کو بھی سن کر پتہ چل جاتا تھا کہ کتنے بجے ہیں؟ اور ہر آدھے گھنٹے پر ایک گھنٹی بجا کرتی تھی۔

تو اُنہوں نے ہم سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ چوبیس گھنٹے میں کونسے ایسے اَوقات آتے ہیں جب لگا تار تین مرتبہ یہ گھڑی ایک گھنٹی بجاتی ہے؟

اُن کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ کسی کو دھیان ہو یا نہ ہو، میں چوں کہ بیماری کی وجہ سے رات بھر جاگتا ہوں، اس لئے مجھے پتہ ہے کہ ساڑھے بارہ پر ایک گھنٹی بجے گی، پھر ایک پر ایک گھنٹی بجے گی۔ اور پھر ڈیڑھ پر ایک گھنٹی بجے گی۔ اِس طرح ہر آدھے گھنٹے پر لگا تار تین گھنٹیاں بجیں گی۔

ظاہر ہے کہ یہ دھیان وہی شخص رکھ سکتا ہے جس کی رات کاٹے نہ کٹ رہی ہو، ورنہ سونے والے کو کیا پتہ کہ کب کونسی گھنٹی بجی؟

خلاصہ یہ کہ تندرستی بہت بڑی نعمت ہے۔

فارسی کی مثل مشہور ہے: ''تندرستی و ہزار نعمت''۔ (یعنی اگر تندرستی ہے تو یہ ہزاروں نعمتوں پر بھاری ہے)

تندرستی کی نبوی دعائیں

اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی ہے: **اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ**. (مجمع الزوائد ۱۰/۱۷۳) (یعنی اے اللہ! میں آپ سے تندرستی مانگتا ہوں)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جامع دعا بھی منقول ہے: **اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا**. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات ۲/۱۸۸) (یعنی اے اللہ! جب تک آپ ہمیں زندہ رکھیں، ہمارے کان، ہماری آنکھیں، ہمارے دیگر اعضاء اور صلاحیتوں سے ہمیں فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرماتے رہیں)

اِن دعاؤں کی آپ نے اِس لئے تعلیم دی؛ کیوں کہ تندرستی کے بغیر آدمی صحیح طرح عبادات بھی انجام نہیں دے سکتا۔

مثلاً سر میں درد ہو رہا ہے تو نماز اور تلاوت میں کیا جی لگے گا؟

اسی طرح اگر بدن میں بے چینی ہو، یا خدا نہ کرے کوئی عضو جواب دے جائے، یا چلنا پھرنا مشکل ہوجائے، تو کتنی عبادتوں سے آدمی محروم ہوجاتا ہے۔

لیکن عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تک تندرستی رہتی ہے تو اُس سے کما حقہ فائدہ نہیں اُٹھاتے، اور جب بیماری اور کمزوری آجاتی ہے تو پھر افسوس کرتے ہیں۔

تو یاد رکھئے! اگر آدمی تندرستی کے زمانے میں عبادات انجام دے اور اُن کا عادی بنا رہے، مثلاً پابندی سے نماز باجماعت آداب وشرائط کے ساتھ پڑھے، اور دیگر معمولات بجالائے، تو بعد میں اگر خدانخواستہ بیمار ہوجائے، تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے جو عبادت اور معمول پورا نہیں کر پائے گا، تو اُس کا ثواب بھی مفت میں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”**إِذَا كَانَ الْعَبْدُ يَعْمَلُ عَمَلاً صَالِحًا فَشَغَلَهُ عَنْهُ مَرَضٌ أَوْ سَفَرٌ كُتِبَ لَهُ كَصَالِحِ مَا كَانَ يَعْمَلُ، وَهُوَ صَحِيحٌ مُقِيمٌ**“. (سنن أبي داؤد / كتاب الجنائز ۲/۴۴۰ حديث: ۳۰۹۱ / عن أبي موسىٰ الأشعري، ومثله في صحيح البخاري حديث: ۲۹۹۶) (یعنی اگر کوئی شخص کسی نیک عمل کا پابند ہو، پھر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ

عمل نہ کرسکے، تو وہ جس طرح تندرستی اور مقیم ہونے کی حالت میں نیک عمل کرتا تھا اُس کا ثواب اُس کے لئے (ویسے ہی) لکھ دیا جاتا ہے)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ ثواب اُسی وقت ملے گا جب کہ وہ شخص تندرستی میں اُن معمولات کا پابند رہا ہو؛ لہٰذا اگر کسی شخص نے صحت کا زمانہ غفلت میں گذار دیا، اور جوانی فضولیات میں لگادی، تو پھر جب معذوری کا زمانہ آئے گا، تو وہ محروم کا محروم ہی رہے گا؛ اِس لئے کہ اُس نے قیمتی اوقات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی نعمت کو ضائع کردیا۔

اِس لئے جن لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے تندرستی عطا کر رکھی ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے تندرستی کی بقا کے لئے دعا کرتے رہیں، اور صحت کے زمانے کو کارآمد بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسری عظیم نعمت

اور اس حدیث میں جس دوسری نعمت کا آپ نے تذکرہ فرمایا، وہ ’’فارغ البالی اور خالی اَوقات‘‘ کی نعمت ہے۔

یعنی اگر کسی شخص کو زندگی کے ایسے لمحات نصیب ہیں جن میں اُس پر کسی کام کا تقاضا نہیں ہے، تو وہ اگر چاہے تو اِن لمحات کو نیکیوں سے بھر کر اپنے لئے کارآمد بنا سکتا ہے۔

مثلاً زبان سے ذکر یا تلاوت کرے، یا کسی اور خیر کے کام میں اپنے کو مصروف کرلے، تو وہ عظیم الشان اجر وثواب کا مستحق بن سکتا ہے۔

لیکن اگر ہم نے کسی خیر کے کام میں وقت لگانے کے بجائے اُسے گناہ کے کام میں لگادیا، تو یہ وقت ہمارے لئے بعد میں وبال بن جائے گا۔

اسی طرح اگر گناہ میں تو نہیں لگایا؛ لیکن کسی خیر کے کام میں بھی صرف نہیں کیا؛ بلکہ ویسے ہی ضائع کردیا، تو بھی اپنا بڑا نقصان کیا۔

مثلاً نیند نہیں آرہی تھی مگر بلاوجہ سوگئے، یہ سوچ کر کہ خالی وقت ہے چلو سو ہی جاؤ، تو اِس سونے کی وجہ سے ہم نے اپنے کو بہت سے منافع سے محروم کرلیا؛ کیوں کہ اگر جاگنے کی حالت میں کوئی خیر کا کام کرلیتے تو نیکیوں کا ذخیرہ سمیٹ سکتے تھے۔

مثل مشہور ہے: ’’جو سویا وہ کھویا‘‘۔

اسی طرح کسی سے بات کرنے بیٹھ گئے تو گھنٹوں بیکار کی باتیں چل رہی ہیں۔

اور چوپال یا ہوٹل میں پہنچ گئے تو وہاں ایسی بحثیں شروع کردیں جن میں نہ دین کا فائدہ، نہ دنیا کا۔

اخبار کا چسکہ

اسی طرح کچھ لوگوں کو اخبار کا ایسا چسکہ ہوتا ہے کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا کہ جب تک اخبار نہ ملے انہیں چین ہی نہیں آتا۔

چناں چہ ہمارے اعزہ میں ایک صاحب تھے، جو انگریزی پڑھے لکھے تھے۔

آج سے تقریباً ۲۵ رسال پہلے جب وہ حج کو جانے لگے تو اپنے بچوں سے کہا کہ جو انگریزی اخبارات آئیں، وہ سب سنبھال کر رکھنا۔

پھر جب موصوف تقریباً ڈیڑھ مہینے کے بعد حج کے سفر سے واپس آئے، تو اُنہوں نے تاریخ وار سارے اخبار پڑھ ڈالے۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ اخبار کی کیسی للک تھی کہ پرانی خبریں بھی چھوڑنا گوارا نہ ہوا؟

کھیل کود سے شغف

کچھ یہی حال کھیل کود سے لوگوں کی دلچسپی کا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کرکٹ وغیرہ کے میچوں سے شغف ہوجائے، تو نماز، روزہ، تلاوت اور تراویح وغیرہ سب سے ہٹ کر ذہن ودماغ بس کھیل ہی کی طرف لگا رہتا ہے کہ کتنے رن ہوگئے؟ کون کھیل رہا ہے؟ کون آؤٹ ہوگیا؟ کتنے چھکے لگے؟ کتنے چوکے لگائے؟ وغیرہ۔

تو ہم کہا کرتے ہیں کہ ذرا غور کریں کہ جو کھلاڑی میدان میں کھیل رہا ہے اُس کا تو کچھ فائدہ بھی ہے کہ وہ بھاگے دوڑے گا، اور کچھ پسینہ نکلے گا تو اس کی صحت بنے گی، اور اگر جیت گیا تو کچھ انعام بھی ملے گا۔

مگر ہم اور آپ تو ''نہ تین میں نہ تیرہ میں''؛ بلکہ دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی، مگر افسوس ہے کہ شیطان نے ہمیں ایسے ہی کاموں میں لگا رکھا ہے، اللھم احفظنا منہ۔

سفر کے اَوقات کو بھی کار آمد بنائیں!

آج لوگ سفر میں جاتے ہیں، گاڑی کا سفر ہو یا ٹرین وغیرہ کا، تو وقت گذاری کے لئے موبائل وغیرہ پر یا تو اُلٹی سیدھی چیزیں سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں، یا فضول گپ شپ میں مشغول رہتے ہیں۔

اور جب منزل پر پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بڑا اچھا سفر گذرا، کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔

فلم دیکھ لی، یا گانا سن لیا، یا آپس میں گفتگو میں ایسے محو ہوئے کہ مسافت سفر کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔

حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قیمتی لمحات ہم نے ضائع کردئے، لہٰذا یہ خوشی کا نہیں؛ بلکہ افسوس کا موقع ہے۔

کیوں کہ اگر اِن لمحات میں اللہ کو یاد کیا جاتا، تسبیح پڑھی جاتی، درود شریف پڑھا جاتا، قرآنِ کریم کی تلاوت ہوتی، تو نیکیوں کا کتنا ذخیرہ ہمارے پاس جمع ہوجاتا، جو آخرت میں کام آتا۔

لیکن عموماً اِس کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں جاتا۔

ہمارے یہاں مدرسہ شاہی میں حضرت مولانا مفتی عبد الرحمٰن صاحب بچھرایونیؒ بہت بڑے مفتی، وسیع النظر عالم دین اور نہایت عابد وزاہد شخص تھے، اور ذکر واذکار اور معمولات کے بہت پابند تھے، آپ کا شمار اپنے دور کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔

حضرتؒ کے صاحب زادے (جو خود بھی بڑے عالم اور شیخ الحدیث ہیں) نے خود احقر سے بتلایا کہ وہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ٹرین میں سفر کررہے تھے، اور کھڑکی کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

تو والد صاحب نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تمہیں کوئی تکلیف یا کوئی پریشانی ہے؟

موصوف فرماتے ہیں کہ میں اس سوال پر بڑا حیران ہوا، اورعرض کیا کہ حضرت کوئی پریشانی نہیں۔

تو والد صاحب فرمانے لگے کہ پھر چپ کیوں بیٹھے ہو؟ یہ وقت جو گذر رہا ہے اِس میں کوئی تسبیح پڑھ لو، قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا سورت پڑھ لو، خالی بیٹھنے سے کیا فائدہ؟

گویا کہ یہاں تمہارا کوئی اور مشغلہ تو ہے نہیں، اِس لئے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بجائے زبان کو ذکر واَذکار میں مشغول رکھو؛ تاکہ یہ لمحات ضائع نہ ہوجائیں۔

دیکھئے کتنی گراں قدر نصیحت اور تنبیہ ہے! جو ہم سب کے لئے یاد رکھنے کے قابل ہے۔

لیکن اکثر لوگوں کا حال یہی ہے کہ وہ فرصت کے لمحات کو یونہی ضائع کردیتے ہیں۔

اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''مَغْبُوْنٌ فِيهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ'' (یعنی دنیا کے اکثر لوگ ان نعمتوں (صحت اور خالی اَوقات) سے فائدہ اُٹھانے میں خسارے اور نقصان میں ہیں) یعنی جیسا اُن نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہئے وہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

ایک عبرت آموز حدیث

ایک دوسری حدیث میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ (یعنی پانچ باتوں کے پیش آنے سے پہلے پانچ باتوں کو غنیمت سمجھو)

(۱) شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ (یعنی بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو)

(۲) صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ (یعنی بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت سمجھو)

(۳) غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ (یعنی فقر وفاقہ سے پہلے مال ودولت کو غنیمت سمجھو)

(۴) فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ (یعنی خالی وقت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو)

(۵) حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ (یعنی موت سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو) (شعب الایمان للبیہقی ۱۰/۲۴۸/عن ابن عباس)

ہر روز جائزہ لیں!

ہمیں چاہئے کہ ہم ہر روز اپنے اعمال کا اسی طرح جائزہ لیں، جیسے ہر ہوشیار دوکان دار دوکان بند کرتے وقت جائزہ لیتا ہے کہ آج کے دن میرا کاروبار کیسے گذرا؟

ہر کامیاب تاجر کے لئے یہ جائزہ ضروری ہے۔

کیوں کہ اگر جائزہ نہ لیا تو جلد ہی دوکان خسارے میں چلی جائے گی۔

اِس لئے کہ اگر دوکان دار کو یہ پتہ نہ رہے کہ دوکان میں کتنا مال ہے؟ اور کاروبار پر کتنی دَین داری ہے؟ اور دوسروں پر کتنا قرض ہے؟ تو وہ زیادہ دن دوکان نہیں چلاسکتا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ صرافہ بازار میں پہلے زمانے میں جب سارا حساب و کتاب کھاتوں میں لکھا جاتا تھا، تو شام کو دوکان دار پورے کھاتے بھر کر ہی گھر واپس جایا کرتے تھے۔

ان لوگوں کی تجارتی کامیابی کا راز یہ ہے کہ انہیں ہر دن دوکان کا حساب پتہ رہتا ہے کہ کیا گیا؟ کیا آیا؟ اور کیا ہے اور کیا نہیں؟

اسی پر وہ اپنے اگلے دن کا نظام مرتب کرتے ہیں، اور خسارے سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح ہم روزانہ سونے سے پہلے یہ جائزہ لیں کہ صبح اُٹھ کر رات کو سونے تک دینی اعتبار سے ہم نے کیا نفع کمایا اور کیا نقصان ہوا؟

ہم نے وقت پر نماز پڑھی یا نہیں؟

ہمارے معمولات پورے ہوئے یا نہیں؟

ہم سے کوئی خیر کا کام ہوا یا نہیں؟

یا ـــــ ہم سے کہیں گناہ تو نہیں ہوگیا؟

کسی کی حق تلفی تو نہیں ہوگئی؟

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہوگئی؟

پس اگر خیر کا کام ہوا ہو تو اللہ کا شکر بجالائیں، اس سے مزید توفیق ملے گی۔

اور اگر خدانخواستہ گناہ ہو گیا ہو، تو سچی توبہ کرکے سوئیں کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔

اور اپنے اوپر کسی کا حق ہوگا تو اُس کو ادا کریں گے۔

اگر چند روز پابندی سے اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہماری زندگی صحیح ڈگر پر قائم ہو جائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اَب رمضان کے مہینے میں یہ پختہ اِرادہ کرلیں کہ جو غفلت ہوئی سو ہوئی، اللہ معاف فرمائیں، اَب آئندہ غفلت سے دور رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائیں، اور نعمتوں کی قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۷)

دعوتِ دین کا عمومی مفہوم

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

- موضوعِ خطاب : دعوتِ دین کا عمومی مفہوم
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : تبلیغی مرکز لندن (بعد نماز فجر)
- تاریخ : ۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۷؍ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۲۲؍ منٹ
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. [آل عمران: ١٠٤] صدق الله مولانا العلي العظيم.

محترم بھائیو اور بزرگو!

ہمارا دین اسلام ایک اجتماعی دین ہے۔

اجتماعی دین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دین کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے؛ بلکہ دوسروں کو بھی دین پر چلانے اور دین پر ثابت قدم رکھنے کے لئے محنت کرے۔

اِس کو آپ دوسرے الفاظ میں دعوتی دین بھی کہہ سکتے ہیں۔

دعوتِ دین اُمت محمدیہ کی ذمہ داری ہے

قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام عالم میں درجہ بدرجہ اچھی باتیں پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے لئے محنتیں کرے۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: جزء آیت: ۱۱۰)

(یعنی تم لوگ سب سے بہترین اُمت ہو، تمہیں لوگوں کی نفع رسانی کے لئے بھیجا گیا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ معروف یعنی اچھی باتوں کا حکم کرو اور منکر اور برائیوں سے روکو، اور اللہ پر سچا پکا ایمان رکھو)

تو معلوم ہوا کہ دعوتِ دین اِس اُمت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

اور اس میں کوئی تفریق نہیں کہ یہ تو علماء کا یا فلاں طبقہ کا کام ہے؛ بلکہ ہر مسلمان اپنے دائرۂ اثر میں دین کو نافذ کرنے اور دین کو پھیلانے کا مکلّف ہے۔

اور خاص طور پر ہر زمانے اور ہر علاقے میں کچھ حضرات ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو اس فکر کو اپنے اُوپر اوڑھ لیں کہ دین کو زندہ کرنا ہے، اور دین پر محنت کرنی ہے۔

چناں چہ جو آیت ہم نے شروع میں پڑھی تھی، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (یعنی تمہارے اندر ایک ایسی جماعت رہنی چاہئے جو دعوت الی الخیر کا کام کرتی رہے، اور اچھائیوں کو پھیلاتی رہے، اور برائیوں پر روک ٹوک کرتی رہے، یہی جماعت کامیاب لوگوں کی جماعت ہے)

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ کا مصداق کوئی خاص جماعت نہیں

لیکن یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ شریعت کی نظر میں اس جماعت کا کوئی خاص مصداق نہیں ہے کہ مثلاً ایک گروپ یا جماعت بنالی جائے، اور صرف اُسی کو اِس آیت کا مصداق قرار دے کر دوسروں سے نفی کردی جائے، ایسا سمجھنا درست نہیں ہے۔

بلکہ دین پھیلانے اور اسے باقی رکھنے کے جتنے بھی شعبے اور جتنی بھی صورتیں ہیں، وہ سب دعوت الی الخیر کے مجموعی مفہوم میں شامل ہیں۔

علامہ بغویؒ نے سورۂ فصلت کی آیت نمبر ۳۳ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ الـــخ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت حسن بصریؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ دعوت الی اللہ کرنے

والوں میں ہر وہ شخص شامل ہے جو دین کی باتوں کو قبول کر کے اُنہیں دوسروں تک پہنچائے۔ اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ نے بھی دعوت الی الخیر کے مفہوم کو عام رکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۲ دار السلام ریاض)

لہٰذا کوئی آدمی اگر اپنے طور پر کسی جماعت سے جڑے بغیر دین کی محنت کرے، اور دعوت الی الخیر کا کام انجام دے تو وہ بھی اس کے مصداق کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح کوئی عالم اگر کسی مدرسہ میں بیٹھ کر بچوں کو دین سکھلائے، اور اُن کی دینی تربیت کرے، تو وہ بھی دعوت الی الخیر کا کام انجام دینے والا ہے؛ کیوں کہ کسی بھی درجہ میں دین سکھلانا، خواہ بچوں کو ہو یا بڑوں کو، عوام کو ہو یا خواص کو، وہ سب اِس کے اندر داخل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کا تزکیہ کرائے، ان کو اچھے اخلاق کا عادی بنائے اور برائیوں سے توبہ کرا کر دین پر چلنے کی تلقین کرے، تو وہ بھی بدرجہ اولیٰ داعی الی الخیر کہلائے جانے کے لائق ہے۔

نیز اگر کوئی شخص اللہ کی دی ہوئی توفیق اور صلاحیت سے دین کی باتیں لکھ کر پھیلائے، مثلاً کوئی مفید کتاب لکھے، یا مضمون شائع کرے، وہ بھی اِس میں شامل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص لوگوں کو مسائل بتائے اور فتاویٰ جاری کرے، اور حلال وحرام کے بارے میں اُمت کو آگاہ کرے، تو ایسا شخص یقیناً مذکورہ آیت کا اَولین مصداق قرار پائے گا؛ اس لئے کہ جب تک لوگوں کو صحیح مسئلہ کا علم نہ ہو، وہ دین پر پوری طرح عمل ہی نہیں کر سکتے۔

اسی طرح جو شخص صحیح عقائد اُمت میں عام کرے اور غلط اور باطل نظریات کی تردید کا فرض انجام دے، تو یہ بھی دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک اہم جز ہے؛ کیوں کہ اگر حق وباطل میں امتیاز نہ رہے، تو دین اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہ رہے گا۔

اور جو شخص دین کی دعوت کے جذبے سے شہر شہر اور قریہ قریہ اور محلّہ محلّہ سفر کرے، اور انفرادی واجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ اُمت کے افراد کو دین کی طرف آنے کی دعوت دے، وہ بھی اِس آیت کا مصداق ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنے ذہن اور اپنی فکر کو ہمیشہ وسیع رکھنا چاہئے، اور دین کی خدمت میں لگے ہوئے تمام افراد کے واسطے ہمارے دل میں قدر وقیمت ہونی چاہئے۔

اس دین کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اِس کے کسی بھی کام پر کسی

خاص طبقے یا جماعت کی اجارہ داری نہیں ہے؛ بلکہ قرآن وسنت کی بتائی ہوئی حدود میں رہتے ہوئے بلا استثناء کوئی بھی شخص یا جماعت دین کا کام انجام دے سکتی ہے۔

اور یہ سوچنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ دین کا کام تو صرف ہم ہی کررہے ہیں، اور جو ہمارے طریقے اور نہج سے الگ ہے، وہ دین کا کام کرنے والا نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے نادانوں نے آج دین کے کام کو کسی خاص مقررہ طریقے میں منحصر سمجھ رکھا ہے، تو یہ سب زیادتی کی باتیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں دورِ نبوت اور دورِ صحابہؓ سے مسلسل چلی آرہی ہیں، اور ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہیں گی، اُن کو کسی خاص طبقے یا خاص جماعت میں، یا کسی خاص صورت میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

تبلیغی تحریک کا اصل منشاء

ہماری جو یہ تبلیغی جماعت کے نام کی تحریک ہے، جو حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی خاص توفیق سے اِس نئے زمانے میں ضرورت کے تحت جاری فرمائی، اس تحریک کا اصل منشاء ہی یہ ہے کہ دین امت کی زندگی کے ہر شعبے میں زندہ ہوجائے، اور دین سے جڑے ہوئے تمام اَفراد اور خدمت کرنے والے تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق، معاون اور ساتھی بن جائیں۔

گویا کہ اِس جماعت کا اصل کام دینی ذہن بنانا ہے؛ اس لئے کہ جب دینی ذہن بنے گا تبھی دین کے تمام شعبوں کی قدر وقیمت اور اہمیت آدمی کے ذہن میں آئے گی۔ (مستفاد: ملفوظات ص: ۷۷)

اور جب قدر وقیمت پیدا ہوگی تو پھر خود بخود تعاون کا جذبہ بھی بیدار ہوگا، اور اپنی نسلوں میں دینی تعلیم کی بقا کی فکر بھی ہوگی، جس کی بنا پر آدمی اپنے بچے بچیوں کو مدارس ومکاتب میں داخل کرنے کی فکر بھی کرے گا، اور ضرورت پڑنے پر مالی تعاون میں بھی دریغ نہیں کرے گا۔

تو پتہ چلا کہ یہ دینی فکرمندی دین کے دیگر شعبوں کی ترقی کا سبب بنتی ہے، یہی اِس جماعت کی محنت کی اصل روح ہے۔ اور اِس اعتبار سے یہ جماعت دیگر تمام دینی شعبوں کے لئے معاون کی حیثیت رکھتی ہے، گویا کہ اس کی محنتیں تمام دینی شعبوں کو زندہ کرنے کے لئے ہیں، یہ کسی شعبے کے مدمقابل نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہر شخص کو ہر وقت دل میں رکھنی چاہئے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دین کی تمام محنتوں کی قدر وقیمت اور عظمت دل میں جاگزیں ہوگی، اور کسی کی طرف سے تحقیر کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہوگا۔

علم وذکر کا اہتمام

حضرت اَقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کے حضرات کو خاص طور پر علم دین اور اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد جب کہ نظام الدین کی مسجد میں جماعت تبلیغ میں عملی حصہ لینے والوں کا بڑا مجمع تھا، اور حضرت مولاناؒ کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے، تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا، اور اُس کے واسطے سے پوری جماعت کو یہ نصیحت کی کہ:

’’آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام نہیں کیا؛ بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر اِن دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنے اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے ...... الخ‘‘۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ ص: ۳۹ مکتبہ یحیوی سہارنپور)

حضرت کے اِس پورے ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد ناقل ملفوظ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ’’حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اِس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ ودعوت کے سلسلے کی محنت ومشقت سفر وہجرت اور اِیثار وقربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں، جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے؛ بلکہ دین کے تعلیم وتعلم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اُس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں‘‘۔ (حوالہ بالا ص: ۴۰)

اسی طرح ایک موقع پر حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ: ’’ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دین دار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں اور اپنے نیچے والوں کو دیں‘‘۔

نیز فرمایا کہ: ’’ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزتِ مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہے، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہئے، اور علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے‘‘۔ پھر فرمایا: ’’علم وذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا، اِس کی مجھے بڑی فکر ہے۔ اور اِس کا طریقہ یہی ہے کہ اِن لوگوں کو اہلِ علم اور اہلِ ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ اُن کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں، اور اُن کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں‘‘۔ (ملفوظات ص: ۵۷)

اسی لئے آپ نے تبلیغ کے جو چھ نمبر متعین فرمائے، اُن میں علم وذکر کو خاص اہمیت دی؛

کیوں کہ علم کی روشنی کے بغیر دینی سفر طے نہیں ہوسکتا، اور گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی؛ اس لئے کہ کتنی ہی اچھی اور گراں قدر گاڑی ہو، اگر اس کی لائٹیں فیل ہوں اور اندھیری رات کا سفر ہو، تو وہ گاڑی ہرگز منزل تک نہیں پہنچا سکتی۔ پس جو حیثیت دنیا کی سواریوں میں لائٹوں کی ہے، وہی حیثیت دین کے سفر میں ''علم صحیح'' کی ہے۔

اور علم صحیح کا مطلب یہ ہے کہ جو معلومات ہم کو معتبر ذرائع سے محقق طور پر پہنچی ہیں، اُنہیں پر ہم اعتماد کریں اور اُنہیں کو دنیا میں عام کریں، اور کوئی ایسی بات نہ پھیلائیں جو سلفِ صالحین سے ثابت نہ ہو۔

آج کل اِس بارے میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے کہ مواعظ و بیانات میں تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی باتیں آگے چلادی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے بڑے فتنے اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس لئے خاص طور پر اِس مبارک محنت سے جڑے ہوئے حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی تعبیرات اور تشریحات پیش نہ کریں جو اکابر واسلاف سے منقول نہ ہوں؛ بلکہ دین کی واضح اور ضروری باتیں آسان انداز میں اِس طرح پیش کریں کہ ہر شخص کی سمجھ میں آجائیں، اور کسی کو کوئی تردد نہ ہو؛ تاکہ پوری دل جمعی اور قلبی اطمینان کے ساتھ دین کا کام بلا رکاوٹ آگے بڑھتا رہے۔

نیز ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں اور ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔

اور دین کو پھیلانے اور زندہ رکھنے کی جو بھی جائز تدبیریں اور صورتیں اپنائی جاسکتی ہیں، ان کو اپنانے میں کوئی دریغ نہ کریں۔

اور تمام اہل دین اور خدام دین کے ساتھ دلی اعتبار سے ربط اور تعلق برقرار رکھیں، تو جیسے پہلے اِس کام میں برکتیں ہوتی رہیں، ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ برکتیں نصیب ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، ہر قسم کے شرور وفتن اور داخلی وخارجی انتشار سے اُمت کے ہر فرد کو محفوظ فرمائیں، دلوں کے کھوٹ کو دور فرمائیں، ایک دوسرے کی قدر دانی، خیر خواہی، محبت اور تعلق نصیب فرمائیں، آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(بعد ازاں طویل دعا پر مجلس کا اختتام ہوا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۸)

آیئے حج کریں!

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جمع وضبط:

اُم محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصور پوری)

ذاکر نگر نئی دہلی

موضوعِ خطاب	:	آیئے حج کریں!
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	عزیزیہ شمالیہ (نزد مسجد فقیہ) مکہ مکرمہ
تاریخ	:	۷/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹/اگست ۲۰۱۷ء بروز منگل
دورانیہ	:	۵۶/منٹ
جمع وضبط	:	اُمِ محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصور پوری) ذاکر نگر نئی دہلی

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ. (مسند أحمد ۳۲۵/۳، الترغيب والترهيب مكمل ۲۵۹) أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

محترم بھائیو اور بزرگو، اور ہماری مائیں اور بہنیں!

سب سے پہلے ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شکر گذاری لازم ہے کہ اس نے اس مقدس مقام پر عبادت کے لئے حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اِس نعمت کی کما حقہ قدر دانی سے بھی سرفراز فرمائیں، آمین۔

اسلام کے ارکان میں حج ایک اہم ترین رکن ہے، جس کے بڑے فضائل اَحادیثِ شریفہ میں وارد ہیں۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: "اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ" (مسند أحمد ۳۲۵/۳، الترغیب والترھیب مکمل ۲۵۹) (یعنی حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ ہے ہی نہیں)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: "مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" (صحیح البخاري ۲۰۶/۱) (یعنی جس آدمی نے اس طریقہ پر حج کیا کہ اُس میں نہ تو کوئی بے حیائی کی بات کی اور نہ کوئی گناہ کا عمل کیا، تو وہ اس طرح حج کر کے واپس جاتا ہے جیسا کہ اُس دن تھا جس دن اُس کی ماں نے اُسے جنا تھا)

گویا کہ جس طرح نومولود بچہ گناہوں سے پاک اور صاف ہوتا ہے، اسی طرح حج کرنے والا بھی گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر واپس ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حج بہت بڑی عبادت ہے جس کی انجام دہی کے لئے ہم یہاں پر حاضر ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے!

یہ کوئی تفریح کا سفر نہیں۔

ریا کاری، دکھاوے اور شہرت کا سفر نہیں۔

دنیاوی منافع کے حصول کا سفر نہیں۔

بلکہ یہ از اول تا آخر عبادتِ خداوندی کا سفر ہے۔

اور اس سفر کے ہر ہر انداز سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے عشق ومحبت کا اظہار ہوتا ہے۔

احرام کا حکم

چناں چہ جب آدمی یہاں آنے کا ارادہ کرے تو اس کے اوپر میقات سے احرام باندھنا لازم ہوتا ہے۔

احرام میں مرد وعورت سب کے لئے خوشبو لگانا، بال کاٹنا، ناخون کاٹنا، میاں بیوی کا ساتھ ملنا، اور آپس میں بے حجابی کی باتیں کرنا، اسی طرح شکار کرنا یہ مطلقاً منع ہے۔

نیز احرام میں مردوں کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا بھی منع ہے۔

خواتین کا احرام

البتہ عورتوں کے لئے احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ شریعت ہر حالت میں عورتوں کو پردے میں رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ اور چوں کہ بے سلے کپڑوں میں عورت کے لئے پردہ میں رہنا مشکل ہے، اس لئے عورتوں کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے لباس سے منع نہیں کیا گیا۔

بس ایک چیز ان پر لازم کردی گئی کہ اِس حالت میں چہرے پر کپڑا نہ لگے، بقیہ لباس وہی ہے جو عام دنوں میں پہنا جاتا ہے۔

اِس میں کسی رنگ کی بھی قید نہیں ہے۔ بعض عورتیں احرام میں سفید کپڑا پہننا ضروری خیال کرتی ہیں، تو شریعت میں اِس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ بلکہ عورت کسی بھی رنگ کا کپڑا پہن سکتی ہے۔

احرام میں بھی پردہ کا اہتمام

اور چہرے پر کپڑا نہ لگنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر مردوں کے سامنے بے تکلف آتی رہیں؛ بلکہ ان سے اپنے کو چھپانے کی بہر حال کوشش ہونی چاہئے۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’جب احرام کی حالت میں ہمارا غیر مردوں کے پاس سے گذر ہوتا تو ہم چہرے پر گھونگٹ ڈال لیتے تھے، اور جب وہاں سے آگے بڑھتے تو چہرہ کھول لیتے تھے‘‘۔ (ابوداؤد شریف ۱/۲۵۴)

تو پتہ چلا کہ عورتوں کے لئے احرام کی حالت میں بھی اپنے آپ کو غیروں سے چھپانے کا حکم ہے۔ اور مردوں پر لازم ہے کہ وہ غیر عورت پر بالقصد نظر نہ ڈالیں۔

یہ بھی امتحان اور آزمائش کا موقع ہے کہ عورتوں سے کہا گیا کہ تمہارے چہرے پر کپڑا نہ لگے، اور مردوں سے کہا گیا کہ تم کسی اجنبی عورت کو بالقصد نہ دیکھو۔

کیوں کہ جو چیز بالکل بند اور مستور ہو، پھر اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اُسے نہ دیکھو تو اِس میں کوئی آزمائش کی بات نہیں؛ لیکن جو چیز کھلی ہوئی ہو، مگر اُس کا دیکھنا منع ہو، پھر آدمی اللہ کے ڈر سے نظر جھکائے رہے تو یہ یقیناً امتحان کی بات ہوگی، جو اس میں کامیاب ہو جائے وہی بامراد ہوگا۔

حج میں بدنظری سے حفاظت

جب سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے منیٰ واپس جارہے تھے، تو آپ کے ساتھ آپ کے چچازاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کی سواری پر سوار تھے، راستہ میں ایک عورت پیغمبر علیہ السلام سے مسئلہ پوچھنے لگی، تو حضرت فضل بن عباسؓ کی نظر اُس عورت پر پڑ گئی، تو پیغمبر علیہ السلام نے حضرت فضلؓ کا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کر دوسری طرف گھما دیا، اور پھر فرمایا کہ: ’’میں نے ایک جوان مرد اور عورت کو دیکھا جن کے درمیان شیطان کی دخل اندازی کا خطرہ ہے (اِس لئے میں نے چہرہ گھما دیا)‘‘۔ (بخاری شریف ۲/۹۲۰)

اور ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: ’’لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ؛ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلیٰ وَلَيْسَتْ لَكَ الآخِرَةُ‘‘۔ (ابوداؤد شریف/ کتاب النکاح حدیث: ۲۱۴۹) (یعنی نظر پر نظر مت جماؤ؛ کیوں کہ تمہارے لئے پہلی بے اختیار نظر پڑنی تو معاف ہے؛ لیکن دوسری نظر معاف نہیں)

تو اِس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت پر بے دھیانی میں نظر پڑ جائے وہ تو معاف ہے؛ لیکن نظر پر نظر جمانے کی اجازت نہیں ہے، یہ فتنہ کا سبب ہے۔

جو آدمی غلط جگہ پر نظر ڈالنے سے اپنے کو بچالے، وہ اِیمانی حلاوت سے نوازا جاتا ہے۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’بدنظری شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس بندے نے میرے ڈر سے ناجائز جگہ نظر ڈالنے سے نظر جھکالی، تو میرا وعدہ ہے کہ میں اس کے دل میں ایمان کی ایسی مٹھاس اور حلاوت پیدا کروں گا جسے وہ خود محسوس کرے گا‘‘۔ (طبرانی، الترغیب والترہیب/ کتاب النکاح وما یتعلق بہ ص: ۴۲۹ رقم: ۲۹۵۴ بیت الافکار)

ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، جس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حقیقت میں حج کا سفر ایک تربیتی سفر ہے، مرد بھی یہ تربیت حاصل کریں، اور ہماری مائیں بہنیں بھی یہ تربیت حاصل کریں کہ ہماری زندگی پوری طرح شریعت کے احکامات کے تابع ہوجائے، اور ہمارے بدن کے سارے اعضاء معصیت اور گناہ سے محفوظ رہیں۔ خاص طور پر ہماری نظر پاکیزہ رہے؛ کیوں کہ بدنظری اِس دور کا سب سے بڑا شیطانی ہتھیار ہے، یہی وہ بدترین فتنہ ہے جس نے گھر گھر کے اندر انتشار برپا کر رکھا ہے۔

آج یہ فتنہ موبائلوں، فلموں، پکچروں، وہاٹس ایپ اور فیس بک کے ذریعہ پھل پھول رہا ہے، اور بے شمار لوگ اِس میں مبتلا ہوکر ایمان کی حلاوت سے چاشنی سے محروم ہورہے ہیں۔

تو یہ سفر ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں: لہٰذا ہمیں اُسی کی عبادت کرنی ہے، اور اُس نے جو ہمیں نعمتیں عطا کی ہیں، خواہ وہ اعضاء کی شکل میں ہوں، یا مال ودولت کی شکل میں، انہیں اللہ کی رضا میں لگانا ہے، اور ناراضگی میں خرچ نہیں کرنا ہے۔

تلبیہ کے بارے میں کچھ ضروری باتیں:

○ جس طرح نماز کی ابتداء تکبیر ''اللہ اکبر'' سے ہوتی ہے، اسی طرح حج وعمرہ کے احرام کی ابتداء نیت کے ساتھ تلبیہ سے ہوتی ہے، اور تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ. (یعنی اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، بس میں آگیا، اے اللہ! آپ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں، میں تو آچکا، ہر طرح کی خوبیاں، انعامات، احسانات، اقتدار، اختیار، سلطنت اور شوکت سب آپ ہی کے لئے ہے، آپ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے) یہ تلبیہ حج کا سب سے اہم ذکر ہے۔

○ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حج کا سب سے اہم عمل کیا ہے؟ یعنی سب سے اچھا حج کون سا ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ''. (سنن الترمذي / أبواب الحج حديث: ۸۲۷، الترغيب والترهيب ص: ۲٦۷ رقم: ۱۷۷۵ بيت الأفكار الدولية)

(یعنی حج کے دو اعمال بہت اہم ہیں: (۱) تلبیہ میں آواز بلند کرنا (۲) قربانی کے جانور کا خون بہانا)

یہ دونوں کام حج کے اہم ترین عناصر میں سے ہیں۔ زبان پر تلبیہ ہو، اور وقت پر قربانی ہو، اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے۔

- لیکن مرد تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں، اور عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں۔
- تلبیہ کا ضابطہ یہ ہے کہ عمرہ کرنے والا احرام باندھنے کے بعد سے طواف شروع ہونے سے پہلے تک تلبیہ پڑھے گا، اور حج کا احرام باندھنے والا ذی الحجہ کی دس تاریخ کو "جمرۂ عقبہ" کی رمی کرنے تک تلبیہ پڑھتا رہے گا۔

اِس سے واضح ہوا کہ تلبیہ ایسا ذکر نہیں ہے کہ آپ جب چاہیں پڑھ لیں؛ بلکہ اس کا وقت محدود ہے، اُس وقت کے بعد تلبیہ نہیں پڑھا جائے گا۔

- البتہ جنہوں نے میقات سے "حج افراد" کا احرام باندھا ہے، یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے جسے "حج قران" کہا جاتا ہے، تو وہ مسلسل دس تاریخ کی رمی تک تلبیہ پڑھتے رہیں گے۔

لیکن جنہوں نے میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کر کے سر منڈا لیا، اور احرام کی پابندی سے نکل گئے، تو اب اُن کے لئے تلبیہ کا حکم نہیں ہے۔ پھر وہ جب دوبارہ حج کا احرام باندھیں گے تو اُس وقت تلبیہ پڑھیں گے۔

بہر حال حسب ضابطہ پورے ذوق وشوق کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کا اہتمام رکھنا چاہیئے، یہ بڑا ہی محبت آفریں ذکر ہے، جس کی مٹھاس اہل دل ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عمرہ یا حج کرنے والا جب تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے دائیں طرف سے دنیا کے ختم تک جتنی مخلوقات ہیں، اور بائیں طرف جتنی مخلوقات ہیں یہ سب اس کے ساتھ تلبیہ میں آواز ملاتی ہیں"۔ (ترمذی شریف، الترغیب والترہیب ص: ۲۶۷ بیت الافکار)

اَب ذرا غور فرمایئے! کہ ہمارے دائیں بائیں اللہ تعالیٰ کی کروڑہا کروڑ مخلوقات ہیں، جب وہ سب ہمارے ساتھ تلبیہ پڑھتی ہوں گی تو کیسا روح پرور سماں بندھتا ہوگا۔ اِسی تصور کے ساتھ تلبیہ کی کثرت کا اہتمام رکھنا چاہیئے۔

- علماء نے لکھا ہے کہ عمرہ میں تلبیہ پڑھتے وقت یہ نیت رہے کہ اللہ کے بلانے پر ہم اللہ

کے گھر جا رہے ہیں، جیسے ماں کسی چھوٹے بچے کو بلائے اور بچہ لپک کر اس کی طرف جائے، ایسے ہی تلبیہ پڑھنے والا لپک کر اللہ کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

اور جب حج کا احرام باندھے تو یہ تصور ہو کہ ہمارے مالک نے اب ہمیں عرفات کے میدان میں بخشش اور مغفرت کے لئے بلایا ہے، ہم اُس کے بلانے پر اُس کی طرف چلے جا رہے ہیں، اسی تصور سے جی لگا کر تلبیہ کی رٹ لگائے رہیں۔

تعمیر کعبۂ مشرفہ کی مختصر تاریخ

کعبۂ مشرفہ اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر ہے، اسی جگہ سے سب سے پہلے زمین کا خمیر اُٹھایا گیا۔

اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ٩٦] (یعنی روئے زمین پر سب سے پہلے عبادت کے لئے جو عمارت تعمیر ہوئی وہ مکہ معظّمہ میں ہے، جو بابرکت اور عالمین کے لئے موجبِ ہدایت ہے)

سیدنا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہاں حج کے لئے تشریف لاتے تھے، اور آپ کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام بھی آتے رہے۔

طوفانِ نوح میں جب ساری دنیا سیلاب کی زد میں آ گئی، تو بیت اللہ شریف کے ظاہری آثار مٹ گئے، اور ایک عرصۂ دراز تک یہی صورتِ حال رہی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اُن کے صاحبزادے سیدنا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا کہ ''تم ہمارا گھر بناؤ''، اُنہوں نے عرض کیا کہ ''کہاں بنائیں؟'' چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، جنھوں نے بیت اللہ شریف کی بنیاد کی نشان دہی فرمائی۔ جس کے بعد اِن دونوں باپ بیٹوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی سعادت حاصل کی۔

اور اُس زمانے میں سیڑھیاں اور لفٹیں وغیرہ تو تھیں نہیں، اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر کا انتظام فرمایا، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے، اور عجیب بات یہ تھی کہ جیسے

جیسے بیت اللہ شریف کی دیوار اوپر اٹھتی وہ پتھر بھی اوپر اٹھ جاتا تھا، اِسی پتھر کو ’’مقام ابراہیم‘‘ کہتے ہیں، جو کعبہ مشرفہ کے پاس ایک شیشہ کے خول میں آج بھی موجود ہے، جہاں نماز پڑھنا باعثِ فضیلت ہے۔

بیت اللہ شریف اِس طرح بنا ہوا نہیں تھا جیسے آج نظر آتا ہے؛ بلکہ وہ ایک چوکورا حاطہ تھا، جس میں چھوٹی چھوٹی دیواریں بنائی گئی تھیں، اور مکمل چھت بھی نہیں تھی، یہ چھت بھی بہت بعد میں بنی ہے۔ (مستفاد: فتح الباری شرح بخاری ۵۰۱/۸، تفسیر عزیزی ۲۶۵-۲۶۶)

اور جو حطیم کا حصہ ہے یہ بھی بیت اللہ شریف کے اندر شامل تھا، یہ تو اُس وقت باہر ہوا جب مکہ معظّمہ میں ایک سیلاب آنے کی وجہ سے کعبۂ مشرفہ کی دیواریں کمزور پڑ گئیں، تو مکہ کے لوگوں نے اس کی دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا، اور یہ طے کیا کہ اس میں بالکل خالص حلال کا پیسہ لگائیں گے، یعنی سود، غصب اور جوئے سٹے وغیرہ کا پیسہ اِس مقدس تعمیر میں نہیں لگایا جائے گا۔

چناں چہ چندہ اکٹھا کیا گیا، مگر وہ رقم اتنی نہیں تھی کہ خانۂ کعبہ کی مکمل تعمیر ہو سکے؛ اِس لئے طے کیا گیا کہ حطیم کی طرف سے چند گز زمین چھوڑ کر دیوار کھڑی کی جائے، اور پہلے جو دیوار ۹ر گز کی تھی اُس کو دوگنا کر کے ۱۸ر گز کر دیا جائے، وغیرہ۔

پس حطیم کی طرف آنے جانے کا جو راستہ ہے وہ اصل میں بیت اللہ شریف میں شامل ہے، جسے قریش نے رقم کی کمی کی وجہ سے باہر کر دیا تھا۔

اور قریش نے دوسرا کام یہ کیا کہ پہلے بیت اللہ شریف کے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب اور دوسرا رکن یمانی کی طرف، اور یہ دونوں زمین کی سطح کے برابر تھے، لوگ ایک طرف سے داخل ہوتے اور دوسری طرف سے نکل جاتے تھے۔ تو قریش کے لوگوں نے رکن یمانی کی جانب کا دروازہ تو بند کر دیا، اور مشرقی دروازہ کو اتنا اوپر بنا دیا کہ سیڑھی لگائے بغیر اُس میں داخل نہیں ہو سکتے، اور یہ اس وجہ سے کیا؛ تاکہ بیت اللہ شریف پر قریش کی حاکمانہ حیثیت برقرار رہے، اور وہ جسے چاہیں اندر جانے دیں، اور اُن کی اجازت کے بغیر کوئی بیت اللہ شریف میں داخل نہ ہو سکے۔

(بخاری شریف/ باب فضل مکۃ وبنیانہا حدیث: ۱۵۸۴)

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا تھا کہ: ''اے عائشہ! اگر تمہاری قوم شرک کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبۂ مشرفہ کو گرا کر زمین سے ملا دیتا پھر از سرِ نو تعمیر کرتا، اور اس کے مشرق و مغرب میں دو دروازے بنا دیتا، اور اس میں حطیم سے چھ گز کا اضافہ کر دیتا، کیوں کہ قریش نے کعبہ کے تعمیر کے وقت اس حصہ کو چھوڑ دیا تھا''۔ (مسلم شریف مکمل حدیث: ۱۳۳۳)

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے اور آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی، اور پورا خلافت راشدہ کا زمانہ بھی گذر گیا۔

بعد میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں) کی حکومت قائم ہوئی، ان کو اپنی خالہ جان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ خواہش والی حدیث پہنچی تھی، اس لئے جب اُن کی مکہ معظّمہ پر حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر ویسی ہی کر دی، جیسی پیغمبر علیہ السلام چاہتے تھے، یعنی حطیم کا حصہ اندر لے لیا، اور دو دروازے بنائے اور اُنہیں سطح زمین کے برابر کر دیا۔

لیکن جب حجاج ابن یوسف نے عبدالملک ابن مروان کے کہنے پر مکہ معظّمہ پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، اور اُن کی حکومت ختم ہو گئی، تو حجاج بن یوسف نے امیر عبدالملک ابن مروان کو لکھا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی تعمیر کعبہ کو برقرار رکھا جائے یا اسے بدل کر قریش کی تعمیر کی طرح کر دیا جائے؟ تو عبدالملک بن مروان نے جواب میں لکھا کہ بیت اللہ شریف کی دیوار کی اونچائی تو برقرار رکھی جائے؛ البتہ بقیہ تعمیر کو قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے۔

چناں چہ حجاج بن یوسف نے شمالی دیوار کو گرا کر قریش کے موافق تعمیر کر دی اور مشرقی دروازے کو بلند کر دیا اور اندرونی سطح کعبہ کو پتھروں سے بھر کر دروازے کے برابر کر دیا، اور مغربی دروازے کو بند کر دیا۔ آج تک بیت اللہ کی ہیئت اسی طرح کی چلی آتی ہے۔ (تفسیر عزیزی ۲۶۷)

تاریخ میں لکھا ہے کہ بعد میں جب عبدالملک بن مروان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کا علم ہوا تو اُنہیں اپنے حکم پر بڑی ندامت ہوئی۔

پھر کئی سال بعد عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے اپنے دورِ حکومت میں اسے حضرت عبداللہ بن

الزبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے موافق کرنے کا ارادہ کیا، تو امام دار الہجرہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ’’میں آپ کو اس بات کی قسم دلاتا ہوں کہ اس اللہ کے گھر کو آپ بادشاہوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بننے دیں کہ جو چاہے اپنی مرضی سے تبدیلی کرتا رہے، اس سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت وعظمت نکل جائے گی‘‘۔

چناں چہ مذکورہ خلیفہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا، اور آج تک بیت اللہ شریف قریش کی تعمیر کے موافق موجود ہے۔ (الروض الانف ۱/۳۳۹)

اور سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت پوشیدہ ہے؛ کیوں کہ اگر حطیم کا حصہ بیت اللہ شریف سے باہر نہ ہوتا تو ہم جیسے کمزوروں کو بیت اللہ شریف کی زمین پر سجدہ کرنے کا شرف کیسے ملتا؟ کیوں کہ وہاں خاص مقام ومنصب اور تعلقات والوں کے علاوہ کسی کو داخلے کی اجازت ملنی سخت مشکل ہوتی ہے۔

اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کے طور پر یہ حصہ باہر کرا دیا کہ ہم غریبوں کو بھی اللہ کے گھر میں اپنی گنہگار پیشانی ٹیکنے کا شرف حاصل ہو جائے، اس لئے اگر کسی کو موقع ملے تو حطیم میں جا کر نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ حطیم کے دو حصے ہیں، ایک تو وہ حصہ جو دائرہ کی شکل میں ہے، یہ ’’مقام حجر‘‘ کہلاتا ہے۔ اس میں حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام وغیرہ کی قبریں ہیں، اور آگے دیوار کی جانب جہاں دونوں طرف سے راستہ کھلا ہوا ہے، یہ اصل حطیم کا حصہ ہے، جو بیت اللہ شریف کا جزو ہے، یہ چوڑائی میں ٦/ ہاتھ کے بقدر ہے، اِسی کے اوپر میزاب رحمت گرتا ہے، یہاں دعا اور نماز کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حرم کی نماز اور نیکیاں

مکہ معظّمہ میں بیت اللہ شریف کے اِرد گرد جو مسجد ہے اُس کو ’’مسجد حرام‘‘ کہتے ہیں، جس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ گنا ملتا ہے۔ (مسند احمد ۳/۳۴۳)

اور بہت سے علماء نے فرمایا کہ یہ ثواب صرف مسجد حرام تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ پورے

حدودِ حرم کی نمازوں کا ثواب ایک لاکھ گنا ہے۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۷/۲۰۱ الکویت، غنیۃ الناسک ۱۴۳)

اور صرف نماز ہی تک محدود نہیں؛ بلکہ صدقہ خیرات، ذکر واذکار اور دیگر عبادات اگر انجام دی جائیں تو ان کا ثواب بھی اسی حساب سے بڑھ کر ملتا ہے، اِس لئے اِن مواقع اور لمحات کو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

یہاں رہ کر اپنے لمحات کو فضول گپ شپ میں یا بازاروں کی سیر وتفریح میں لگانے کے بجائے طواف، تلاوت اور عبادات میں گذارنے کی کوشش کریں؛ تاکہ ہمارا یہ سفر پوری طرح کارآمد ہوسکے۔

حج کے ارکان ومناسک منصوص ہیں

یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ حج کے اَرکان ومناسک کسی انسان کے طے کردہ نہیں ہیں کہ چند لوگوں نے آپس میں مل بیٹھ کر طے کرلیا ہو کہ ایسا کرلیا جائے، جیسا کہ بہت سے مذاہب کی رسومات ہوتی ہیں، اسلام میں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہ سب عبادت کے طریقے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغمبروں کو سکھلائے ہیں۔

اور اخیر میں ہم سب کے سردار خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، پیارے آقا سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ’’خُـــذُوْا مَـنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا‘‘. (سنن النسائي / كتاب المناسك حديث: ۳۰۵۹ دار الفكر بيروت) (یعنی مجھ سے حج کے ارکان ومناسک سیکھ لو؛ کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ شاید اگلے سال میں حج نہ کرپاؤں گا)

چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کا اِرادہ فرمایا تو سارے عرب میں شور ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں۔

لہٰذا کیا مرد، کیا عورتیں، کیا جوان، کیا بوڑھے، سب سواریاں لے کر حضور کے قافلہ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوگئے، بہت سے لوگ مدینہ منورہ ہی سے ساتھ ہوئے، اور کچھ لوگ راستہ میں شامل ہوئے، جب کہ بے شمار لوگ سیدھے مکہ معظّمہ آگئے۔

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے کہ ذوالحلیفہ (مدینہ منورہ کی میقات)

میں حضور اکرم علیہ السلام جب احرام باندھ کر روانہ ہوئے، تو میں نے دائیں طرف نظر ڈالی تو تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے، اسی طرح بائیں طرف اور آگے پیچھے نظر ڈالی، تو ہر طرف فرزندانِ توحید اور عاشقانِ نبوت کا ایک سیل رواں تھا، جو موجیں مار رہا تھا۔

روایات کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی سعادت حاصل کی، اور آپ کی ہر ہر اَدا اور ہر ہر عمل کو بغور دیکھ کر محفوظ کیا، اور اُنہیں اُمت تک پوری دیانت داری کے ساتھ منتقل کردیا۔

اِسی لئے آج اَحادیث اور سیرت کی کتابوں میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احرام، طواف، سعی، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے مناسک پوری طرح محفوظ ہیں، جن سے اُمت تاقیامت رہنمائی حاصل کرتی رہے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حج کے مہینوں میں عمرہ کی اجازت

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے تین مہینوں (شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ) میں عمرہ کرنا حرام ہے، اِس میں تو صرف حج کیا جائے گا۔ اور یوں کہتے تھے کہ عمرہ تو صفر کے مہینے میں اور اُس کے بعد حلال ہوسکتا ہے، اس سے پہلے عمرہ ہو ہی نہیں سکتا، یہ ان لوگوں کا جاہلانہ تصور تھا۔ اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ حج کے مہینوں میں عمرہ بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے نبی اکرم علیہ السلام نے اِس تصور کو جڑ سے مٹانے کا اِرادہ فرمایا۔ اور اس کی صورت یہ اپنائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ سے حج کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ تشریف لے آئے، تو پیغمبر علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ: ''تم میں سے جو آدمی اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا ہے، وہ عمرہ کرکے حلال ہوجائے؛ البتہ جو قربانی کا جانور ساتھ لایا ہو، وہ ابھی حلال نہ ہو، اُس کا احرام حج تک جاری رہے گا''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ اپنے ساتھ مدینہ منورہ سے قربانی کے جانور لائے تھے، اِس لئے آپ نے تو احرام نہیں کھولا؛ لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ ''اگر میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا تو میں بھی حلال ہوجاتا''۔ (مستفاد: مسلم شریف/ باب حجۃ النبیؐ حدیث: ۱۲۱۸)

گویا کہ عمرہ کرکے صحابہ کا احرام کھلوا کر اُمت کو یہ پیغام دیا گیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ نہ کرنے کا تصور قطعاً غلط ہے، اور اس میں حسب ضابطہ عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حج تمتع اور حج کی دیگر قسمیں

دیکھا جائے تو اِس حکم میں اُمت کے لئے بڑی سہولت ہے کہ حج کے مہینوں میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں اور پھر عمرہ کرکے حلال ہوجائیں، اور پھر جب حج کا وقت آئے تو اب دوبارہ حج کا احرام باندھ لیں۔ اس میں احرام کی پابندیاں لمبی مدت تک نہیں ہوتیں، اور آدمی سہولت محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے اِس طریقے پر حج کو ''تمتع'' کہا جاتا ہے۔ تمتع کے معنی عربی میں فائدہ اٹھانے کے آتے ہیں، اور بلاشبہ اس طریقے سے آدمی پر زیادہ بوجھ نہیں ہوتا۔

حج کا دوسرا طریقہ ''حج اِفراد'' ہے، اس میں میقات سے براہِ راست حج کا احرام باندھا جاتا ہے، اُس میں عمرہ نہیں کیا جاتا، اور قربانی بھی واجب نہیں ہوتی؛ لیکن احرام کی مدت نسبۃً زیادہ ہوتی ہے۔

اور ایک طریقہ ''حج قران'' کہلاتا ہے، جس میں میقات سے حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا جاتا ہے، اور عمرہ کے بعد بھی احرام بدستور جاری رہتا ہے، اس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اسی لئے حنفیہ کے نزدیک اس کا ثواب بھی زیادہ ہے؛ لیکن ہر ایک کے لئے اس کا تحمل دشوار ہے۔ اور ''حج قران'' کے مسائل بھی نازک ہیں۔

ایک واقعہ

ہمارا ایک کشمیری دوست تھا، وہ حج سے تقریباً پندرہ بیس دن پہلے مکہ معظّمہ آگیا، وہ بڑا عبادت گذار تھا، ہم بعد میں ایام حج کے قریب مکہ معظّمہ پہنچے تو اس سے ''مدرسہ صولتیہ'' میں ملاقات ہوئی، تو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں ہے، ہم نے کہا کہ آپ تو بہت دن پہلے آگئے تھے، ابھی تک احرام نہیں کھلا؟

تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے ''حج قران'' کا ارادہ کیا ہے۔

ہم نے کہا سبحان اللہ! بہت اچھی بات ہے۔

پھر وہ کہنے لگا کہ ''مفتی صاحب الحمدللہ میں نے چھ عمرے اور کرلئے''۔

ہم نے کہا کہ ”قران کے ساتھ چھ عمرے کا کیا مطلب؟“

اس نے کہا کہ ”میں نے سوچا کہ ابھی تو حج میں پندرہ دن ہیں ان کو کام میں لانا چاہئے؛ لٰہذا میں مسجد عائشہ جا کر احرام باندھ کر عمرے کرتا رہا۔ اِس طرح میرے اب تک چھ عمرے ہو گئے ہیں“۔

ہم نے کہا کہ ”یہ تو آپ نے بہت غلط کیا، شریعت میں احرام پر احرام باندھنا درست نہیں ہے، اِس لئے اب آپ کو جنایت کے طور پر چھ دم ادا کرنے پڑیں گے“۔

اب دیکھئے کہ جس بات کو وہ بہت خوشی سے بیان کر رہے تھے، وہ دراصل اُصولِ شریعت کے خلاف تھی؛ کیوں کہ جب تک ایک حج یا عمرہ کا احرام نہ کھل جائے اُس وقت تک دوسرے حج یا عمرے کا احرام باندھنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ اور دینی مسائل میں اپنی مرضی نہیں چلتی کہ جو جی میں آیا وہ کرلو؛ بلکہ جو طریقہ شریعت اور سنت سے ثابت ہو اُسی کو اپنانا پڑے گا۔

تمتع میں حج کا احرام

الغرض! احقر عرض کر رہا تھا کہ تمتع میں اُمت کے لئے بڑی سہولت پائی جاتی ہے، اس میں عمرہ کر کے آدمی حلال ہو جاتا ہے، اور پھر حج کے قریب دوبارہ حج کا احرام باندھتا ہے، تو اِس احرام کے لئے کوئی طواف لازم نہیں،

کوئی سعی لازم نہیں۔

حتی کہ حرم شریف جانا بھی لازم نہیں۔

بلکہ جہاں آپ ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں غسل کر کے دو رکعت پڑھ کر حج کا احرام باندھ لیجئے، یعنی نیت کر لیجئے کہ میں حج کا احرام باندھ رہا ہوں، اور ساتھ میں تلبیہ پڑھ لیجئے، بس احرام شروع ہو جائے گا۔

بعض لوگ آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ حج کی سعی منیٰ جانے سے پہلے ہی کر لی جائے، تو اُس کے لئے اولاً حج کا احرام باندھنا پڑے گا، پھر طواف کے بعد سعی کرنی ہوگی، جو اِس بھیڑ کے زمانہ میں اور رہائش گاہیں دور ہونے کی وجہ سے مزید طوالت کا عمل ہوگا، اِس لئے ہم یہی مشورہ دیتے ہیں کہ آپ پیشگی سعی کرنے کا خیال ترک کر دیں، اور اپنی قیام گاہ سے احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہو جائیں۔

منیٰ میں دراصل پانچ نمازیں پڑھنا مسنون ہے، آٹھ ذی الحجہ کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اورنو ذی الحجہ کی فجر؛ لیکن آج کل چوں کہ مجمع زیادہ ہونے لگا ہے، اور نظام کو قابو میں رکھنا مشکل ہے، اِس لئے اب سات ذی الحجہ کی رات ہی سے منیٰ کے لئے روانگی شروع ہو جائے گی، اِس لئے آپ حضرات سات ذی الحجہ کو عشاء کے بعد احرام باندھ کر تیار رہیں؛ تاکہ جب معلم کی بسیں آئیں تو روانگی میں تاخیر نہ ہو۔

آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام دراصل حج کی تیاری کا پیش خیمہ ہے، اس پورے وقت کو حج کے مسائل ومناسک کے مذاکرے اور تکرار میں صرف کرنا چاہئے، محض کھانے پینے اور متعلقین کی ملاقاتوں کی فکر میں اِس وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔

منیٰ سے عرفات کے لئے روانگی

اِسی طرح اصل سنت تو یہی ہے کہ نو ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھنے کے بعد منیٰ سے عرفات کی جانب کوچ کیا جائے، اور پہلے سب حجاج کا یہی معمول تھا؛ لیکن اب حجاج کی کثرت کی وجہ سے رات ہی سے عرفات کے لئے روانگی شروع ہو جاتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ منیٰ کے بجائے عرفات میں گذارنا پڑتا ہے۔

اب جو آدمی تجربہ کار اور صاحبِ عزیمت ہو، اور یہ طے ہی کرلے کہ میں ہر پریشانی کو جھیلوں گا؛ لیکن پوری طرح سنت کے مطابق ہی حج کروں گا، تو وہ بلاشبہ اجر وثواب کے مستحق ہوگا، اُسے اِس عمل سے کوئی روک نہیں کرسکتا۔

لیکن جو آدمی کمزور ہو یا ناتجربہ کار ہو، یا جس کے ساتھ خواتین اور ضعیف لوگ ہوں، اور وہ معلم کی بسوں یا اُس کے نظام کے بغیر عرفات میں اپنے مقررہ خیمے تک نہ پہنچ سکتا ہو، اور بغیر سواری کے جانے میں بھٹکنے کا شدید اندیشہ ہو، جیسا کہ عام لوگوں کا حال ہے، تو اُن کو یہی مشورہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے قافلہ کے ساتھ رات ہی میں عرفات چلے جائیں، اور اللہ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس بے اختیار کوتاہی کو معاف فرمائیں گے۔ واضح ہو کہ اِس پہلے جانے کی وجہ سے کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔

عرفات میں پہنچ کر اولاً آرام کرلیں، اب تو ماشاء اللہ وہاں بھی بہت سہولت ہوگئی، ہم لوگ جب یہاں ۱۹۸۷ء میں آئے تھے تو اس وقت یہاں ریت ہی ریت تھا۔

اور ہمیں یاد ہے کہ عرفات کے میدان میں ہمارے ساتھ کچھ خواتین تھیں، وہ ظہر کے وقت استنجے کے لئے خیمہ سے باہر نکلیں، تو وہاں ریت ایسا تھا کہ اس میں پیر دھنس رہے تھے، اور اُس پر چپل چپکے چلے جارہے تھے، اور اس ریت میں چلنے کی وجہ سے اُن کے پیروں میں آبلے پڑ گئے تھے، انتہائی شدید گرمی تھی، کوئی سایہ کا انتظام نہیں تھا، پکے بیت الخلاء کا تو تصور ہی نہیں تھا، بیت الخلاء کے لئے ٹاٹ کے پردے بنائے جاتے تھے، پانی بھی بہت کمیاب تھا، بہت مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔

آج تو ماشاء اللہ پکے بیت الخلاء ہیں، راستے بھی پختہ بن گئے ہیں، جگہ جگہ واٹر کولر بھی رکھ دئے گئے ہیں، اور نیم کے درخت کے سائے بھی دستیاب ہیں، خیموں میں بھی کولر اور اے سی کا معقول انتظام ہوگیا ہے۔

اب آپ کے پاس فجر سے لے کر ظہر تک کا وقت ہے، اِس درمیان آرام کریں، خواہش ہو تو کچھ کھاپی لیں، اور دیگر ضرورتیں بھی پوری کرلیں۔

جیسے ہی زوال ہوجائے گا، عرفہ کے وقوف کا اصل وقت شروع ہوجائے گا، جو پورے حج کا خلاصہ ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ’’اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ‘‘ (یعنی حج تو عرفہ کے وقوف ہی کا نام ہے)

(ترمذی شریف حدیث:۸۸۶)

یہ حج کا رکن اعظم ہے، اور دوسرا رکن طوافِ زیارت ہے، یہ دونوں ارکان تو بہر حال کرنے ہی ہیں، ان کے بغیر حج مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اور ان میں بھی وقوفِ عرفہ کی اہمیت زیادہ ہے؛ کیوں کہ طوافِ زیارت تو کسی عذر سے مؤخر بھی ہوسکتا ہے؛ لیکن عرفہ کا دن اور جگہ تو بالکل متعین ہے، اگر وہ چھوٹ گیا تو پھر حج ہی چھوٹ جائے گا۔ اِسی لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی حج کا احرام باندھ کر آئے؛ لیکن اُسے وقوفِ عرفہ نہ ملے تو اُس کا حج فوت ہوجائے گا، اور اُسے عمرہ کے افعال کرکے حلال ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

بہر حال عرفات میں زوال سے پہلے پہلے آپ اپنی سب ضروریات سے فارغ ہوکر تیار رہیں،

زوال کے فوراً بعد آپ کے خیمہ میں ظہر کی اذان ہوگی، ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی، اس کے بعد آپ ذکر ودعا میں عصر تک مشغول رہیں، اِس دوران آپ نفل بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ کوئی مکروہ وقت نہیں ہے، موقع ہو تو صلوٰۃ التسبیح پڑھ لیں، لبیک کی کثرت رکھیں، اور چوتھا کلمہ بھی وقفہ وقفہ سے پڑھتے رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''سب سے افضل دعا عرفہ کی دعا ہے، جسے تمام نبیوں نے مانگا ہے، اور اُس دعا کے کلمات یہ ہیں: ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْـمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''. (سنن الترمذي حديث: ۳۵۸۵، مجمع الزوائد ۲۰۲/۳) یہ عرفہ کی سب سے اہم دعا ہے، اپنے لئے مانگیں، بچوں کے لئے مانگیں، بڑوں کے لئے مانگیں، امت کے لئے مانگیں، الغرض پورے عالم کے لئے مانگیں۔ آج مانگنے میں کوئی کمی نہیں کرنی ہے، جو آج مانگنے میں کمی کرے گا اس سے بڑا محروم کوئی نہیں ہے۔

آج دینے والے کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ مجھ سے جو کچھ مانگو گے میں عطا کروں گا، کوئی نا اُمید نہ ہو، کوئی محروم نہ رہے، آج مانگنے والوں کی طرف سے کمی ہوسکتی ہے؛ لیکن دینے والے رب کی طرف سے کوئی کمی نہیں۔

پھر خیمہ میں اپنے وقت پر نمازِ عصر ہوگی، اُس کے بعد بھی آپ غروب تک ذکر ودعا میں مشغول رہیں۔

ہوسکتا ہے کہ غروب سے پہلے ہی معلم کی بس میں بیٹھنا پڑ جائے؛ لیکن بس میں بیٹھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ عرفات سے چل پڑے، اِس لئے دعاؤں اور ذکر واذکار کا یہ تسلسل بس میں بیٹھے ہوئے بھی جاری رہنا چاہئے؛ کیوں کہ ابھی آپ وقوف ہی کی حالت میں ہیں۔

عرفات کی مسجد نمرہ میں نماز کا حکم

اگر حاجی مسجد نمرہ میں اِمام الحج کی اقتداء میں نماز ادا کرے، تو اُس کے لئے ظہر کے وقت میں عصر کی نماز ادا کرنے کا حکم ہے، اور چوں کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، اِس لئے جو شخص مسجد نمرہ میں دونوں نماز پڑھے گا اُس کے لئے بعد میں نوافل پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ وہ صرف ذکر ودعا اور تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے گا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے خیمے سے مسجد نمرہ جانا آنا شدید دھوپ اور ازدحام کی وجہ سے عام آدمی کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے؛ لہٰذا جو لوگ اِس کی ہمت نہ کرسکیں وہ اپنے ہی خیمے میں رہ کر اپنے اپنے اوقات میں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کریں، اور ذکر ودعا میں مشغول رہیں۔

مزدلفہ کے لئے روانگی

جب غروب ہوجائے گا تو وہاں سے بسیں مزدلفہ کی طرف روانہ ہوں گی؛ لیکن آج مغرب کی نماز کا وقت حاجیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بدل دیا ہے، مغرب مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ادا کرنی ہے، اس سے پہلے مغرب نہیں پڑھی جائے گی۔

حتی کہ اگر آپ عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ گئے تو بھی عشاء سے پہلے مغرب نہیں پڑھیں گے؛ بلکہ عشاء کے وقت کا انتظار کیا جائے گا، جب وقت ہوجائے گا تو اولاً مغرب اُس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی جائے گی، اور اُن کے درمیان کوئی سنت اور نفل نہیں پڑھی جائے گی۔

اس کے بعد پوری رات مزدلفہ میں گذاریں، اور اللہ جو بھی توفیق دیں اُس میں عبادت ادا کریں، اور ذکر ودعا کا اہتمام رکھیں۔

آج کل بہت سے لوگ آدھی رات ہی سے مزدلفہ سے نکالنا شروع کردیتے ہیں، تو اُن کے کہنے میں نہ آئیں؛ بلکہ پوری رات مزدلفہ میں گذارنے کی کوشش کریں۔

وقوفِ مزدلفہ کا اصل وقت

دس ذی الحجہ کو صبح صادق ہونے کے بعد وقوفِ مزدلفہ کا واجب وقت شروع ہوتا ہے، جو سورج کے طلوع تک باقی رہتا ہے، اس دوران اگر تھوڑی دیر بھی مزدلفہ کی حدود میں ٹھہرنا پایا جائے تو واجب ادا ہوجاتا ہے، اِس لئے صبح صادق کے بعد اولاً فجر کی نماز ادا کریں، اُس کے بعد جتنی دیر بسہولت ہوسکے، کھڑے ہوکر ذکر ودعا کریں، یہ قبولیت کا وقت ہے۔

اس کے بعد آپ وہاں سے رمی کے لئے کنکریاں چن لیں، پہلے دن کے لئے سات، دوسرے دن کے لئے اکیس، تیسرے دن کے لئے اکیس، یعنی کل ۴۹ر کنکریاں آپ کے کام آئیں گی۔

اور اگر کوئی چوتھے دن ٹھہرنا چاہے، تو اکیس کنکریاں مزید لے لے، اور بہتر ہے کہ اِن کنکریوں کو دھو کر کسی بوتل وغیرہ میں رکھ لیا جائے۔

یوم النحر کے اَفعال

دسویں ذی الحجہ یعنی یوم النحر میں ہمیں کئی کام انجام دینے ہیں، یہ حج کا سب سے مصروف دن ہے، اِسی لئے اس کو ''یوم الحج الاکبر'' کہا جاتا ہے۔

اِس میں بالترتیب تین کام کرنے ہیں:

(۱) جمرۂ عقبہ کی رمی، یہ وہ جمرہ ہے جو مکہ معظّمہ کی جانب منی کے آخری کنارے پر ہے، اسی لئے اِس کو آخری شیطان بھی کہا جاتا ہے۔ آج صرف اسی کو کنکری ماری جائے گی۔

(۲) اس کے بعد دوسرا کام قربانی کرنے کا ہے، جو حدودِ حرم میں کہیں بھی کی جاسکتی ہے۔ اور یہ قربانی آپ خود بھی کر سکتے ہیں، اور ہمارے گروپ والوں نے بھی انتظام کیا ہے، اُن کے ذریعہ بھی کرا سکتے ہیں؛ لیکن جب تک قربانی نہ ہو، احرام برقرار رہے گا۔

(۳) تیسرا کام سر منڈانا ہے۔

ان تینوں افعال میں حتی الامکان ترتیب برقرار رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ اِس لئے کہ اگر بلا عذر ترتیب اُلٹ پلٹ ہوجائے تو دم واجب ہوجاتا ہے۔

طوافِ زیارت

آج ہی کے دن صبح صادق سے طوافِ زیارت کا وقت بھی شروع ہوجاتا ہے، جو ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب تک باقی رہتا ہے، اِس درمیان دن یا رات میں کبھی بھی یہ رکن ادا کر سکتے ہیں، اور بلا شرعی عذر کے اُس کو مؤخر کرنا جائز نہیں؛ لیکن طوافِ زیارت اور یوم النحر کے افعال میں ترتیب واجب نہیں ہے؛ البتہ افضل یہی ہے کہ آدمی احرام کھول کر نہا دھو کر اطمینان سے طوافِ زیارت کے لئے جائے۔

رمی جمرات

دسویں ذی الحجہ کو صرف آخری جمرہ کی رمی کی جائے گی، اِس رمی کا وقت پورے چوبیس گھنٹے رہتا ہے، یعنی صبح صادق سے اگلے دن صبح صادق تک؛ لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ صبح صادق سے

طلوع آ فتاب تک مکروہ وقت ہے، پھر طلوعِ آ فتاب سے زوال تک افضل وقت ہے، اور زوال سے غروب تک مباح وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے؛ البتہ اگر بھیڑ وغیرہ کے عذر سے مکروہ وقت میں رمی کی تو اُمید ہے کہ کراہت نہ ہوگی۔

۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی ہوتی ہے، اور ان دونوں دنوں کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور اگلے دن صبح صادق تک رہتا ہے۔ جس میں سے زوال سے غروب تک افضل وقت ہے، اور غروب کے بعد سے صبح صادق تک بلا عذر مکروہ وقت ہے۔

بعض معلمین ان دنوں میں زوال سے پہلے رمی کرنے کی ترغیب اور تاکید کرتے ہیں، تو اُن کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں؛ کیوں کہ زوال سے قبل رمی معتبر نہیں ہے۔

عام طور پر حجاج کرام ۱۲/ذی الحجہ کو رمی کر کے واپس اپنی قیام گاہ پر آ جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی رکنا چاہے تو ۱۳/کو بھی رمی کر سکتا ہے، تو مزید ثواب کا مستحق ہوگا۔

حج کے بعد مکہ معظّمہ میں قیام

منیٰ سے لوٹنے کے بعد ۱۴/ذی الحجہ کے بعد اگر آپ چاہیں تو مسجد عائشہ یا جعرانہ وغیرہ جا کر احرام باندھ کر عمرہ کر سکتے ہیں۔

نیز اِس دوران طواف کی بہت کثرت رکھیں؛ کیوں کہ طواف وہ عبادت ہے جو سوائے یہاں کے اور کہیں انجام نہیں دی جا سکتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ بیت اللہ شریف پر ۱۲۰/رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جس میں سے ۶۰/رحمتیں صرف طواف کرنے والوں کے لئے مخصوص ہیں، ۴۰/نمازیوں کے لئے، اور ۲۰/ان لوگوں کے لئے ہیں جو بیت اللہ شریف کو صرف دیکھتے رہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۴۰۵۱، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۲۶۹)

اور جب واپسی کا وقت آئے تو طوافِ وداع کر لیں؛ جو واجب ہے، اور اس میں خواتین کے لئے یہ سہولت ہے کہ واپسی کے وقت شرعی عذر پیش آ جائے اور طوافِ وداع نہ کر سکیں تو وہ بھی اُن سے معاف ہے۔

مدینہ منورہ کی حاضری

اگرچہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور روضۂ اَقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری حج کے اَرکان ومناسک میں داخل نہیں ہے؛ لیکن یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے کہ آدمی دور دراز سے حج کرنے آئے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری نہ دے، اِس لئے حجاجِ کرام کو چاہئے کہ وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری کی کوشش کریں، اور موقع ہو تو کم از کم ۴۰؍ نمازیں مسجد نبوی میں اَدا کریں؛ اِس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ''جو شخص مسلسل مسجد نبوی میں ۴۰؍ نمازیں پڑھے، تو اُس کو جہنم، عذاب اور نفاق سے برأت کا پروانہ عطا ہوتا ہے''۔ (خلاصۃ الوفاء ۱؍۴۹۰)

علاوہ اَزیں متعدد روایات میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قبر مبارک کی زیارت کو موجب شفاعت عمل قرار دیا ہے۔ (مستفاد: خلاصۃ الوفاء ۱؍۳۲۱)

اِس لئے ہر حاجی کو مدینہ منورہ حاضری کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔

مدینہ منورہ کے سفر میں ذوق وشوق کے ساتھ درود شریف کی کثرت رکھیں، وہاں حاضر ہوکر مسجد نبوی میں نماز باجماعت اور تلاوتِ کلام پاک کا اہتمام کیا جائے، اور گاہے بگاہے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہیں۔

آج کل صلوٰۃ وسلام کے لئے ''باب السلام'' سے داخلے کا نظام ہے، اِس لئے اَدب کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہوئے حاضری دیں، اور جب بالکل روضۂ اقدس کے سامنے پہنچیں تو بااَدب ہوکر درج ذیل الفاظ سے سلام عرض کریں:

- اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (اے اللہ کے رسول آپ پر درود وسلام)
- اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ (اے اللہ کے حبیب! آپ پر صلوٰۃ وسلام)

○ اَلصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ (اے افضل الخلق! آپ پر صلوٰۃ وسلام)

○ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّھَا النَّبِيُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ (اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں)

سلام پیش کرتے وقت یہ تصور رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں خصوصی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اور ہمارے صلوٰۃ وسلام کو سن کر جواب مرحمت فرما رہے ہیں۔

اس کے بعد ایک قدم آگے بڑھ کر خلیفہ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

پھر مزید ایک قدم آگے بڑھ کر امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کریں۔

بعد ازاں وہیں پر یا باہر نکل کر خوب توجہ کے ساتھ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے اپنی مغفرت اور دین ودنیا کی فلاح کے لئے دعا کریں، یہ قبولیت کا موقع ہے۔

مدینہ منورہ قیام کے دوران ''جنۃ البقیع'' میں بھی حاضری دیں، جو مدینہ منورہ کا مشہور ومعروف قبرستان ہے، جس میں ہزاروں صحابہ اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔

نیز ''مسجد قبا'' میں بھی حاضر ہوکر نماز ادا کریں۔ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔ (ترمذی شریف ۱/۷۴)

اور شہدائے احد کی بھی زیارت کریں۔

الغرض اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ عبادت واطاعت میں مشغول رکھیں۔ بالخصوص مسجد نبوی میں ''ریاض الجنۃ'' اور قدیم مسجد کے حصہ میں وقت گذاریں۔

اور صورت وسیرت میں اتباعِ سنت وشریعت کا پختہ عزم لے کر مدینہ منورہ سے واپس ہوں، جو اِس پورے سفر کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔

اِس مختصر وقت میں اجمالی گفتگو کی گئی ہے، کسی کو کوئی اور بات معلوم کرنی ہو تو وہ سوال کرسکتا ہے۔ (اِس سلسلہ کے بعض سوال وجواب آگے درج کئے جارہے ہیں)

اللہ تعالیٰ اِس سفر کو بے حد قبول فرمائیں، کوتاہیوں کو معاف فرمائیں اور ہم سب کو حج مبرور اور زیارتِ مقبولہ سے نوازیں، آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ □❖□

سوال وجواب

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

سوال:- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا حج کیا تھا؟

جواب:- نبی اکرم ﷺ نے ''حج قران'' فرمایا تھا، جو حج کی سب سے افضل شکل ہے۔

سوال:- جب حج افضل ترین عبادت ہے، تو پیغمبر علیہ السلام نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج ہی کیوں فرمایا؟

جواب :- اصل میں بات یہ ہے کہ مکہ کے مشرکین نے اپنی طرف سے مہینوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھا تھا، اور اصل عبادت کے مہینے وقت سے بے وقت ہو گئے تھے۔ اَب ہجرت کے بعد آٹھ سال تک تو مکہ ہی فتح نہیں ہوا، پھر فتح مکہ کے اگلے سال ۹ ہجری میں حج فرض ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا، اور آپ کو حکم دیا کہ حج میں تمام مشرکانہ آثار کو مٹا دیں، اور اعلان کر دیں کہ آئندہ سال نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا، اور نہ کوئی ننگا حج کرے گا، اور اِس انتظام کا منشا یہ تھا کہ جب کفر وشرک کے سارے آثار مٹ جائیں، اور زمانہ اپنی اُس اصلی حالت پر لوٹ آئے جیسا حقیقت میں تھا، اُس کے بعد ہی پیغمبر علیہ السلام حج کا فریضہ اَدا کریں۔ چناں چہ اِن تمام اُمور کی تکمیل کے بعد ۱۰ ہجری میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخری حج فرمایا، تو گویا اِس سے پہلے آپ کے حج ادا کرنے کا موقع نہ تھا۔

سوال:- حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے سال باحیات رہے؟

جواب :- حج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تین مہینے باحیات رہے۔ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔

سوال:- اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع ملتا تو بعد میں بھی حج فرماتے؟

جواب :- جی ہاں! اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو اُمید یہی تھی کہ آپ بعد میں بھی حج ادا فرماتے، جیسا کہ خلفاء راشدین ہر سال حج فرماتے رہے۔

سوال:- کیا سرمایہ داروں کے لئے بار بار حج کے بجائے دیگر جگہوں پر مال خرچ کرنا بہتر ہے؟

جواب:- جو شخص ضرورت کی جگہوں پر بالکل خرچ نہ کرے اور بس حج وعمرہ ہی کرتا رہے تو اُس کے لئے تو ضرور کہا جائے گا کہ اُسے چاہئے کہ وہ حج وعمرہ کی کثرت کے بجائے ضرورت کے مواقع پر خرچ کیا کرے؛ لیکن جو سرمایہ دار حضرات پہلے سے ہی زکوٰۃ وصدقات نکالنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور دینی ومعاشرتی اور سماجی ضرورتوں میں بھی حسبِ وسعت خرچ کرتے رہتے ہیں، اُن کے لئے حج وعمرہ کی کثرت ایک مستقل عبادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف صدقہ خیرات پر اکتفاء کریں اور حج وعمرہ کو ترک کردیں؛ بلکہ اُنہیں دونوں باتوں کی ترغیب دی جائے گی؛ کیوں کہ دونوں عبادتوں کی نوعیت الگ اور مستقل ہے۔ اور حج وعمرہ میں عبادت کی امتیازی شان پائی جاتی ہے، جس سے اِیمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔

سوال:- کیا ہر پانچ سال میں مال دار پر حج کرنا ضروری ہے؟

جواب:- حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے جس بندے کو جسمانی صحت اور مالی وسعت سے نوازا ہو، اور پھر بھی وہ ہر پانچ سال میں میرے گھر کی زیارت کے لئے حاضر نہ ہو تو وہ محروم ہے‘‘۔ اِس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحب استطاعت شخص کے لئے پانچ سال میں کم از کم ایک مرتبہ حج یا عمرہ کرنا بہتر ہے؛ تاہم یہ فرض یا واجب نہیں ہے۔

سوال:- جو آدمی مقروض ہو اس کو نفلی حج کے لئے جانا کیسا ہے؟

جواب:- جو آدمی مقروض ہو اُس پر اولاً قرض کی ادائیگی لازم ہے، ایسے شخص کے لئے قرض ادا کئے بغیر نفلی حج یا عمرہ کو جانا مناسب نہیں ہے۔

سوال:- کیا سفر حج میں بھی کسی کو امیر بنایا جائے گا؟

جواب:- ہر سفر میں کسی کو امیر بنانا مسنون ہے، سفر حج میں بھی اِس کا اہتمام ہو تو بہت بہتر ہے، اِس سے نظم وانتظام میں بڑی سہولت رہتی ہے۔

سوال:- کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟

جواب:- محض عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا؛ البتہ اگر حج تک ٹھہرنے کا معقول انتظام ہوتو حج فرض ہوگا۔

سوال:- اگر کوئی حاجی مکہ معظّمہ سے جدہ جائے تو کیا واپسی پر احرام باندھنا ضروری ہوگا؟

جواب:- جدہ سے واپسی پر احرام باندھنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ جدہ میقات سے باہر نہیں ہے؛ البتہ اگر واپسی میں عمرہ کا ارادہ ہوتو احرام باندھا جائے گا۔

سوال:- اگر کوئی حاجی مکہ معظّمہ سے طائف چلا جائے تو واپسی میں احرام باندھنا لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب:- طائف میقات سے باہر ہے؛ لہٰذا جو شخص مکہ معظّمہ سے طائف جائے گا اُس پر واپسی میں احرام باندھنا لازم ہوگا۔

سوال:- احرام کے وقت اگر عورت ناپاک ہوتو اُس کے احرام کا کیا مسئلہ ہے؟

جواب:- وہ عورت اسی حالت میں غسل کر کے احرام کی نیت کرے گی اور تلبیہ پڑھتی رہے گی، اور حج کے تمام ارکان (وقوفِ منیٰ، عرفات، مزدلفہ، رمی، قربانی وغیرہ) اَدا کرے گی، بس طوافِ زیارت پاک ہونے کے بعد کرے گی، اِس لئے اُسے دل برداشتہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اور ذکر واذکار اور دعاؤں میں مشغول رہے۔

سوال:- احرام کی حالت میں صابون کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:- احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا صابن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ خوشبو والا صابون استعمال نہ کیا جائے؛ کیوں کہ بار بار خوشبو دار صابون استعمال کرنے سے دم واجب ہوجاتا ہے، اور اگر ایک دو مرتبہ ہی استعمال کیا ہے تو صدقہ واجب ہوتا ہے۔

سوال:- احرام کی حالت میں بیڑی سگریٹ پینا کیسا ہے؟

جواب:- بیڑی سگریٹ پینا کسی بھی حال میں پسندیدہ نہیں ہے، اور احرام میں بدرجہ اولیٰ نہیں پینا چاہئے؛ لیکن اگر پی لی تو اُس سے کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

سوال:- احرام کی حالت میں پیروں پر چادر یا کمبل ڈالنا کیسا ہے؟

جواب:- احرام کی حالت میں پیروں پر چادر یا کمبل ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے

سوال:- حالتِ احرام میں غسل کرنا کیسا ہے؟

جواب:- احرام کی حالت میں غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ خوشبودار صابون استعمال نہ کریں۔ اِسی طرح بالوں کو زیادہ نہ رگڑیں، جس سے بال ٹوٹنے کا اندیشہ ہو۔

سوال:- احرام کا کپڑا میلا ہونے پر بدلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب:- ضرورت کے وقت احرام کا کپڑا بدلنا شرعاً جائز ہے۔

سوال:- بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دانتوں سے اپنا ناخون چباتے رہتے ہیں، تو ایسا شخص اگر احرام کی حالت میں ناخون چبالے تو اُس پر کیا جنایت لازم ہوگی؟

جواب:- احرام کی حالت میں ناخون چبانے سے احتراز کرنا لازم ہے؛ تاہم اگر اُس نے دو چار ناخون چبائے تو ہر ناخون کے بدلے میں ایک صدقہ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہوگا۔

سوال:- کیا دمِ جنایت ہندوستان میں بھی کرا سکتے ہیں؟

جواب:- دمِ جنایت کو حدودِ حرم میں ذبح کرنا لازم ہے، حدودِ حرم سے باہر ذبح کرنا جائز اور معتبر نہ ہوگا۔

سوال:- کیا دمِ جنایت کے بجائے روپیہ صدقہ کرنا کافی ہوسکتا ہے؟

جواب:- دم جنایت میں اصل مقصود جانور کو ذبح کرنا ہے، صدقہ مقصود نہیں ہے، اِس لئے دم کے بجائے صدقہ دینا کافی نہ ہوگا۔

سوال:- عورت کا دوسری عورت سے اپنے بال کٹوانا درست ہے یا نہیں؟

جواب:- ارکان مکمل ہونے کے بعد عورت اپنے بال خود بھی کاٹ سکتی ہے، اور دوسری عورت سے بھی کٹوا سکتی ہے۔

سوال:- اگر طواف کے درمیان وضو ٹوٹ جائے تو کیا کریں؟

جواب:- طواف میں باوضو رہنا واجب ہے؛ لہٰذا اگر دورانِ طواف وضو ٹوٹ گیا تو فوراً وضو کریں اور پھر طواف مکمل کریں۔ اور اگر ۴ر چکر سے پہلے وضو ٹوٹا ہے تو بہتر ہے کہ ازسرِ نو طواف کریں۔

سوال:- طواف کے دوران کیا پڑھیں؟

جواب:- طواف کے دوران ذکر و دعا میں مشغول رہنا چاہئے، اِس وقت بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

سوال:- کیا طواف کے لئے کچھ دعائیں خاص ہیں؟

جواب :- طواف کے ہر چکر میں جب رکن یمانی (حجر اسود سے پہلے والے کونے) پر پہنچیں تو یہ دعا: ’’رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘‘ پڑھنا مسنون ہے؛ لیکن بقیہ طواف کے حصہ میں کوئی بھی دعا مانگ سکتے ہیں، کسی دعا کی تخصیص نہیں ہے۔ اور جو بعض رسائل میں ہر چکر کی الگ الگ دعائیں شائع کی گئی ہیں، وہ محض سہولت کے لئے ہیں، اُن کا التزام ضروری نہیں ہے۔

سوال :- طواف میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی بڑے مجمع کو زور زور سے دعائیں پڑھاتا ہے اور سب ان کلمات کو دہراتے ہیں، تو یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟

جواب :- یہ طریقہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ دعا محض کلمات دہرانے کا نام نہیں؛ بلکہ مانگنے کا نام ہے، نیز اِس عمل سے دیگر طواف کرنے والوں کی یکسوئی میں بھی خلل پڑتا ہے۔

سوال:- طواف کے دوران موبائل پر بات چیت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- دورانِ طواف موبائل پر ضروری بات چیت کی جاسکتی ہے؛ البتہ غیر ضروری بات چیت سے احتراز کیا جائے، اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ طواف اَدا کریں۔

سوال:- طواف کے دوران بیت اللہ شریف کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب :- طواف کرتے ہوئے بالقصد بیت اللہ شریف پر نظر ڈالنا پسندیدہ نہیں ہے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ طواف میں اپنے سامنے چلنے کی جگہ پر نظر رکھی جائے اور اِدھر اُدھر نہ دیکھا جائے اور اِس کا ضرور خیال رکھا جائے کہ طواف کے دوران سینہ بیت اللہ شریف کی طرف نہ ہو؛ کیوں کہ اگر سینہ یا پیٹھ بیت اللہ شریف کی طرف کرنے کی حالت میں طواف کیا جائے گا تو وہ معتبر نہ ہوگا۔

سوال:- آج کل مسجد حرام میں تیسری منزل پر طواف کے لئے الیکٹرانک گاڑیوں کا نظم کیا گیا ہے، تو اِن گاڑیوں پر سوار ہوکر طواف کرنا کیسا ہے؟

جواب:- جو شخص خود چل سکتا ہو، اُس کے لئے سواری پر طواف کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ جو شخص معذور ہو، وہ وہیل چیئر پر یا الیکٹرانک گاڑی پر طواف کرسکتا ہے: لہٰذا غیر معذور شخص مذکورہ گاڑیوں پر طواف نہ کرے۔

سوال:- طواف کی نفل نماز کب پڑھی جائیں؟

جواب:- ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب الطّواف پڑھنے کا حکم ہے، اور اُسے پڑھے بغیر طواف پر طواف کرتے رہنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ اگر مکروہ وقت ہو، مثلاً فجر کے بعد یا عصر کے بعد، تو اس میں پے در پے طواف کرتے رہیں، اور بعد میں (مکروہ وقت نکلنے کے بعد) سب کی نفلیں اکٹھی پڑھ لیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال:- آج کل مطاف میں بہت بھیڑ ہوتی ہے، تو اگر ہم یہ چاہیں کہ ایک ساتھ دو طواف کرکے پھر اُن کی نفلیں پڑھ لیں، تو اِس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب:- غیر مکروہ وقت میں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ خلافِ سنت ہے: لہٰذا ہر طواف کے بعد اولاً واجب الطّواف پڑھی جائے، پھر دوسرا طواف شروع کیا جائے، بھیڑ کی وجہ سے واجب الطّواف کو مؤخر نہ کیا جائے۔

سوال:- اگر طواف میں اضطباع اور رمل بھول جائیں تو کیا کریں؟

جواب:- طواف میں مردوں کے لئے اضطباع (داہنا کندھا کھولنا) اور رمل (ابتدائی تین چکروں میں اکڑ کر چلنا) مسنون ہے؛ لیکن اگر سہواً اِن کو چھوڑ دیا تو کراہت تنزیہی کے ساتھ طواف ادا ہوجاتا ہے اور کوئی جنایت لازم نہیں آتی، بس توبہ واستغفار کرلیں۔

سوال:- سعی کے دوران کیا پڑھا جائے؟

جواب:- سعی کے دوران بھی ذکر ودعا میں مشغول رہنا چاہئے، اور خاص کر ’’میلین اخضرین‘‘

(جہاں ہری لائٹیں لگی ہوئی ہیں) کے درمیان یہ دعا پڑھیں: ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ''۔

سوال:- کیا سعی کے ساتوں چکر بیک وقت کرنے ضروری ہیں؟ یا تھکن وغیرہ کی وجہ سے اُس میں فصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب:- بہتر تو یہی ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو سعی کے ساتوں چکر ایک ساتھ کر لئے جائیں؛ لیکن اگر کوئی عذر پیش آجائے، مثلاً تھکاوٹ ہو جائے، یا اور کوئی ضروری تقاضا ہو تو چکروں کے درمیان فصل کرنے سے بھی سعی درست ہو جائے گی، اور کوئی جنایت بھی لازم نہ ہوگی۔

سوال:- کیا حج قران میں طوافِ قدوم کے ساتھ حج کی سعی کی جاسکتی ہے؟

جواب:- جی ہاں! حج قران میں طوافِ قدوم کے ساتھ حج کی سعی کرنا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے

سوال:- کیا حج کی سعی کے لئے بھی وہی وقت ہے جو طوافِ زیارت کے لئے ہے؟ یعنی ۱۲/ذی الحجہ کا غروبِ آفتاب، یا اُس کے بعد بھی حج کی سعی کی جاسکتی ہے؟

جواب:- بہتر تو یہی ہے کہ ایام نحر یعنی ۱۰/ سے ۱۲/ذی الحجہ میں ہی طوافِ زیارت کے بعد حج کی سعی کر لی جائے؛ لیکن اگر کسی عذر سے ایام نحر کے بعد حج کی سعی کی تو بھی سعی درست ہو جائے گی، اور کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

سوال:- آج کل سعی کے لئے بھی الیکٹرانک گاڑیاں اور کرایہ پر سعی کرانے کا انتظام ہے، تو اِس سے کون لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟

جواب:- جو شخص پیدل چلنے پر قادر ہو اُس کے لئے پیدل سعی کرنا واجب ہے؛ اِس لئے غیر معذور شخص وہیل چیئر یا الیکٹرانک گاڑی پر سعی نہ کرے؛ البتہ جو شخص چلنے سے معذور ہو یا بیمار ہو، تو اُس کے لئے گنجائش ہوگی۔

سوال:- کس طرح کے حج میں قربانی واجب ہے؟

جواب:- حج تمتع اور حج قران میں قربانی واجب ہوتی ہے، اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہے۔

سوال:- کیا حج کی قربانی کے ساتھ ساتھ حاجی پر مالی قربانی بھی واجب رہتی ہے؟

جواب:- جو حاجی ایامِ قربانی میں مقیم ہو اور صاحب استطاعت ہو، تو اُس پر حج کی قربانی کے

ساتھ ساتھ مالی قربانی بھی حسب ضابطہ لازم ہوتی ہے؛ البتہ یہ مالی قربانی وہ اپنے وطن میں بھی کرا سکتا ہے، اس کے لئے حدودِ حرم کی کوئی شرط نہیں ہے۔

سوال:- آج کل عام طور پر سعودی حکومت نے بینک کے ذریعہ قربانی کرانے کا اہتمام کر رکھا ہے، تو کیا ہم قربانی کا کوپن خرید کر اپنی قربانی کرا سکتے ہیں؟

جواب:- بینک کے ذریعہ قربانی کرانے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اُس میں واجب ترتیب (یعنی پہلے رمی پھر قربانی اور اُس کے بعد حلق) باقی نہیں رہتی، اور قربانی کے کوپن پر جو وقت لکھا رہتا ہے اُس کا حقیقت میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اِس لئے بالخصوص حنفی حجاج کو چاہئے کہ وہ بینک کے ذریعہ قربانی نہ کرائیں؛ بلکہ یا تو خود قربان گاہ جا کر اپنی قربانی کریں، یا اپنے معتبر دوستوں اور گروپ کے ذمہ داروں کے ذریعہ قربانی کرائیں؛ البتہ اگر کسی شخص کے لئے کوئی متبادل صورت نہ ہو، تو وہ مجبوراً بینک کا ٹوکن خرید سکتا ہے۔

سوال:- حرم کے اِردگرد سفید پتھروں والا میدان مسجد حرام میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب:- یہ صحن کا میدان مسجدِ شرعی میں داخل نہیں ہے؛ (لہٰذا شرعی عذر والی عورت کے اس صحن میں جانے میں حرج نہیں ہے)

سوال:- حرم کے قریب بڑی عمارتوں میں جماعت خانے بنے ہوئے ہیں، جن میں حرم کی جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اِن جماعت خانوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نماز درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر اُن عمارتوں کے نیچے تک صفیں متصل ہوتی ہوں تو ان جماعت خانوں میں حرم کی جماعت میں نماز پڑھنا درست ہوگا۔ اور اگر صفیں متصل نہ ہوں تو حنفیہ کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان جماعت خانوں میں نماز پڑھنے کے بجائے اہتمام کے ساتھ مسجد میں جا کر یا متصل صفوں میں ہی نماز ادا کی جائے؛ تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۱۹)

محکمۂ شرعیہ کی ضرورت واَہمیت

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

- موضوعِ خطاب : محکمہ شرعیہ کی ضرورت واَہمیت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : قصبہ ''ویسما''ضلع سورت (تربیتی اجتماع جمعیۃ علماء گجرات)
- تاریخ : ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳/جنوری/۲۰۱۷ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۳۲/منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِن کُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ، ذٰلِکَ خَیْرٌ وَاَحْسَنُ تَأْوِیْلاً. (النساء: ۵۹) صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم.

معزز علماء کرام، جمعیۃ علماء گجرات کے اراکین گرامی قدر، بزرگو اور بھائیو!

اسلام دین فطرت ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے، یہ ایسا دین ہے جس کی وسعت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے۔

بہت سے مذاہب دنیا میں اس طرح کے ہیں کہ ان میں عبادات کا شعبہ الگ ہے اور معاملات کا الگ ہے۔ اور عام طور پر معاملات کے بارے میں مستقل رہنمائی کرنے کے بجائے کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے کہ جیسا موقع ہو ویسا کرلو؛ البتہ کچھ مذہبی رسومات ہیں جن کی پابندی کروگے تو مذہب والے کہلاؤ گے۔

لیکن ہمارا دینِ اسلام کسی خاص رسم تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ ہر سطح پر، ہر طبقہ کے واسطے اور ہر موقع کے لئے دینی رہنمائی موجود ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو تاکید فرمائی ہے کہ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۰۸] (یعنی اے ایمان والو! اِسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ)

گویا کہ سوفی صد مسلمان بن جاؤ، یعنی ہر معاملہ میں شریعت کے احکامات کی مکمل پیروی کرو۔

اسی مشن کو لے کر سرور کائنات، فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مزاج بنایا کہ شریعت کے سامنے سوفی صد سرِ تسلیم خم کردیا جائے۔

یہی جذبہ ہر مسلمان میں ہونا چاہئے۔ ہم جس طریقہ پر نماز روزہ وغیرہ کے مسائل کے بارے میں واقف کار علماء ومفتیان سے پوچھ کر عمل کرتے ہیں، اسی طرح تجارتی اور معاشرتی معاملات میں بھی شرعی حکم معلوم کرکے اسی کے مطابق عمل کرنا ہمارے لئے لازم ہے۔

مسلمان ہونے کا یہی تقاضا ہے۔

اختلافات کو دور کرنے کا حکم

اس وقت اس مجلس میں ہمیں محکمہ شرعیہ کی ضرورت پر کچھ گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس بارے میں اسلام کا اصل نظریہ ہمارے سامنے رہنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ اولاً اس بات کی کوشش

کرنی چاہیئے کہ کسی مرحلہ میں بھی آپس میں نزاع کی نوبت نہ آئے؛ لیکن اگر کوئی اختلاف ہوجائے تو اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

واضح ہو کہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں اختلاف پیش آجانا کوئی خلافِ تصور بات نہیں ہے؛ کیوں کہ جب کئی آدمی ایک جگہ رہتے ہیں تو ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے؛ لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ اس اختلاف کو زیادہ دیر تک باقی نہیں رکھنا چاہیئے؛ بلکہ اسے جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔

اِختلافات کیسے ختم ہوں؟

اَب سوال یہ ہے کہ اختلاف کیسے ختم کیا جائے؟ کیوں کہ اگر ہر فریق اپنی ضد پر جما رہے، اور اپنی بات پر اڑا رہے تو دنیا میں کوئی اختلاف ختم نہیں ہوسکتا۔

تو اختلاف ختم ہونے کی تدبیر یہ ہے کہ دونوں فریق اولاً خود ایثار اور انصاف سے کام لیتے ہوئے خود اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کریں، اور اگر آپس میں بات نہ بنے تو پھر کسی دوسرے معتبر شخص کو اپنا حکم بنانے پر متفق ہوجائیں کہ جو یہ فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔

لیکن اس بارے میں شریعت اسلامیہ کی رہنمائی یہ ہے کہ حکم بھی فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں ہے؛ بلکہ اُس پر بھی شریعت کے اُصولوں کی رعایت لازم ہے؛ لہٰذا حکم خواہ ایک فرد ہو یا چند افراد ہوں، اُن کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ معاملہ کو سلجھانا ضروری ہے۔

قرآن وحدیث کے فیصلہ کو قبول کرنا اِیمان کا تقاضا ہے

اور جب قرآن وسنت کی روشنی میں کوئی فیصلہ ہوجائے، اور نزاع کو ختم کرنے کی کوئی شکل نکال دی جائے، تو اب ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس فیصلہ کو آدمی بخوشی تسلیم کرلے اور شریعت کے حکم پر راضی ہوجائے۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت ہی مؤکد انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا. [النساء: ٦٥]

تیرے رب کی قسم وہ لوگ اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپسی تنازعہ میں آپ کو حکم نہ بنالیں، پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اپنے آپ کو پوری طرح سپرد کردیں۔

بلاشبہ یہ بہت مؤثر آیتِ کریمہ ہے، جس میں نہایت شاندار طریقے پر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص ایمان کے دعویٰ میں اس وقت تک سچا ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اپنے آپسی معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کو اپنا حَكَمْ نہ بنالے۔

اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اپنی ذات کے اعتبار سے حَكَمْ نہیں ہے؛ بلکہ ''رسول اللہ'' ہونے کے اعتبار سے حَكَمْ ہے، جس سے یہ پتہ چلا کہ آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کی تعلیمات اور ہدایات کی روشنی میں جو فیصلہ کیا جائے گا وہ بھی اسی درجہ میں ہوگا کہ گویا ہم نے ''رسول اللہ'' کو اپنا حَكَمْ بنایا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ جب شریعت کی روشنی میں فیصلہ ہو جائے، تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس فیصلہ پر دل میں ذرہ برابر کوئی تنگی نہ ہو، اور اُس کے سامنے سو فی صد سرِ تسلیم خم کردیا جائے، یعنی اس فیصلہ کو دل سے قبول کرلیا جائے۔

شرعی فیصلے کے بارے میں یہ بنیادی اُصول اور منشور اُمت کو عطا کردیا گیا ہے، جو ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے؛ لہٰذا جب بھی نزاع ہو، تو اِسی کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

الغرض کوئی بھی نزاع ہو، خواہ اس کا تعلق مالی معاملات سے ہو، یا ازدواجی اور معاشرتی معاملات سے ہو، اگر آدمی اس میں شریعت کے اُصول کو پیش نظر رکھ لے تو بڑے سے بڑا معاملہ آسانی کے ساتھ سلجھ سکتا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان نزاع کو حل کرنے کا ابتدائی مرحلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر قرآن پاک میں میاں بیوی کے درمیان نزاع کے حل کے لئے جو ترتیب بتلائی ہے، وہ بہت کارآمد اور نفع بخش ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا. وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا. (النساء: ۳۴-۳۵)

پس نیک عورتیں (اپنے شوہروں کی) تابع دار ہیں، اور غائبانہ میں اللہ کی حفاظت سے (اپنے نفس اور شوہر کے مال کی) نگرانی کرنے والی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو، تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کے بستر الگ کردو، اور (ہلکی پھلکی) تادیب ضربی کرو، پھر وہ اگر تابع داری کریں تو ان پر الزام کی راہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب سے برتر اور بڑا ہے۔ پھر اگر تم کو ان دونوں کے درمیان نزاع وشقاق کا اندیشہ ہو تو لڑکے والوں کی طرف سے ایک حکم کھڑا کرو اور لڑکی والوں کی طرف سے بھی حکم کھڑا کرو، اگر وہ دونوں (حکم) صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت کردے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خبردار ہے۔

اِن ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

الف:- اولاً بیویوں کو حکم دیا گیا کہ وہ شوہر کی تابع دار بن کر رہیں۔

ب:- پھر شوہروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا کہ اگر تم بیویوں کی طرف سے نافرمانی کا اندازہ کرو، تو اولاً اُن کو سمجھاؤ بجھاؤ، اور تنبیہ کے طور پر بستر الگ کرلو، یا (ہلکی پھلکی) تادیب کرو۔ (گویا کہ گھر ہی گھر میں آپس میں معاملات درست کرلئے جائیں، اور گھر کی بات باہر نہ پہنچائی جائے)

ج:- اگر آپس میں بات بن جائے تو اَب پرانی باتوں کو بھول جائیں اور آئندہ کوتاہیوں کی ٹوہ میں نہ رہیں؛ بلکہ وسعت ظرفی سے کام لیں۔

د:- اگر بالفرض اِس تنبیہ اور تدبیر سے بھی معاملہ حل نہ ہو تو اب حکم یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کی طرف سے حکم مقرر کئے جائیں، جو دونوں صرف ایک ہی جذبہ سے کام کریں کہ زوجین میں کسی طرح اصلاح اور جوڑ ہو جائے، اور افتراق ختم ہو جائے، یہ گھر بسا رہے، اور ازدواجی زندگی سلامت رہے۔

اگر اِصلاح کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ دونوں کے دل ملا دیں گے

اگر دونوں طرف کے حکم حضرات اِس جذبہ کو پیش نظر رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُن کے درمیان میں اصلاح کی راہ پیدا کر دیں گے۔

چناں چہ فرمایا گیا: ﴿اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا﴾ [النساء، جزء آیت: ۳۵] یعنی اگر یہ دونوں حکم جانب دار نہ رہیں؛ بلکہ غیر جانب دار بن کر انصاف کے ساتھ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں کے درمیان میں توافق پیدا فرما دیں گے، جس کا بار بار تجربہ کیا جا چکا ہے۔

یہاں ایک بہت اہم قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دوسرے پہلو کو ذکر ہی نہیں فرمایا۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ”اگر اُن کا اصلاح کا اِرادہ نہ ہو تو نتیجہ یہ ہوگا“۔

گویا اس سے اللہ تعالیٰ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ حکم حضرات کے دل میں اصلاح کے علاوہ کوئی جذبہ ہونا ہی نہیں چاہیے، پس اگر اُن میں اصلاح کا جذبہ ہوگا تو بڑے سے بڑا نزاع حل ہو جائے گا، اور تنازعہ ختم ہو جائے گا۔

مسلم معاشرہ کی کوتاہی

معاشرتی نزاع کے حل کے لئے اِسلامی شریعت میں جو ہدایات دی گئی ہیں، اگر صدق دل سے اُن کو سامنے رکھا جائے تو اکثر نزاعات ختم ہو سکتے ہیں، اور طلاق وتفریق کی نوبت آنے سے بچا جا سکتا ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم دوسروں کا شکوہ تو بہت کرتے ہیں؛ مگر جب موقع پڑتا ہے تو خود شرعی ہدایات کا لحاظ نہیں رکھتے۔

اور اِس میں دونوں طرف سے کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

کبھی تو شوہر ذرا سی ناگواری پر انتہائی اِقدام کرتے ہوئے انجام سے بے پرواہ ہوکر طلاق دے دیتا ہے، جس پر بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

اور بعض مرتبہ لڑکی کی طرف سے پائی جانے والی باتوں پر اُس کے گھر والوں کی بے جا حمایت اور طرف داری بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

بلکہ بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ میاں بیوی آپس میں ملنا چاہتے ہیں؛ لیکن لڑکی کے خاندان والے اپنی ضد اور اَنانیت کی بنا پر معاملہ کو سلجھانے پر تیار نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے دونوں طرف بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔

لہٰذا ہم سب کو بہر حال رشتوں کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے حتی الامکان گھروں کو بسانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور جب تک واقعی اور ناگزیر ضرورت نہ ہو، اس وقت تک طلاق اور تفریق سے بچانا چاہئے۔

اِسلامی نظام قضاء

تاہم بعض مرتبہ اِس طرح کے حالات پیش آجاتے ہیں کہ اس معاملہ کو اپنے طور پر یا فریقین کی جانب سے حکم متعین کرکے حل کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، اور اس کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ دوسرا فریق ضدی اور سرکش ہو، اور اُسے معاملات کے حل سے دلچسپی ہی نہ ہو، یا یہ کہ وہ غائب ہو وغیرہ۔ تو اِس طرح کے معاملات کے حل کے لئے نظامِ قضاء کی طرف رجوع کی ضرورت پڑتی ہے۔

چناں چہ اسلام کا ایک باقاعدہ نظامِ قضاء ہے۔ اِس کے بارے میں قرآنِ پاک میں بھی متعدد آیات ہیں، جن میں عدل وانصاف کی تاکید کی گئی ہے۔

اور اَحادیثِ شریفہ میں بھی قاضی کی صفات وشرائط اور اُس کے متعدد بنیادی اصول بیان کردئے گئے ہیں، جو بہت جامع اور مفید ہیں۔

پھر ان کی روشنی میں حضرات فقہاء کرام نے بے شمار اُصول وجزئیات کا استخراج کیا ہے، اور اُن کو بالتفصیل کتابوں میں جمع فرمایا ہے، جن کو پیش نظر رکھ کر اِس اہم ذمہ داری کو اَدا کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں شعبہ قضاء کو بنیادی حیثیت حاصل ہے؛ کیوں کہ اگر یہ شعبہ نہ رہے، تو تمدنی زندگی پرسکون نہیں گذر سکتی، اور ظالم ومظلوم میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے اسلام میں نظامِ قضاء کو فرضِ کفایہ کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔

اِسلامی نظام قضاء کا امتیاز

اسلامی نظام قضاء کی ایک اہم امتیازی خوبی یہ ہے کہ یہاں انصاف مفت میں ملتا ہے، (حتیٰ کہ کورٹ فیس بھی بہت معمولی ہوتی ہے، جو ہر شخص ادا کرسکتا ہے)

نیز قاضی کے لئے بھی سخت قسم کی شرائط اور پابندیاں لگائی گئی ہیں؛ گویا کہ رشوت اور جانب داری کے سارے دروازے بند کردئے گئے ہیں، جن کی تفصیلات کتب فقہ میں درج ہیں؛ تاکہ کوئی غریب مظلوم آدمی محض اس وجہ سے انصاف سے محروم نہ رہ جائے کہ اس کی جیب میں پیسے نہیں ہیں۔

پھر فیصلے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں ایک ایسا اُصول بیان فرمادیا ہے جس پر پورے نظام قضاء کی بنیاد ہے۔

آپ کا ارشاد ہے: ’’اَلبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِي وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ أَنْکَرَ‘‘. (صحیح البخاري، معرفة السنن و الآثار، السنن الکبریٰ للبیهقي / کتاب الدعویٰ والبینات ۱۰/۴۲۷ رقم: ۲۱۲۰۱) یعنی گواہوں کے پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے، اور اگر گواہ نہ ہوں اور مدعی علیہ دعویٰ کا منکر ہو تو اُس کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔

غور کریں تو سارا نظام قضاء اِسی ایک حدیث پر ٹکا ہوا ہے، اور یہ ایسا مضبوط اُصول ہے کہ

تھوڑے ہی دنوں کے اندر اِس اُصول کی روشنی میں معاملہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لمبی پیشیوں اور طویل مدت کی ضرورت نہیں ہے، یہ الگ ایک مستقل موضوع ہے۔

ہندوستان میں نظام قضاء کی تاریخ

بہرحال ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ اسلامی حکومتوں میں قضاء کا ایک مستقل شعبہ رہا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں بھی جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار رہا تو یہاں بھی نظام قضاء قائم تھا، ہر شہر اور علاقہ میں حکومت کی طرف سے قاضی مقرر کئے جاتے تھے، جو شریعت کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے، حتیٰ کہ صالح مغل بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کے مطابق قضاۃ اور مفتیان کے لئے باقاعدہ ایک مبسوط کتاب مرتب کرائی، جو ''فتاویٰ عالمگیریہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے، اور اُمت اس سے برابر فائدہ اٹھا رہی ہے۔

لیکن جب مغل حکومت کا خاتمہ ہوا اور انگریز کا تسلط ہوا، تو رفتہ رفتہ شرعی قاضیوں سے اختیارات سلب کر لئے گئے، اور یوروپین قوانین نافذ کر دئے گئے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ تشویش کا باعث تھی، جس کی بنا پر آزادی سے پہلے بھی اور آزادی کے بعد بھی علماء کرام کی طرف سے برابر یہ کوشش کی جاتی رہی کہ فوج داری اور مالی لین دین کے معاملات کے علاوہ جن مسائل کا تعلق ہمارے عائلی قوانین یا وراثت اور وقف کے ساتھ ہے، ان میں ہمیں اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے اور معاملات حل کرنے کا اختیار ملنا چاہئے۔

اسی بنا پر جمعیۃ علماء ہند نے پارلیمنٹ میں ''قاضی بل'' کا مسودہ پیش کیا تھا؛ تاکہ الجھے ہوئے عائلی معاملات شریعت کی روشنی میں حل کرائے جا سکیں؛ کیوں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ کئی مسائل اس طرح کے ہیں جو محض دارالافتاء کے فتویٰ سے حل نہیں ہو سکتے؛ بلکہ اُن کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مظلوم عورتوں کی راحت کے لئے علماء کرام کی جدوجہد

مثلاً مجنون کی بیوی کی رہائی کا مسئلہ ہے، اسی طرح متعنت شوہر سے چھٹکارے کا معاملہ ہے، یا مفقود الخبر شوہر سے تفریق کا مسئلہ ہے۔ ایسے کئی مسائل ہیں جو بغیر قضاء قاضی کے حل نہیں ہوسکتے، تو اولاً ان کے حل کے لئے حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا؛ لیکن جب اُن کی طرف سے سرد مہری کا رویہ رہا تو اپنے طور پر ایک نظام قائم کیا گیا۔

چناں چہ حضرت اَقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اور اُس وقت کے بڑے بڑے دیگر اکابرین نے آپس کے مشورہ اور تعاون سے یہ راہ نکالی کہ جب ایسی مظلوم عورتوں کے لئے حکومت کوئی دادرسی نہیں کررہی ہے، تو فقہ مالکی سے مسئلہ کو لیتے ہوئے ایک جماعت مقرر کی جائے، جس کا فیصلہ قاضی کے فیصلہ کے درجہ میں ہو، جس کو ''جماعۃ المسلمین'' یا ''شرعی پنچایت'' کہا جاسکتا ہے۔

اسی مقصد سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ایک کتاب تیار کی گئی جو ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

(پہلے یہ کتاب پرانے انداز سے چھپی ہوئی تھی، اب مولانا مفتی عبدالرزاق امروہوی زید علمہ کی تحقیق کے ساتھ ''امارتِ شرعیہ ہند'' نے اس کو نئے انداز میں چھپوادیا ہے، جس سے استفادہ مزید آسان ہوگیا ہے، خواہش مند حضرات اس کو امارتِ شرعیہ ہند سے حاصل کرسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں احقر نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے تمام مضامین کی آسان انداز میں تلخیص کی خدمت بھی انجام دی ہے، اور کچھ جدید مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے، جسے ''اسبابِ فسخ وتفریق'' کے نام سے الگ رسالے میں شائع کردیا گیا ہے۔ نیز یہ تلخیص ''کتاب المسائل جلد پنجم'' میں بھی شامل ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک)

محاکم شرعیہ کا قیام اور اُن کا محتاط طریقۂ کار

بہرحال اِس اَہم کتاب میں مقرر کئے گئے اُصولوں کے مطابق جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ملک

کے مختلف حصوں میں شرعی پنچایتیں قائم ہوئیں، اور مظلوم عورتوں کے لئے گلوخلاصی کی شکلیں نکلیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں با قاعدہ کل ہند سطح پر ''امارتِ شرعیہ ہند'' کا قیام عمل میں آیا، اور پہلے اَمیر الہند محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے، جب کہ نائب امیر الہند کے منصب پر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کو فائز کیا گیا۔

اس نئے نظام کے تحت شرعی پنچایتوں کو ''محکمہ شرعیہ'' کا نام دیا گیا۔

محکمہ شرعیہ کا ایک صدر ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ایک کمیٹی بھی ہوتی ہے، اور فسخ وتفریق کے ہر مقدمہ کے لئے بطور احتیاط یہ شرط لگائی گئی ہے کہ محکمہ کے کم اَز کم تین اَرکان شروع سے اخیر تک اس کی کارروائی میں شریک رہیں؛ تاکہ جو شرعی پنچایت کا اُصول ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مذکور ہے وہ کسی درجہ میں یہاں پر بھی ملحوظ رکھا جاسکے؛ اس لئے کہ فسخ وتفریق کا معاملہ بہت نازک ہے، اس میں احتیاط ضروری ہے۔

آج الحمد للہ امارت شرعیہ ہند کے ماتحت ملک کے بہت سے خطوں اور علاقوں میں محکمہ شرعیہ کا نظام کامیابی سے چل رہا ہے۔

عوامی ذہن سازی کی ضرورت

حضراتِ گرامی! اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عوام کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ اپنے عائلی معاملات وتنازعات شریعت کی روشنی ہی میں حل کرائیں۔

ائمہ مساجد اپنے جمعہ کے خطبات میں اور دیگر علماء کرام اپنے بیانات میں لوگوں کو اس جانب توجہ دلائیں کہ سرکاری عدالتوں میں جاکر ایک دوسرے کو ذلیل کرنے سے معاملہ حل نہیں ہوتا؛ بلکہ اور بگڑ جاتا ہے، اس سے خاندانوں کے اندر سخت بگاڑ رونما ہوتا ہے، اور اصلاح کی امیدیں معدوم ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ معاملات کو انصاف کے ساتھ حل کرانے کے لئے محاکم شرعیہ کی طرف رجوع کریں۔

قریبی زمانہ کے ایک معروف صاحب نسبت عالم دین حضرت مولانا معین الدین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد وامیر شریعت صوبہ اترپردیش فرمایا کرتے تھے کہ ''محکمہ شرعیہ میں آکر اگر معاملہ حل کراؤ گے تو جیتنے والا بھی جیتے گا اور جو ہارے گا وہ بھی جیتنے والا شمار ہوگا؛ اِس لئے کہ اس نے حکم شرعی کے آگے خود کو جھکا دیا ہے۔

اوراس کے بالمقابل اگر سرکاری عدالتوں میں مقدمات لے جاؤ گے تو ہارنے والا تو ہارے ہی گا، مگر جو جیتے گا وہ بھی ہار جائے گا؛ اِس لئے کہ اس نے شریعت کے علاوہ دوسرے حکم کو اپنے لئے اچھا اور بہتر سمجھا ہے''۔

لہٰذا ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فیصلے شریعت کی روشنی میں حل کرائے۔

رشتے نبھانے کی کوشش کریں

ہماری کوشش اَولاً یہی ہونی چاہیے کہ نزاعات پیش ہی نہ آئیں، اور آپس میں صبر وتحمل سے کام لیا جائے، اور لوگوں کو بھی اس کا عادی بنایا جائے۔

ایک صاحب نے بڑا اچھا میسج بھیجا کہ ایک نوجوان کی شادی ہوئی، تو اس کے باپ نے اسے بلایا، اور کہا کہ ''بیٹا! ایک پنسل اور ایک سادہ کاغذ لاؤ، اور لکھے ہوئے کو مٹانے کے لئے ایک ربڑ بھی لاؤ''۔

تو وہ لڑکا جلدی سے ایک پنسل کاغذ لایا کہ شاید اَبا کچھ ضروری بات لکھوانا چاہتے ہیں۔

والد محترم نے کہا کہ ''وہ ربڑ کہاں ہے؟''

تو بیٹے نے جواب دیا کہ ''ربڑ نہیں ہے''۔

تو والد نے کہا کہ ''جاؤ! جلدی سے دکان سے خرید کر لاؤ''۔

چناں چہ وہ لڑکا ربڑ خرید کر لے آیا۔

اَب تینوں چیزیں جمع ہوگئیں، پنسل، کاغذ اور ربڑ۔

بیٹے نے کہا: ''اَبا کیا لکھوں؟''

والد نے کہا کہ ''جو چاہے لکھو''۔

بیٹا حیرت میں پڑ گیا کہ کہہ رہے ہیں جو چاہوں لکھوں، حالاں کہ خود ہی کاغذ منگوایا، تو خود ہی لکھوانا چاہئے تھا۔

بہر حال اس نے والد کے کہنے پر کچھ لکھ دیا۔

تو والد نے کہا کہ ''اَب اُسے مٹادو''۔

بیٹے نے مٹادیا، پھر پوچھا کہ ''کیا کروں؟''

والد نے کہا کہ ''کچھ اور لکھو''۔

بیٹے نے کہا کہ ''آپ بتایئے کیا لکھوں؟''

باپ نے پھر کہا کہ ''جو جی چاہے لکھو''۔

بیٹے نے پھر کچھ لکھ دیا۔

تو والد نے کہا کہ ''اسے بھی ربڑ سے مٹادو''۔

الغرض وہ ایسے ہی لکھتا رہا اور والد مٹواتے رہے۔

تو بیٹا حیران ہو گیا کہ عجیب بات ہے کچھ بتلا بھی نہیں رہے کہ کیا لکھوں؟ اور میں جو لکھ رہا ہوں اسے مٹوا رہے ہیں۔

جب اسی طرح کافی دیر ہوگئی تو والد نے کہا کہ ''اسی عمل میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ تمہاری اِزدواجی زندگی اب شروع ہونے والی ہے، اس میں وقتاً فوقتاً حالات پیش آئیں گے، اور ناگواری کی صورتیں بھی ہوں گی، پس اگر تمہارے پاس مٹانے والا جذبہ نہیں ہے تو تمہاری زندگی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی''۔

اس تمثیلی واقعہ سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ جس شخص کو اپنی اِزدواجی زندگی پرسکون بنانی ہے، اسے ایسی ربڑ اپنے پاس رکھنی پڑے گی جو آمدہ حالات کو مٹاتی رہے، اور یہ حلم وبردباری، عفوودرگذر اور اعراض کی ربڑ ہے، اس سے کام لیا جائے گا تو ان شاء اللہ زندگی شاندار گذرے گی۔

آج ہمارے معاشرہ میں اسی بات کی کمی ہے، جس کی بنا پر بنے بنائے گھر منٹوں میں بگڑ جاتے ہیں، اور خاندانوں میں عداوتیں اور نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بہت معذرت کے ساتھ یہ بات عرض کرنی پڑتی ہے کہ آج جو طلاق کے بارے میں غیروں کی طرف سے اعتراضات کئے جارہے ہیں، اُن کا موقع خود ہم نے فراہم کیا ہے۔

اگر ہم شریعت کی روشنی میں اِقدامات کرتے تو کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا، اس لئے ضرورت ہے کہ ایسا ماحول بنایا جائے کہ خلافِ شریعت باتیں پیش نہ آئیں۔ ہمارے اندر حلم اور برداشت کا مادہ ہو، اور حتی الامکان رشتوں کو نبھانے کا جذبہ ہو۔

اطاعتِ خدا ورسول

جو آیت ہم نے شروع میں پڑھی تھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی پیغام دیا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اے ایمان والو! اللہ کی بات مانو، رسول اللہ کی بات مانو، اور جو تم میں اولوا الامر ہیں، ان کی بات مانو۔

اس سے مراد حکام اور علماء ہیں، جو شریعت کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں۔

پھر آگے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ﴾ یعنی اگر کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کردو، اگر تمہارا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ وَاَحْسَنُ تَأْوِیْلًا﴾ یعنی یہ (اتباعِ شریعت) تمہارے لئے بہتر ہوگا، اور انجام کے اعتبار سے شاندار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں، ہر طرح کے داخلی وخارجی شرور سے اُمت کی حفاظت فرمائیں، اپنی دائمی رضا نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اِشاعت: (۲۰)

حلف الفضول

(معاہدۂ امن وعدل)

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

- موضوعِ خطاب : حلف الفضول (معاہدۂ اَمن وعدل)
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : قومی یکجہتی کانفرنس مدرسہ ارشاد العلوم ڈھنڈیرہ روڑ کی
- تاریخ : ۲۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ ۳؍ مارچ ۲۰۱۹ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۱۶؍ منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبد الرحمٰن قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة، جزء آیت: ۲] صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

معزز علماء کرام، بزرگو، بھائیو اور نوجوان دوستو!

مدرسہ ارشاد العلوم کی طرف سے قومی یکجہتی کے موضوع پر یہ اجلاس منعقد کیا گیا ہے، اور آپ حضرات کا اِس میں بڑی تعداد میں شرکت کرنا مدرسہ سے تعلق کی دلیل ہے، اور ساتھ میں یہ اظہار بھی ہے کہ ہم لوگ امن پسند ہیں، اور امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔

اور جو لوگ امن کو خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ہم اُن سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

دینِ اسلام اَمن و امان اور محبتوں کا مذہب ہے۔

ایک دوسرے کی قدر دانی اور خیر خواہی کا مذہب ہے۔

یہ خیر خواہی آپس میں اپنوں میں بھی ہونی چاہئے۔

یعنی بھائی بھائی کے ساتھ خیر خواہی کرے۔

گھر کے اندر بھی ناصحانہ ماحول ہو۔

میاں بیوی میں بھی آپس میں ہم مزاجی اور ہم دردی ہو۔

اور رشتے داروں کے ساتھ بھی اچھے روابط ہوں۔

یہ سب باتیں اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رشتہ داریوں کا خیال رکھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ آپ کا ارشادِ عالی ہے: ''مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ''. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب من أحب البسط في الرزق رقم: ٢٠٦٧، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة رقم: ٢٥٥٧) (یعنی جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اُس کی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت ہو، تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے)

ظاہر ہے کہ یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب ہم اپنے حقوق ادا کریں گے۔

یعنی بھائی اپنے بھائیوں اور بہنوں کا حق ادا کرے۔

اسی طرح اولاد والدین کا اور والدین اولاد کا حق اَدا کریں، اور سب خاندان والے ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کریں، تو یقیناً آپس میں محبتیں وجود میں آئیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اسلام ہر سطح پر یکجہتی چاہتا ہے۔ آپس میں بھی یکجہتی ہو، اور غیروں کے ساتھ بھی مشترکہ انسانی وقومی معاملات میں یکجہتی ہو۔

مکہ مکرمہ کا تاریخی معاہدۂ امن وعدل

جب سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال کی تھی، تو یمن کے ''قبیلۂ زبید'' کا ایک تاجر تجارت کا سامان لے کر مکہ معظّمہ آیا۔

تو اُس وقت وہاں ایک بہت بڑا ظالم وجابر سردار تھا، جس کا نام ''عاص بن وائل'' تھا، اُس نے اس تاجر کا سارا سامان اکیلے خریدنے کا تذکرہ کیا۔ وہ تاجر بے چارہ خالی الذہن تھا، اُس نے سوچا کہ اچھا ہے ایک ہی آدمی سبھی سامان خرید لے؛ لہٰذا اُس نے سارا سامان ''عاص بن وائل'' کے گھر لے جا کر رکھ دیا۔ جب سامان اُس کے قبضے میں آ گیا، تو تاجر نے قیمت کا مطالبہ کیا، تو ''عاص بن وائل'' نے قیمت دینے سے صاف انکار کر دیا، اور اُس پردیسی تاجر سے کہا کہ خیریت چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ!

اَب وہ تاجر بے چارہ بڑا پریشان ہوا کہ اس نے تو ساری پونجی ہی اپنے قبضہ میں کر لی۔

اس لئے مجبوراً وہ دیگر لوگوں کے پاس شکایت لے کر گیا اور درخواست کی کہ اس ظالم سے ہماری رقم دلوائی جائے، مگر ''عاص بن وائل'' کا رعب اس قدر تھا کہ کسی کو اُس غریب کی فریادرسی کی ہمت نہ ہوئی؛ بلکہ اُلٹے تاجر ہی کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔

تو وہ زبیدی تاجر مکہ کی ایک پہاڑی پر چڑھا اور اُس نے اُس زمانہ کے دستور کے اعتبار سے چند اشعار پڑھے، جن میں اپنے مظلومیت کی دُہائی دی، اور لوگوں سے مدد کی فریاد کی۔

اور جیسا کہ آج کل میڈیا کے ذریعہ لوگوں تک بات پہنچائی جاتی ہے، اُس زمانے میں اشعار کے ذریعہ باتیں پہنچائی جاتی تھیں، یعنی اپنے مافی الضمیر کو اشعار میں بیان کر کے عام کر دیا جاتا، اور سننے والے اُن اشعار کو اِدھر سے اُدھر پہنچا دیتے تھے۔

چناں چہ جب اُس کے وہ مظلومانہ اشعار سردار مکہ ''زبیر ابن عبد المطلب'' تک پہنچے (جو مکہ کے ایک سمجھ دار اور باوقار شخص تھے اور نبی اکرم علیہ السلام کے سگے تایا تھے) تو انہوں نے کہا کہ ''یہ ہمارے لئے بڑی ذلت کی بات ہے کہ ایک مظلوم شخص ہم سے آ کر مدد چاہے، اور ہم اُس کی مدد بھی نہ کر سکیں''۔

اس لئے اُنہوں نے اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک مختصر اجتماع ''عبداللہ ابن جدعان'' کے گھر پر رکھا، جو مکہ معظّمہ کے ایک نیک دل شخص تھے۔

اس اجتماع میں جو لوگ حاضر ہوئے اُنہوں نے ایک معاہدہ تیار کیا، جس کے پانچ اہم اجزاء تھے:

(۱) اول یہ کہ مکہ معظّمہ میں اگر کسی کے ساتھ کوئی شخص ظلم کرے گا تو ہم مظلوم کے ساتھ کھڑے ہوں گے، اور جب تک اُس کا حق ادا نہ ہو جائے، ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی جائیداد یا زمین غصب کرلے گا تو ہم اسے واپس لوٹانے کی کوشش کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر یہاں کوئی مسافر اور پردیسی آئے گا، تو ہم اس کی مدد کریں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ غریبوں، فقیروں اور محتاجوں کا مل کر تعاون کیا جائے گا۔

(۵) اور آخری جزء یہ کہ ہم مکہ میں کسی ظالم کو رہنے نہیں دیں گے اور اس کو نکال باہر کریں گے۔

یہ وہ پانچ اجزاء ہیں جن پر حاضرین نے اتفاق کیا اور اس معاہدے کا نام ''حلف الفضول'' رکھا گیا، جس کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس مجمع کے اندر تین آدمی ایسے تھے جن کا نام فضل تھا: (۱) فضل ابن حارث (۲) فضل ابن وداعہ (۳) فضل ابن فضالہ۔ واللہ اعلم

پھر اُن لوگوں نے ''عاص بن وائل'' سے تاجر کا سامان واپس کروایا۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس معاہدہ کی مجلس میں سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے قریبی اعزاء کے ساتھ تشریف فرما تھے۔

اور بعد میں جب آپ کو رسالت سے سرفراز کردیا گیا، تو آپ اِس معاہدے کو یاد کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: ''مجھے وہ معاہدہ سرخ اُونٹوں سے زیادہ پسند ہے، اور اگر آج بھی مجھے اس طرح کے کسی معاہدے کی دعوت دی جائے، تو میں قبول کروں گا''۔ (تلخیص: البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۲/۲۳۳-۲۳۵ دار احیاء التراث العربی بیروت وغیرہ)

گویا کہ ظالم کا نہیں؛ بلکہ مظلوم کا ساتھ دیا جائے گا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے گی، اور مسافروں اور پردیسیوں کا تعاون کیا جائے گا۔

یہی اصل میں قومی یکجہتی اور رواداری ہے، جس کا اسلام داعی ہے۔

ہمارے ملک کی ضرورت

ہمارا ملک ہندوستان جس میں ہر طرح کے مذہب والے لوگ رہتے ہیں۔

اسی طرح الگ الگ زبان بولنے والے اور الگ الگ تہذیبی شناخت رکھنے والے افراد بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

یہ وسیع الشان ملک اُسی وقت صحیح معنی میں ترقی کرسکتا ہے، اور آگے بڑھ کر کامیاب ہوسکتا ہے، جب کہ یہاں کے رہنے والے سبھی شہری ایک دوسرے کے ساتھ محبتوں کا معاملہ کرنے والے ہوں۔

اسی لئے اِس ملک کا جو دستور ہمارے اکابر رحمہم اللہ وغیرہ کی کوششوں سے بنایا گیا، اس کی ایک اہم بنیادی دفعہ یہ ہے کہ ”یہاں کا رہنے والا ہر فرد، اپنے مذہب، زبان اور تہذیب میں آزاد ہے، کسی کے ساتھ بھی دباؤ یا جبر کا معاملہ نہیں کیا جاسکتا“۔

اس لئے میرے بھائیو! ہمارے ملک میں بسنے والوں کی قومی ذمہ داری ہے کہ وہ سب ایک دوسرے کا احترام ہر سطح پر پیش نظر رکھیں، اور نفرت کرنے والوں سے دور رہیں۔

خاص طور پر ہمیں اپنوں اور غیروں کے ساتھ ہمیشہ محبت و ہمدردی کا معاملہ کرنا چاہئے۔

حتیٰ کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ غلط برتاؤ کرے تو بھی ہم اس کا بہتر انداز میں جواب دیں۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”اگر تم برائی کا بدلہ بھلائی سے دوگے، تو جو تمہارا دشمن ہے وہ بھی سگا دوست بن جائے گا“۔ (حم السجدۃ ۳۴)

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا بار بار تجربہ کیا جاچکا ہے۔

لہٰذا ہمیں ہر سطح پر محبتوں کو عام کرنا ہے۔

اچھائیوں میں ایک دوسرے کا معاون بننا ہے۔

اور برائیوں میں کسی کا ساتھ نہیں دینا ہے۔

یہی قرآنِ کریم کی تعلیم ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں آیت کا ٹکڑا پڑھا تھا کہ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ (یعنی نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو)

اور فرمایا کہ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (یعنی گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ مت دو)

یہی سچے انسان اور سچے مسلمان کی پہچان ہے۔

اگر ہم اِس کا مظاہرہ کریں گے تو جو لوگ آج بظاہر ہمارے دشمن نظر آرہے ہیں، اِن شاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ وہ بھی دوستی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اِس جلسے کو قبول فرمائیں۔

ہمارے ملک اور پورے عالم میں ہر سطح پر امن وامان قائم فرمائیں۔

بدامنی سے حفاظت فرمائیں۔

اور اِس مدرسے کو بھی قبول فرما کر خوب ترقیات سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ